اردو ادب پر عالمگیریت کے اثرات: حسن منظر کے ناولوں کا خصوصی مطالعہ

مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اردو)

مقالہ نگار:

فوزیہ انار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دسمبر ۲۰۲۲ء

اردو ادب پر عالمگیریت کے اثرات: حسن منظر کے ناولوں کا خصوصی مطالعہ

مقالہ نگار:

فوزیہ انار

یہ مقالہ

پی ایچ ڈی (اردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز

(اردو زبان و ادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دسمبر ۲۰۲۲ء

باب اول:

موضوع تحقیق کا تعارف اور بنیادی مباحث

موضوع کا تعارف

عالمگیریت انگریزی اصطلاح globalization کا ترجمہ ہے۔ یہ اصطلاح ۱۹۶۲ء میں پہلی دفعہ استعمال کی گی اور اس کی مختلف طریقوں سے تشریح کی گئی ہے۔ عالمگیریت سے مراد دور حاضر کا ایک ایسا جدید تر معاشی اور سماجیاتی نظام ہے جس کے تحت دنیا بھر میں یکساں زندگی کے فروغ کی طرف قدم بڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ اصطلاح دراصل ان تعلقات کی طرف اشارہ کرتی ہے جو جدید قوموں کے مابین پیدا ہو رہے ہیں۔ عالمگیریت کوئی فکری تحریک یا رجحان نہیں بلکہ یہ ایک طرز حکمرانی ہے۔ عالمگیریت کے مختلف پہلو ہیں معاشی، سیاسی، ثقافتی وغیرہ۔ تہذیبی اور ثقافتی پہلو سے اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ گلوبلائزیشن ایک تہذیبی ترقی کا نام ہے جس کی بنا پر اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی تبادلہ ہوتا ہے اور نہایت سہولت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ معلومات، افکار و خیالات اور دولت منتقل ہو جاتی ہے۔ ثقافتی عالمگیریت دو بنیادوں پر قائم ہے۔

۱۔ انفارمیشن اینڈ ٹیکنالوجی کا فروغ جس میں ذرائع ابلاغ اور فلمیں وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ قوموں اور معاشروں کے درمیان مشابہت اور یکسانیت کا بڑھتا ہوا تناسب۔

معاشی پہلو کے لحاظ سے عالمگیریت ملکی اور بین الاقوامی سطح پر صنعت اور خدمات و معلومات کے بیش بہا خزانے کو فروغ دینے کا نام ہے۔

عالمگیریت نے زندگی کے ہر شعبے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے اس لیے اردو ادب پر بھی اس کے گہرے اثرات ہیں۔ عالمگیر واقعات اور تبدیلیوں سے ادب اور ادیب متاثر ہو رہا ہے۔ موضوعات، پیش کش، اسلوب اور تکنیک کے نئے تجربات ہو رہے ہیں۔ اردو زبان میں لکھے جانے والے جدید ناول جدید تکنیک اور اسلوب

میں لکھے جا رہے ہیں۔ ہمارے جدید ناولوں کا منظر نامہ بھی بین الاقوامی ہے۔ تکنیک، ہیئت، الفاظ، معاشرت، رہن سہن، موضوعات سب میں گلوبلائزیشن کی واضح جھلک نظر آتی ہے۔

اردو ادب پر عالمگیریت کے اثرات ایک اہم موضوع ہے۔ حسن منظر جن کا شمار دور جدید کے اہم لکھنے والوں میں ہوتا ہے۔ عالمگیریت کے تناظر میں ان کے ناولوں کا مطالعہ ایک اہم موضوع ہے۔ انہوں نے افسانہ نگاری اور ناول نگاری میں نام پیدا کیا۔ ان کے ناولوں میں العاصفہ ،وبا، دھنی بخش کے بیٹے، بیر شیبا کی لڑکی، ماں بیٹی اور انسان اے انسان شامل ہیں۔

مسئلہ کا بیان:

عالمگیریت نے زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا ہے اس لیے زبان اور ادب کے لیے الگ تھلگ رہنا ممکن نہیں۔ جب زندگی یا معاشرہ کسی شے، عمل یا نظریے سے متاثر ہوتا ہے تو ادب اور زبان بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس اصول کے تحت اردو ادب بھی عالمگیریت سے متاثر ہو رہا ہے۔ حسن منظر کا شمار اردو ادب کے اہم لکھنے والوں میں ہوتا ہے۔ ان کے ناولوں میں بھی عالمگیریت کی جھلک نظر آتی ہے۔ حسن منظر کے ناولوں کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے کہ واضح ہو سکے کہ وہ کس حد تک عالمگیریت سے متاثر ہیں اور اپنے ناولوں میں عالمگیریت کے مختلف تناظرات کو کیسے برتتے اور پیش کرتے ہیں۔ ادبی دنیا میں ان کا کام اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے۔

مقاصد تحقیق:

۱۔ عالمگیریت اور اس کے مختلف تناظرات کو جاننا۔

۲۔ اردو ادب پر عالمگیریت کے اثرات کو سمجھنا۔

۳۔ حسن منظر کے ناولوں میں عالمگیریت کے تناظرات کی پیشکش اور نوعیت کو زیر بحث لانا۔

تحقیقی سوالات:

ا۔ عالمگیریت کا تصور اور مختلف تناظرات میں اس کے مباحث کیا ہیں؟

۲۔ اردو ادب پر عالمگیریت کے متنوع اثرات کی نوعیت کیا ہے؟

۳۔ حسن منظر کے ناولوں میں عالمگیریت کے عمرانی تناظر کی پیش کش کا فکری و فنی پہلو کیا ہے؟

۴۔ حسن منظر کے ناولوں میں عالمگیریت کے سیاسی و معاشی تناظرات کی پیش کش کے فکری و فنی پہلو کیا ہیں؟

نظری دائرہ کار:

کسی بھی ادیب کی نگارشات کے صحیح تجزیے کے لیے اس صنف کے علمی و ادبی عناصر کے علاوہ اس کے دیگر محرکات کو بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے جو ان نگارشات کو وجود میں لانے کا باعث ہوتے ہیں کیونکہ ان کے بغیر کوئی محقق درست تجزیہ نہیں کر سکتا۔ زیر نظر تحقیق اردو ادب پر عالمگیریت کے اثرات (حسن منظر کے ناولوں کا خصوصی مطالعہ) پر مشتمل ہے۔ مبین مرزا اپنے مضمون "عالمگیریت اور ہمارا عصری اور ادبی تناظر" میں عالمگیریت کی تعریف یوں کی ہے۔ عالمگیریت دراصل وہ ایجنڈا ہے جو کہ رنگوں، نسلوں، زبانوں اور عقیدوں کی اس دنیا کی نئی تشکیل سے عبارت ہے۔ ایسی نئی تشکیل جس میں دنیا کی سب اقوام اور سارے افراد ایک ہی سانچے میں ڈھلی ہوئی زندگی گزارتے نظر آئیں اس کے علاوہ ڈاکٹر سلیم اختر نے بھی عالمگیریت کو اپنے مقالات کے مجموعہ "ڈاکٹر سلیم اختر (مقالات)" میں اس طرح بیان کیا ہے کہ عالمگیریت کا مطلب یہ نہیں کہ سرحدیں ختم ہو گئیں ملک یکجا ہو گئے اور مختلف نسل انسانی گروہ عالمی برادری میں تبدیل ہو کر صحیح معنوں میں اولاد آدم بن گئی۔ اقتصادی اور سیاسی مفہوم کے متوازی عالمگیریت دوسری تہذیبوں، کلچرز، تخلیقات و تصورات کی آزاد حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے ان سے اخذ استفادہ ہے اور ان تخلیقات پہ

مقالات اور مضمون پیش نظر رہیں گے اس کے علاوہ حسن منظر کے ناولوں پر عالمگیریت کے گہرے اثرات ہیں ان کے ناولوں کا تجزیہ کر کے ان میں عالمگیریت کے اثرات کو نمایاں کرنا ایک اہم اور منفرد کام ہو گا۔

تحقیقی طریقہ کار:

موضوع تحقیق اردو ادب پر عالمگیریت کے اثرات (حسن منظر کے ناولوں کا خصوصی مطالعہ) ہے۔ لہذا تاریخی یا دستاویزی طریقہ تحقیق کے تحت موضوع کے متعلق مطبوعات کی جمع آوری، ترتیب، مطالعہ اور تجزیہ کرنا ہو گا، بنیادی ماخذات میں حسن منظر کے ناولوں کو شامل کیا جائے گا جبکہ ثانوی ماخذات میں حسن منظر کی ناول نگاری اور ان کے اسلوب، افکار و خیالات وغیرہ کے متعلق مضامین، کتب، ورسائل کا مطالعہ کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ عالمگیریت کے حوالے سے مندرجات کا مطالعہ کیا جائے گا۔ جن تک رسائی کے لیے لائبریری، انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔

مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق:

حسن منظر کی ناول نگاری کے حوالے سے متعدد مصنفین نے اپنی تصنیفات میں ان کی ادبی خدمات کے مختلف پہلوؤں پر بعض نے اختصار کے ساتھ اور بعض نے طویل اظہار کیا ہے مثلاً ممتاز احمد خان نے اردو ناول کے ہمہ گیر سروکار جبکہ روبینہ سلطان نے تین نئے ناول نگار میں ان کی ناول نگاری پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف رسالوں میں بھی اظہار کیا گیا ہے۔ البتہ جامعاتی سطح پر اس موضوع پر کوئی تحقیقی مقالہ نہیں لکھا گیا۔

تحدید:

مجوزہ تحقیقی مقالہ اردو ادب پر عالمگیریت کے اثرات (حسن منظر کے ناولوں کا خصوصی مطالعہ) پر مشتمل ہے۔ حسن منظر کے ناولوں کے علاوہ ان کی دیگر تحریریں اور ادبی خدمات اس مقالے کی تحقیقی حدود

سے باہر ہوں گی۔اس کے علاوہ ناول کے فنی مباحث اسی حد تک اس میں شامل کیے جائیں گے جن کا تعلق موضوع سے ہو۔

ب:عالمگیریت تصور، تاریخ اور دیگر مباحث

عالمگیریت انگریزی لفظ Globalization کا اردو روپ ہے۔ عربی زبان میں اس کے لیے العولمہ اور فارسی میں جہاں سازی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ مغربی اصطلاح ہونے کے باعث اس کے معنی اور مفہوم انگریزی میں ڈھونڈنا زیادہ آسان ہے۔

گلوبلائزیشن کا لفظ گلوب "Globe" سے نکلا ہے۔ Globe سے ہی لفظ گلوبل ماخوذ ہے۔اس کے معنی جہاں یعنی دنیا کے ہیں لیکن جب Globe کے ساتھ ization کا اضافہ کرتے ہیں تو اس میں پوری دنیا کو شامل کیا جاتا ہے۔فارسی میں اس کے دو مطلب ہیں دنیا کو شامل کرنا اور دنیا کا شامل ہونا۔جب کے اردو اور عربی میں اس کے معنی ایک ہی ہیں مگر ان کی وضاحت مختلف ہے۔

گلوبل لفظ کے مفہوم کے حوالے سے کلیم الدین احمد لکھتے ہیں

گلوبل، عالمگیر، عالمی، کروی[۱]

گلوبلائزیشن کے ماہرین متفق ہیں کہ یہ لفظ نیا ہے لیکن اس سے وابستہ تصور نیا نہیں۔ گلوبلائزیشن کے مفہوم کی وضاحت مختلف لغات میں اس طرح کی گئی ہے۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کے مطابق:

The process by which a company, organization, or other entity gains global influence or begins operating on a global scale [۲]

یعنی عالمگیریت ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے کاروبار یا دیگر بین الاقوامی ادارے اپنا اثر و رسوخ قائم کرتے ہیں یا بین الاقوامی سطح پر اپنے کاروبار کو شروع کرتے ہیں۔New collegiate ڈکشنری کے مطابق

Globalization is the process of becoming or acting globally.[٣]

عالمگیر بنانے کا عمل عالمگیریت کی حالت ہے۔

اس کے بعد گلوبلائز کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے

Globalize to become global : esp to make worldwide in scape or uses.[4]

گلوبلائزیشن کے لیے کچھ دیگر الفاظ بھی رائج ہیں جو گلابلائزیشن کو مجموعی طور پر بیان نہیں کرتے بلکہ اس کے کسی ایک پہلو کو بیان کرتے ہیں، مثلاً

ایک اصطلاح لبرلائزیشن " Liberalization " استعمال کی جاتی ہے۔ اس سے مراد ہے کہ سرحدوں سے آزاد ایک عالمی معیشت کو وجود میں لانا۔

اس کے علاوہ آفاقیت "Universalization" کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔

اس مفہوم میں گلوبلائزیشن کا مطلب اشیاء و تجربات کو دنیا میں موجود تمام انسانوں تک پھیلانا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اصطلاح "Modrernlization/Westernization" بھی استعمال کی جاتی ہے۔

یہ تمام اصطلاحات عالمگیریت کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتی ہیں لیکن حقیقت میں عالمگیریت ان تمام پہلوؤں اور تصورات کو یکجا کر کے دیکھتی ہے۔

عالمگیریت نے دنیا بھر میں سیاست، مذہب، معیشت، معاشرت، ادب و فکر کو متاثر کیا ہے۔ مختلف علوم کے ماہرین اپنے اپنے مخصوص تناظر میں اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ ماہرین معاشیات اس کے معاشی پھیلاؤ کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کے معیشت کے عالمی پھیلاؤ کے مختلف خدوخال بیان کرتے ہیں۔ ماہرین عمرانیات اسے ثقافت کے حوالے سے دیکھتے ہیں اور دنیا میں ہونے والی ثقافتی تبدیلیوں اور اس کے اثرات کو

بیان کرتے ہیں۔ سیاسی ماہرین قومی حکومتوں کے کردار میں تخفیف اور عالمی حکومت کے قیام کے تناظر میں اسے دیکھتے ہیں۔

اصطلاح کے طور پر عالمگیریت کے لفظ کا استعمال بیسویں صدی کی آخری دہائی میں ہوا۔لفظ عالمگیریت کا استعمال پہلی بار ۱۹۵۹ء میں امریکہ کے اقتصادی امور کے لیے کیا گیا لیکن اس کے بعد یہ سیاسی، ثقافتی، معاشرتی اور دیگر علوم کے لیے بھی استعمال ہونے لگا۔ اس کے بعد دنیا پر قبضے اور عالمی حکومت کی تشکیل کے مفہوم میں بھی استعمال ہونا شروع ہوگیا۔اس کے بعد یہ لفظ ڈکشنری میں بھی شامل ہوگیا۔ ۱۹۹۲ء کے بعد ماہرین کے ساتھ ساتھ عام لوگ بھی اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔عالمگیریت کا پہلا نظریہ کینیڈا کے ایک ماہر تعلیم ماش Maluham نے ۱۹۶۴ء میں پیش کیا تھا اس نے اپنے نظریے میں کہا کہ مواصلات اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی وجہ سے فاصلے کم ہوگئے ہیں اور ہماری زندگیوں پر اس کے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ہماری سوچیں غرض ہر چیز عالمگیریت کی وجہ سے متاثر ہوئی ہے۔بہر حال کتب لغات، دائرہ المعارف اور ماہرین کے ہاں اس کی اصطلاح کی تعریف مختلف انداز میں کی گئی ہے۔ان تعریفات کا جائزہ لینا ضروری ہے تا کہ ایک جامع تعریف اخذ کی جاسکے۔

دی انسائیکلوپیڈیا برٹنیکا میں اس کی تعریف ان الفاظ میں ہے۔

> Globalizationrefers to the process by which people's daily lives, which are characterized by the spread of ideas and communication, become more uniform throughout the world.[۵]

اس تعریف میں مقامی روایات اور مخصوص جغرافیائی خصوصیات کے بغیر دنیا کو ایک جگہ میں شامل کیا گیا ہے جہاں یکساں ثقافت فروغ پاسکے۔

آکسفورڈ آن لائن ڈکشنری کے مطابق

Transnational or interregional flows and networks of activity, interaction, and power are some examples of how globalization is conceptualized as a process or set of processes that embodies a change in the spatial organization of social relation and transaction. (۶)

عالمگیریت کو ایسے عمل کے طور پر لیا جاتا ہے جو سماجی معاملات اور تعلقات کا اظہار بین الراعظمی طور پر یا بین العلاقائی سرگرمیوں طاقت یا باہمی روابط کے بہاؤ کے طور پر ہوتا ہے۔

ڈکشنری آف پولیٹکل سائنس کے مطابق

The term "globalization" refers to the growing interdependence, integration, and interaction between people and businesses in various parts of the world. It is an all encompassing term that describes a variety of economic, commercial, social, technological, cultural, and political relationships. (۷)

اس تعریف کے مطابق عالمگیریت مختلف علاقوں میں موجود افراد اور اداروں کے درمیان بڑھتے ہوئے انحصار تعامل اور انضمام کا نام ہے۔ یہ مختلف تصورات پر محیط ایک چھتری نما اصطلاح ہے۔ جس کے نیچے معیشت، تجارت، سماجی، ثقافتی اور سیاسی تعلقات کے مجموعے آجاتے ہیں۔

پینگوئن ڈکشنری آف اکنامکس نے عالمگیریت کی وضاحت کچھ اس طرح کی ہے۔

The geographical distribution of industrial and service activities, as well as the cross-border networking of companiones.[۸]

عالمگیریت سے مراد صنعتوں اور خدمات کے شعبوں کی سرگرمیوں کا ایسا جغرافیائی پھیلاؤ اور مختلف کمپنیوں کا سرحدوں سے بالاتر مربوط سلسلہ ہے۔

رابرٹ سن اپنی کتاب Globalization: social theory and culture میں لکھتے ہیں۔

The comparison of the world heightens awareness of the world as a whole .[۹]

دنیا کا سمٹ جانا اور پوری دنیا کو بطور ایک اکائی سمجھنے کا عمل۔

Megrew کے مطابق

The modern world system's multiplicity of linkages and interconnections, which transcend nation states (and by extending the societies), define a process through events, decisions, and activities in one part of the world that can have a significant impact on people and communities in another part of the world.[۱۰]

عالمگیریت دراصل مختلف ممالک کے درمیان قربت اور روابط کے بڑھاؤ کا نتیجہ ہے۔ جہاں ایک ملک میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا اثر دوسرے ممالک کے افراد پر بھی ہوتا ہے۔

ایل کروچہ کے مطابق

Globalization can be defined as the process by which all of the world's citizens come together to form one society and conduct joint activities. Economic, technological, social, cultural, and political forces are all at play in the process. (۱۱)

عالمگیریت کی وضاحت ایک عمل کے طور پر کی جاسکتی ہے جس میں تمام عوام ایک ہی معاشرے میں متحد ہو جائے اور مل کر کام کرے۔ یہ عمل معاشی، تکنیکی، سماجی، ثقافتی اور سیاسی قوتوں کا مجموعہ ہے۔

مشہور امریکی مفکر Francis fukuy کے مطابق

Technology Technology enables the lirnitless accumulation of wealth, and thus the satisfaction of and overspending set of human desires. This process ensures and increases the homogenization of all human societies, regardless of their historical or cultural origins. (۱۲)

عالمگیریت کا مجموعہ جدید ٹیکنالوجی کے نتیجے میں ہونے والے سرمائے کی فراہمی اور اس سے جنم لینے والی انسانی خواہشات اور ضروریات ہیں۔ یہ طریقہ کار تمام انسانوں کے اطوار و اقدار میں اختلاف ہونے کے با وجود یکسانیت پیدا کرتا ہے۔

ماہر عمرانیات میکلم والٹر عالمگیریت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں

A systematic process in which the geographic constrain on political, economic, social, and cultural arrangements

recedeand people become increasingly aware that they are receding.(۱۳)

ایک سماجی عمل جس میں علاقائی حدود، معاشی،سیاسی، سماجی، اور تہذیبی بندوبست کی وجہ سے کم ہو جاتی ہیں اور لوگ آگاہ ہیں کہ یہ بندھن ختم رہے ہیں۔

رابرٹ سن اپنی کتاب Globalization: social theory and culture میں لکھتے ہیں

In the 20th century, there was a concrete increase in global interdependence and a corresponding increase in global consciousness due to both the compression of the world and its intensification. (۱۴)

عالمگیریت دنیا کے سمٹ جانے اور پوری دنیا کو ایک اکائی سمجھنے کا عمل۔ بیسویں صدی میں ہی دونوں چیزیں یعنی باہمی انحصار اور دنیا بطور عالمی انحصار میں اضافے کا باعث بنیں گی۔

تھامس فرائیڈ مین The lerus olive tree میں لکھتے ہیں۔

This is how I define globalization: It is the unstoppable integration of markets, nation, state, and technologies to a degree never seen before that is enabling people, corporations, and nation, states to reach around the world farther, faster, deeper, and cheaper than ever before, as well as in a way that is enabling the world to reach into people, corporations, and nation, states, to reach, deeper than ever before. (۱۵)

میں عالمگیریت کی وضاحت یوں کرتا ہوں قوموں، ریاستوں اور ٹیکنالوجیز کا ایسا انضمام ہے جو پہلے نہیں دیکھا گیا اور یہ عمل انفرادی کارپوریشنز اور اور ریاستوں کو اس قابل بنادیتا ہے کہ وہ دنیا بھر میں پہلے کے مقابلے میں تیزی سے اور کم اخراجات سے زیادہ دور تک پہنچ سکیں اور اس طرح دنیا انفرادی کارپوریشنز اور ریاستوں تک پہلے کے مقام میں کم وقت اور اخراجات سے پہنچنے کے قابل ہو جاتی ہے۔

سید مسعود جاوید عالمگیریت کو ترقی پذیر ممالک کے لیے آبادیاتی نظام قرار دیتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

> There is a concern in developing countries that as their economies are taken over by western MNCs serving western financial interests, globalization will trigger recolonization.(۱۶)

ترقی پذیر ممالک میں یہ خوف پایا جاتا ہے کہ عالمگیریت نو آبادیت کی طرف لے جائے گی جہاں ان کی معیشت پر مغربی ملٹی نیشنل کمپنیوں کا قبضہ ہو گا جو مغرب کے معاشی مفاد کے لیے کام کریں گی۔ یونائیٹڈ نیشنل اکنامکس اینڈ سوشل کمیونیکیشنز کی رپورٹ ۲۰۰۲ کے مطابق عالمگیریت کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

> The term “globalization,” which is frequently used and has a variety of definitions, refers to the removal of trade barriers between countries in order to facilitate the flow of goods, capital, and labor across borders. (۱۷)

عالمگیریت ایک وسیع پیمانے پر استعمال شدہ اصطلاح ہے جسے مختلف طریقوں سے بیان کیا جاسکتا ہے۔ جب یہ معاشی حوالے سے کیا جاتا ہے تو اس سے مراد سرحدوں کے مابین رکاوٹوں کو کم کرنا اور ان کو ختم کرنا ہے تاکہ سامان، سرمائے، خدمات اور مزدوروں کے بہاؤ کو آسان بنایا جاسکے۔

وکی پیڈیا پر عالمگیریت کی ضاحت یوں کی گئی ہے۔

> The process of interaction and integration between individuals, businesses, and governments on a global scale is known as globalization. (۱۸)

ڈاکٹر ناصر عباس نئیر عالمگیریت کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

> گویا عالمگیریت ایسا فینومنین(Phenonminon) ہے جس میں آزادانہ نقل و حرکت بنیادی چیز ہے اور اس نوع کی نقل و حرکت وہاں ہوتی ہے جہاں سرحدیں نہ ہوں ۔عالمگیریت سرحدوں کے تصور کو ختم کرتی ہے (۱۹)

ایئر کموڈو شاہد لطیف باجوہ اپنے مضمون "Globalization challanges for Pakistan" میں عالمگیریت کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

> In literal sense, globalization is the process of transforming local, regional, or even localized things or phenomena into global ones.It can also be used to undo the processes that bring together economic, technological, social, cultural, and political forces to form a single global society and enable it to function. (۲۰)

اس کے لفظی معنی میں مقامی یا علاقائی چیزوں یا مظاہر کو عالمی سطح پر تبدیل کرنے کا عمل ہے۔اسے ایک ایسے عمل کی وضاحت کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے جس کے ذریعے دنیا کے لوگ ایک ہی معاشرے میں متحد ہو جائیں اور مل کر کام کریں۔ یہ عمل معاشی، تکنیکی، معاشرتی، ثقافتی اور سیاسی قوتوں کا مجموعہ ہے۔

ڈاکٹر عرفان احسن پاشا نے اپنے مقالے "اردو ادب پر عالمگیریت کے اثرات" میں عالمگیریت کی وضاحت یوں کی ہے۔

> عالمگیریت انگریزی اصطلاح Globalization کا ترجمہ ہے، عصر حاضر کا ایک جدید تر معاشی اور سماجی نظام ہے جس کے تحت دنیا بھر میں یکساں زندگی کے فروغ کی طرف قدم بڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ (۲۱)

مبین مرزا نے عالمگیریت کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے۔

> عالمگیریت اصل میں وہ ایجنڈا ہے جو ایسی تشکیل سے عبارت ہے جس میں دنیا کی سب اقوام اور سارے افراد ایک سانچے میں ڈھلی ہوئی زندگی گزارتے ہیں۔ (۲۲)

خالد اقبال یاسر کے مطابق

> عالمگیریت شہنشاہیت، ہوس، ملک گیری، مغربی استعمارانہ سامراج، نو آبادیت اور نئی نو آبادیت کی نئی مگر پہلے سے بھی زیادہ مکروہ صورت ہے۔ عالمی گاؤں، عالمی تہذیب، عالمی شہریت، آزادانہ تجارت اور خرید و فروخت، سرمائے انسان، اشیاء خدمت، تکنیک اور معلومات کا سرحدوں سے آزادانہ تبادلہ اور خرید و فروخت معاشی مشترکہ انحصاری اور روشن خیالی عالمگیریت کا چہرہ ہے۔ مگر چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر، اقوام متحدہ OPEC, IMFG, یورپی یونین، نیو ورلڈ آرڈر کے ذریعے غریب ملکوں پر شکنجہ کس دیا گیا ہے اور جو ملک ان اداروں کے شکنجے سے باہر رہنے کے قابل ہے اس پر فوج کشی کر دی جاتی ہے۔ پامال سرحدوں اور ملکی سالمیتوں کی بکھری ہوئی دھجیاں عالمگیریت کے عملی پہلو کی عکاسی کرتی ہیں۔ (۲۳)

سید عبد الغفار اپنے مضمون میں عالمگیریت کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

> گلوبلائزیشن کے معنی ہیں "حدود کا اختتام"۔ (۲۴)

مندرجہ بالا تعریفیں عالمگیریت کے مختلف خدوخال کو اجاگر کرتی ہیں ۔ یہ عالمگیریت کا ایسا تصور سامنے لاتی ہیں جو جغرافیائی حدبندیوں سے ماوراہو۔ یہ ایک آزادانہ تجارت کی تحریک ہے۔ جو مقامی حکومتوں کے کردار کو کم کرتی ہے۔اس کے ساتھ یہ ثقافتی تنوعات کو بذریعہ طاقتور ذرائع ابلاغ ختم کرتے ہوئے ثقافتی یکسانیت کو فروغ دینے کی خواں ہے۔ یہ ایک کثیر الجہتی اصطلاح ہے۔ تمام شعبہ ہائے حیات اس سے متاثر نظر آتے ہیں۔ یہ اصطلاح مغرب سے آئی ہے۔ یہ مغربی تہذیب ،سیاست، معاشرت اور معیشت کے غلبے کا نام ہے یہی وجہ ہے ان تمام جہتوں نے پوری دنیا کو بالواسطہ یابلاواسطہ متاثر کیاہے۔عالمگیریت کی حتمی تعریف اس لیے ممکن نہیں کیونکہ اس کے ہمہ گیر اور مختلف پہلو ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ عالمگیریت اس دنیا میں آباد اقوام اور ملکوں کو قریب لانے کا ایک عمل ہے اور اس کی ابتداء آزاد منڈیوں کے نظام سے ہوئی لیکن معاش سے زندگی کے باقی پہلو بھی جڑے ہوئے ہیں لہذا بنیادی طور پر ااس تحریک نے ہر شعبہ کو اپنے حیطہ اثر میں لے کر زندگی کو بدل کرر کھ دیاہے۔اس تحریک کو فروغ دینے والے ذرائع تیز رفتار ذرائع نقل و حمل اور اطلاعاتی ٹیکنالوجی میں برق رفتاری ہے جس کی وجہ سے فاصلے سمٹ گئے ہیں اور بڑی تیزی کے ساتھ معلومات، نظریات فیشن اور دوسری چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی ہیں۔ تیز رفتار سفر اور بڑے پیمانے پر مواصلات کی بدولت اس نظریے نے بہت ترقی حاصل کی ہے۔ محققین جہاز ، ٹیلی فون اور انٹرنیٹ کو عالمگیریت کا نمائندہ قرار دیتے ہیں۔

> These three inventions the telephone, the internet, and the airplane can be directly attributed to the growth of globalization. [۲۵]

ابلاغ ہی کی صلاحیت نے تجارت اور مالی امور میں تبدیلی پیدا کی ہے اس کو عالمگیریت کہا جاتا ہے، جیسے جیسے عالمگیریت بڑھتی جارہی ہے یہ اقوام کو بھی اپنے ساتھ کھینچ رہی ہے۔ اس عمل کے دوران وسائل جتنے جدید اور تیز تر ہوں گے یہ اتنی جلدی پھیلے گا۔ دراصل عالمگیریت کی سوچ انسان کے اندر شروع سے موجود ہے اور اسی سوچ کی بدولت انسان محنت کر رہاہے۔اس سوچ کو عملی مہمیز بیسویں صدی کی آخری دہائی

میں ملی اور روز بروز ااس میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔انسان کی اسی سوچ کی وجہ سے محققین اسے بیسویں صدی کی آخری دہائی کا سب سے اہم موضوع قرار دیتے ہیں۔یہ کوئی تحریک یا نظام نہیں ہے بلکہ زندگی کی ارتقاء کا ایک پہلو ہے جس میں انسان پتھر کے دور سے زرعی دور اور پھر صنعتی دور اور اب انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دور میں پہنچ گئے ہیں۔

عالمگیریت کے یہ تصورات بہت خوش کن ہیں کہ اس وسیع وعریض دنیا کو وحدت کی ایک لڑی میں پرو دیا جائے۔جدید ٹیکنالوجی اور برق رفتار نقل وحمل کے ذرائع کے باعث فاصلے سمٹ گئے ہیں اور پوری دنیا ایک عالمی گاؤں میں تبدیل ہو رہی ہے۔ صنعتی ومعاشی ترقی میں پوری دنیا کی مشارکت آسان ہو گئی ہے اور اس کے امکانات وسیع ہو گئے ہیں۔ میلکم والٹر کے مطابق

> It also includes at least potential avenues for discharging collective obligations for the amelioration of feminism, environmental values, and human rights equality. (۲٦)

یہ بات صحیح ہے کے عالمگیریت کا عمل کئی لحاظ سے فائدہ مند ہے اور دنیا بھر کے رہنے والوں پر اس کے مثبت اثرات ہیں ترقی یافتہ ممالک اس عمل میں سرمایہ اکٹھا کر رہے ہیں اور سرمایہکاری کی وجہ سے ترقی پذیر ملکوں میں لوگوں کو روزگار اور زندگی کی بہتر سہولت میسر آتی ہے لیکن جہاں عالمگیریت کے مثبت فوائد ہیں وہاں اس کے منفی اثرات بھی ہیں۔عالمگیریت اتنی سادہ نہیں ہے عالمگیریت دراصل جس تہذیب کو پوری دنیا پر مسلط کرنا چاہتی ہے وہ ایک طرح سے امریکی تہذیب ہے۔ہر تہذیب اپنا مخصوص تصور حقیقت اور تصور حیات رکھتی ہے مغربی فکر مختلف دھاروں سے گزر کر بیسویں صوی کی دہلیز پر آ پہنچی ہے۔وہاں اعلیٰ اور ادنی کا فرق مٹ چکا ہے۔ موجودہ دور میں سب سے بڑی حقیقت انسان اور ہر شے کا ہمہ گیر ہونا ہے کسی بڑی مابعد الطبیعاتی سچائی سے انکاراور انسان مرکزیت کے تصورات نے مغرب کو جس مادی دلدل میں دھکیلا جدید عمرانی اور معاشی تصورات اس کے زائیدہ پروردہ ہیں۔اس تحریک کے باطن میں اگر جھانکا جائے تو اس کے پس پردہ استعماریت ، سامراجیت ، اور نو آبادیت کار فرما ہے لیکن موجودہ دور میں اس کا طریقہ بدل گیا ہے یعنی جال

تو نیا ہے لیکن شکار کرنے والے وہی پرانے ہیں۔استعماری اور سامراجی نظام میں فوج کشی کی جاتی ہے۔نو آبادیات میں طریقہ کار تبدیل ہو جاتا ہے اور فوج کشی کے بغیر ہی وسائل پر قبضہ کیا جاتا ہے۔اس حوالے سے میلکم والٹر کہتے ہیں۔

> Globalization symbolizes the spread of capitalist production, market based consumption, and western culture. (۲۷)

یہ تعریف عالمگیریت کے اصل چہرے کو بے نقاب کرتی ہے۔اس کے پیچھے چھپے سرمایہدارانہ نظام اور مغربی ثقافت کو سامنے لاتی ہے۔عالمگیریت کا مقصد اپنی مصنوعات کے لیے نئی نئی منڈیوں کی تلاش اور نئی ضرورتوں کا احساس پیدا کرنا ہے اور اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ پوری دنیا کو ایک ثقافت میں رنگ دیا جائے۔ثقافتی امتیازات ختم کر دیے جائیں۔یک ثقافتی دنیا اس عالمگیریت کے فروغ،استحکام اور پھیلاؤ کے لیے ضروری ہے۔عالمگیریت کے فوائد کا پلڑا دراصل ترقی یافتہ ممالک کی طرف بھاری ہے۔عالمگیریت کو ایک سوچی سمجھی چال کہا جاسکتا ہے جس کے ذریعے امیر یا ترقی یافتہ ممالک کمزور ممالک کو بطور منڈی استعمال کر کے ان کے وسائل کو لوٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔جہاں جہاں ان کمپنیوں کو کمزور ممالک کے سیاست میں خلا نظر آتا ہے وہ اس خلا سے بھرپور فائدہ اٹھاتی ہیں اور معیشت کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی دخل اندازی کر کے غریب ممالک کا اپنا محکوم بنالیتی ہیں ایسٹ انڈیا کمپنی اس کی واضح مثال ہے۔

سویت یونین کے خاتمے کے بعد ایک ہی نظام عالم بننے کے لیے رہ گیا تھا اور وہ Capital imperialist ہے۔،باقی ساری دنیا کی عافیت اسی میں ہے کہ اس رجحان کو قبول کرے۔یہ نظام اس صورت کی طرف لے جارہا ہے جہاں سب ایک جیسے کپڑے پہنیں ایک جیسا کھانا کھائیں اور ایک جیسی فلمیں دیکھیں ایک جیسی کتابیں پڑھیں ایک جیسی موسیقی پر تھرکیں اور زبان بھی ایک جیسی ہو۔عالمگیریت کا یہ ایجنڈا طاقتور ملک امریکہ ہی طے کرے گا۔اس لیے بعض تجزیہ نگار اس کو فی الاصل امریکنائزیشن قرار دیتے ہیں۔

عالمگیریت کے اثرات:

عالمگیریت اقدامات کے ایک مجموعے کی طرف لے جاتی ہے جس کے مثبت اور منفی دونوں اثرات ہیں۔

۱- عالمگیریت کے بے شمار فوائد بھی ہیں جن میں سر فہرست تیز ترین اور سہل رابطہ ہے۔ جدید دنیا میں فرد دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پیغام آسانی کے ساتھ ساتھ جلد اور سستے ذرائع سے بھی پہنچا سکتا ہے لیکن ہر دور میں ایسا ممکن نہیں تھا پہلے پہل ایک جگہ سے دوسری جگہ پیغام آسانی کے ساتھ نہیں پہنچایا جا سکتا تھا۔ آسان رابطوں کی بدولت انسانی تعلقات میں ترقی آئی ہے۔انسان آج کے دور میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ویڈیو کال کے ذریعے بھی بات کر سکتا ہے۔

۲- پس ماندہ ممالک کے عوام بین الاقوامی علوم اور رجحانات سے استفادہ کر رہے ہیں۔ پہلے بین الاقوامی علوم اور رجحانات تک رسائی ممکن نہیں تھی۔

۳- ترقی یافتہ ممالک میں جو نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں اور تحقیق کے میدان میں جو ترقی ہو رہی ہے عالمگیریت کے باعث ترقی پذیر ممالک بھی ان تحقیقات اور ایجادات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

۴- زراعت کے جدید طریقوں سے کسان آگاہ ہو رہے ہیں، اس سے زراعت کے میدان میں ترقی ہوئی ہے۔

۵- بیرونی سرمایہ کاری سے اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے باعث روز گار کے مواقع بھی فراہم ہو رہے ہیں

۶- عالمگیریت کے باعث سامان اور خدمات میں تنوع اور تعلیم و ابلاغ کے فروغ نے ذوق و ترجیحات میں بہت تبدیلی پیدا کی ہے اشیاء اور خدمات کی موجودگی میں انسان اپنی سہولت اور ذوق کے مطابق اشیاء کا انتخاب کرتا ہے۔

۷- سرمائے کی عالمی ترسیل ممکن ہو رہی ہے جو کہ عالمگیریت کا ہی نتیجہ ہے۔

۸- نئی نئی تکنیکی معلومات کا حصول عالمگیریت کے باعث ممکن اور آسان ہوا ہے۔

۹- عالمگیریت کے باعث غیر ملکی تجارت میں اضافہ ہوا ہے۔

۱۰- عالمگیریت کے باعث تعلیم عام ہو گئی ہے۔

۱۱- مختلف ثقافتیں عالمگیریت کے باعث ایک دوسرے سے متعارف ہوئی ہیں۔

۱۲- جرائم اور غیر اخلاقی اقدار کے لیے بھی بین الاقوامی قانون سازی کی گئی ہے۔

۱۳- ماحولیاتی بچاؤ کی عالمی کوشش کی جا رہی ہیں۔ عالمگیریت کے باعث جنگلی حیات کا تحفظ ممکن ہوا ہے اور اس وجہ سے مختلف انواع کے ناپید ہونے کا عمل سست ہو گیا ہے۔

۱۴- عالمگیریت کے باعث جغرافیائی رکاوٹیں دور ہو گئی ہیں۔

۱۵- عالمگیریت کے باعث صارف دوست کلچر وجود میں آیا ہے اس کے باعث صارف کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔

۱۶- جانوروں کے حقوق سے آگاہی اور قانون سازی ہوئی ہے۔

۱۷- عالمگیریت ہی کا نتیجہ ہے کہ اس کے باعث سمندری حیات کا تحفظ ممکن ہوا ہے۔

عالمگیریت کے جہاں بہت سے فوائد ہیں وہاں اس کے نقصانات بھی ہیں۔ اس اصطلاح کے باطن میں اگر دیکھا جائے تو اس کے پیچھے وہی ذہنیت نظر آتی ہے جو سامراجیت اور استعماریت کے پیچھے تھی۔ اس کا مقصد دوسرے ملکوں پر اپنا تسلط قائم کرنا اور ان کے وسائل کو لوٹنا ہے۔

عالمگیریت کے منفی اثرات:

عالمگیریت کے جہاں پر بے شمار فوائد ہیں وہاں پر اس کے نقصانات بھی بہت زیادہ ہیں۔

۱- عالمگیریت کی وجہ سے دنیا کے دور دراز پیدا ہونے والی بیماریاں دوسرے ملکوں میں آسانی کے ساتھ پہنچ جاتی ہیں مثلاً ایڈز کی بیماری جو صرف افریقہ اور امریکہ میں تھی اب پوری دنیا میں

پھیل چکی ہے۔ فرد کی ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی میں جو تیزی سے تبدیلی آئی ہے اس کی وجہ سے بیماریاں بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو رہی ہیں۔

۲- عالمگیریت کے درپردہ دراصل مغربی ممالک کی معاشرت اور ثقافت کا غلبہ ہو رہا ہے۔ قومی تہذیبیں جو کسی ملک کی پہچان ہوا کرتی تھیں اب عالمگیریت کے باعث معدوم ہوتی جا رہی ہیں۔ عالمگیریت دراصل مغربی کلچر کے غلبے کا ہی دوسرا نام ہے ایسا نظر آرہا ہے کہ آئندہ دور پوری دنیا میں صرف امریکیت اور مغربیت ہی غالب تہذیبیں ہوں گی۔ اخلاقی اقدار کی پامالی، عریانی و فحاشی، خود غرضی، مفاد پرستی، خاندان کی تباہی، غیرت و عصمت کی ناقدری وغیرہ اب معاشرے میں عام ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ عالمگیریت کے باعث ہم جنس کو معمول قرار دیا جائے گا۔ عالمگیریت کا بڑا اہداف مسلمان معاشرے نظر آرہے ہیں کیونکہ اخلاقی قدروں کی پاسداری مسلمان معاشروں میں ہے۔ عالمگیریت کے باعث اخلاق کی تباہی اور شرافت کی بربادی ہو رہی ہے۔ بقول مبین مرزا

> اس عہد میں انسانی معاشرے اور تمدن کے بنیادی تصورات میں تبدیلی آچکی ہے مساوات، بھائی چارہ، رواداری، روشن خیالی، وابستگی اور مصالحت کے آج وہ معنی نہیں رہے جو کہ اس سے پہلے رائج تھے۔ (۲۸)

۳- عالمگیریت کے باعث ارتکاز دولت کی جو صورتیں اب پیدا ہو رہی ہیں اور جو سہولتیں اب میسر ہیں وہ پہلے نہیں تھی۔

۴- ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے صارف ملک کا سرمایہ امیر ملکوں میں چلا جاتا ہے۔ عالمگیریت کے باعث ملٹی نیشنل کمپنیاں طاقتور ہو رہی ہیں ایسی بھی ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں جس کا بجٹ اور منافع حکومتوں سے زیادہ ہے۔ عالمگیریت انہی کمپنیوں کا ایک کھیل ہے جو انھیں طاقتور بنانے کے لیے کھیلا جا رہا ہے۔

۵- عالمگیریت کے باعث حکومتوں کو خطرہ ہے۔ عالمگیریت کے باعث امیر ملک اور عالمی مالیاتی اداروں کی تنظیمیں جو ترقی یافتہ ملکوں سے آتی ہیں قومی حکومتوں کو اپنی پالیسیاں اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ یہ پالیسیاں حکومتوں اور عوام کے خلاف ہونے کے باوجود قومی حکومتیں ان کے احکامات ماننے پر مجبور ہوتی ہیں۔

۶- عالمگیریت کے باعث جو معاشی پالیسیاں تشکیل پا رہی ہیں اس کا نتیجہ یہی ہو گا کہ ترقی پذیر ممالک کا سرمایہ ترقی یافتہ ممالک کے ہاں جائے گا اور ترقی پذیر ممالک مزید غربت کا شکار ہو جائیں گے۔ عالمگیریت معاشی تباہی لائے گی جس کی وجہ سے قوموں کی آزادی ختم ہو جائے گی۔ بقول جمیل ارشد ملک

> عالمگیریت یقیناً ایسی معاشی تباہی لائے گی جس سے قوموں کی آزادی ختم ہو جائے گی معاشی پالیسیاں طاقتور قومیں بنائیں گی اور کمزور قومیں انھیں اپنائیں گی۔ ان پالیسیوں کو جبراً نافذ کیا جائے گا۔ [۲۹]

۷- عالمگیریت چونکہ یک قطبی صورت حال کا نتیجہ ہے اس لیے اس کی پالیسیوں سے اختلاف کرنے والے ممالک کو بڑی طاقت کی جانب سے عسکری حملے کا خطرہ ہے۔ عالمگیریت کی وجہ سے قوموں اور ملکوں کی حاکمیت کو سخت خطرات لاحق ہیں۔ طاقت کا توازن ہمیشہ طاقتور کے حق میں رکھنے کا اصول عالمگیریت کا خطرناک نتیجہ ہے۔

۸- عالمگیریت کے نتیجہ میں سیاسی غلامی ہو رہی ہے۔ طاقتور قوموں کے سوا باقی تمام قومیں محکوم ہوں گی۔ قومی حکومتوں کا اختیار آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ عسکری و معاشی غلبے کے ساتھ عسکری غلبہ بھی مکمل طور پر ہو جائے گا۔

۹- صنعتوں کی وجہ سے ماحولیاتی آلودگی بڑھ رہی ہے۔ جو ماحولیاتی تباہی کا باعث بنے گی۔ جنگلات، پانی کے وسائل، معدنیات، تیل، گیس اور خوراک وغیرہ جیسے تمام وسائل پر ترقی یافتہ ممالک کا

قبضہ ہو گا وہ انھیں لوٹ کر عالمی منڈی میں لے جائیں گے اور ترقی پذیر ممالک فاقوں سے مریں گے۔

۱۰-جدید ترین کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیاروں کے باعث دنیا تباہی کے دھانے پر پہنچ چکی ہے۔

۱۱- عالمگیریت کے باعث نقل مکانی کا رجحان بڑھ گیا ہے۔

۱۲-گلوبل وارمنگ کا مسئلہ عالمگیریت کے باعث شدت اختیار کر گیا ہے۔

۱۳- عالمگیریت کے باعث فاسٹ فوڈ کی طرف لوگوں کا رجحان بڑھ رہا ہے جس سے صحت کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔

۱۴- پیک کھانے پینے کی اشیاء کی ترسیل میں مختلف عقائد کے ماننے والوں کے لیے حلال و حرام کا خیال نہیں رکھا جاتا ہے۔

اب فوج کشی کے بغیر ہی دوسرے ممالک کی معیشت پر قبضہ کر کے یہی مقاصد حاصل کر لیے جاتے ہیں۔ میلکم والٹرز کا بھی عالمگیریت کے حوالے سے یہی نظریہ ہے وہ عالمگیریت کو سرمایہ دارانہ نظام کی توسیع قرار دیتے ہیں۔ میلکم والٹرز کے مطابق

> Globalization represents an expension of capatialist production, market based consumption and western culture.[۳۰]

عالمی منڈیوں پر ترقی یافتہ ممالک کی اجاداری کی وجہ سے عالمی سرمایہ بھی ترقی یافتہ ممالک میں مرتکز ہو رہا ہے۔ یہ منڈیاں سارے معاشی نظام میں سرمایہ کاری کرتی ہیں اس کا نتیجہ ہے کہ عالمگیریت کی بدولت ترقی پذیر ممالک معاشی بدحالی کا شکار ہو رہے ہیں اور ان ممالک میں سرمایہ کاری کرنے والے ممالک ترقی کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ عالمگیریت عالمی ماحول کی تباہی، مزدوروں کے استحصال کا پیش خیمہ ہے۔ عالمگیریت کے نقصانات کی زد میں اکثر صارفین ہی آتے ہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنے فوائد کے لیے ان ممالک کے مزدوروں کی خوہشات کا خیال نہیں رکھتی ہیں اور اپنے حالات کو بہتر بنانے کے لیے کسی بھی وقت کام سے نکال

دیتی ہیں اس وجہ سے بے روزگاری میں اضافہ ہورہا ہے۔ ٹونی شیراتو اپنی کتاب Understanding globalization میں لکھتے ہیں۔

> There was no doubt that globalization existed and was responsible for the majority of the world's ills, from degradation of the environment and vandalism to global exploitation of workers. For them, it was a reality that had changed the world, with negative consequences for their lives.[۳۱]

عالمگیریت کے نتیجے میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ ٹیکنالوجی میں ترقی کے باعث انھیں روکا نہیں جاسکتا لیکن معاشی و معاشرتی پالیسیوں کو تبدیل کیا جاسکتا ہے تاکہ عالمگیریت کے منفی اثرات پر قابو پایا جا سکے۔ عالمگیریت کے مثبت اور منفی پہلو پر نظر ڈالیں تو واضح ہوتا ہے کہ نظریاتی طور پر یہ ایک بہتر رجحان ہے اور اس کا مقصد دنیا بھر کے لوگوں کا معیار زندگی بہتر کرنا ہے لیکن عملی طور پر اسے دیکھیں تو یہ ویسے سامنے نہیں آیا جیسے نظریاتی طور پر تھا۔ اس وجہ سے اس کی شکل بگڑ گئی ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں اور سرمایہ دار ملکوں کے لالچ کی وجہ سے اس میں بہتری کے جو امکانات تھے وہ کم ہوگئے ہیں اس وجہ سے یہ نظریہ اپنے مقصد سے ہٹ گیا ہے اور اس میں ابتری شامل ہوگئی ہے اس حوالے سے انور چودھری لکھتے ہیں۔

> دنیا کی بڑی معاشی طاقتوں نے اپنے مفادات کے لیے جو صورت حال پیدا کی ہے۔ کارپوریٹ گلوبلائزیشن اس کی سب سے اہم صورت ہے۔ [۳۲]

عالمگیریت کا تاریخی پس منظر، قدیم تصور:

عالمگیریت یعنی Globalization کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ عالمگیریت کی اصطلاح اگر چہ نئی ہے لیکن اس کے معنی قدیم ہیں کیونکہ انسان نے اپنے تہذیبی سفر کے آغاز سے ہی اپنے تجارتی وسیاسی

افق کو وسیع کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاریخ میں نقل مکانی، تجارت اور فوجی طاقت کے ذریعے سلطنتوں کو وسعت دینے کا عمل ثابت ہے۔اس سلسلے میں مختلف سلطنتوں نے جو تاریخ کے مختلف ادوار میں انسانی تاریخ کے افق پر نمودار ہوتی رہی ہے۔ان سے ہی یہ پتا چلتا ہے کہ ملک گیری اور سلطنتوں کی حدود کے پھیلاؤ کے پیچھے بھی وہی مقاصد تھے جو آج جدید دور میں عالمگیریت کے ہیں صرف طریقہ کار میں فرق ہے۔ ان سلطنتوں نے مختلف ممالک کو زیر نگیں کرنے کے لیے جنگ و جدل کے راستے کو اپنایا۔ان سلطنتوں کے ارد گرد کے علاقوں سے تجارتی رابطے بھی قائم کیے جو عالمگیریت کے اس عمل کا ایک جزو ہیں اس سلسلے میں سمیری، مصری، مغربی، یونانی اور باقی سلطنتیں قابل ذکر ہیں جنہوں نے اپنے رقبے میں اضافہ کیا۔

چھ سال قبل مسیح میں وادی نیل اور ایشیاء کے ذرخیز علاقوں میں نیم مہذب گروہ آباد تھا۔ دریائے جہلم اور فرات اس زمانے میں خلیج فارس میں جا گرتے تھے۔ان دو دریاؤں کے بیچ موجود ملک میں اہل سمیر نے اپنا اولین شہر قائم کیا۔ کانسی کا استعمال سمیروں نے ہی شروع کیا تھا۔

> اہل سمیر کا شہر عمومی طور پر خود مختیار تھا۔ کبھی کبھار کوئی شہر دوسرے پر قبضہ کر لیتا اور ان کی عوام سے جبراً اخراج وصول کیا جاتا۔ نیپئر کے کھاتوں میں ایک مسودے میں سلطنت کا لفظ لکھا ملا ہے۔ سمیری شہر "ارخ" کی سلطنت اولیں معلوم شدہ بادشاہت ہے اس کے دیوتا اور سرپرست بادشاہ کا تسلط خلیج فارس سے بحیرہ احمد تک دراز تھا۔ (۳۳)

ابتداء میں اس کا آغاز معاشی اور ثقافتی عالمگیریت میں ہوا۔اس وقت لوگ معیشت کے سلسلے میں دور دراز سفر کرتے تھے اس لحاظ سے لوگ ایک دوسرے سے ثقافت اور معیشت سے ہی متعارف ہوئے۔اس دور کی عالمگیریت کو قدیم عالمگیریت کہا جاتا ہے۔ یونان اس عالمگیریت کا مرکز ہے۔یونان کی تہذیب قدیم تہذیب ہے ۔یونان کی سرزمین ذرخیز ہے۔ جب افزائش آبادی نے وسائل میں تنگی پیدا کی تو سمندر پار کی زمینوں نے انھیں کھینچا اور دوسرے ملکی پیداوار کی کمی کو پورا کرنے کے لیے باہر سے غلہ منگوانا بھی ناگزیر ہو گیا تھا۔

> یونان کے اصل باشندے غیر آریائی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لوگ تجارت پیشہ تھے اور بہت ملکوں سے ان کے تجارتی روابط قائم تھے وہ اطالیہ کی لگوری اور ہسپانیہ کی ای بیری قوم کی مانند یونان میں بھی آریہ نسل کے آنے والوں سے پہلے موجود تھے۔ اس کے تمدن کے آثار جزائر میلوس وامر گو سوکریت میں دریافت ہوئے۔۔۔ ملک مصر میں جو شواہد ملے وہ اس عہد کا سراغ دیتے ہیں جس میں ایجنسی کمہار برتن بنابنا کر سمندر پار ملکوں میں بھیجنے لگے تھے۔ (۳۴)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف ممالک کے درمیان تجارتی روابط قدیم دور میں ہی قائم ہو چکے تھے۔ یونانیوں کا دنیا فاتح کرنے کا مقصد دیگر اقوام کے وسائل تک رسائی اور اسے اپنے تصرف میں لانا تھا۔ نہ صرف یونان بلکہ دنیا کی تاریخ میں نمودار ہونے والی مختلف اقوام اور سلطنتیں بھی دیگر اقوام پر حملہ آور ہوتی تھیں ان حملوں اور جنگوں کے مقصد خواہ مذہبی ہوں یا نسلی تفاخر حقیقت یہ ہے کہ ان جنگوں کے پست پشت مال و دولت سمیٹنے کا مقصد کارفرما تھا۔ ۴۳۱ سے ۴۰۴ قبل مسیح کے عرصے میں پیلوپونیشن کی جنگ نے یونان کا تخت وراج کیا۔ یونان کے شمال میں ایک ریاست مقدونیہ طاقت اور تہذیبی مرکز کے طور پر نمایاں ہوئی۔ اس ریاست میں جب ایک بادشاہ فلپ بر سر اقتدار آیا تو اس نے اپنی ریاستی حدود کو پھیلانے کے لیے فوج کی ہمراہی میں سرحدوں کو تھسیلی سے یونان تک پھیلایا اور تمام یونانی ریاستوں کی مجلس نے اسے سربراہ اعلیٰ منتخب کر لیا۔ ۳۳۶ قبل مسیح میں فلپ کی یہ فوج ایشیا میں داخل ہو کر پہلے سے طے شدہ راستوں پر روانہ ہوگئی لیکن اس دوران فلپ کو قتل کر لیا گیا اور اس کے بیٹے سکندر نے نئے حکمران کے طور پر تاج پوشی کی اور اس نے اپنی گرفت یونان اور مقدونیہ پر مضبوط کرتے ہوئے یہ فوج ایشیا میں داخل ہوئی اور ایشیائے کوچک کے مختلف شہروں کو مطیع بنایا اور ساحل سمندر پر آگے بڑھتا گیا۔ آئس کے مقام پر وہ ڈاریس سوم کی قیادت میں بڑھنے والی فوج کے روبرو ہوا اور اسے شکست دی۔ اس کے بعد غزہ پر بھی دھاوا بولا پھر یہ فوج مصر میں داخل ہوئی اور ایرانیوں سے حکومت چھین لی۔ اس کے بعد اس نے وسطی ایشیا کی طرف پیش قدمی کی اور مغربی ترکستان کے پہاڑوں تک جا پہنچا۔ ہرات، قابل اور درہ خیبر کے راستے ہندوستان میں داخل ہوا۔ اس طرح

عالمگیریت کی یہ شکل ہندوستان میں داخل ہوگئی وادی سندھ میں اس کا مقابلہ مہاراجہ پورس سے ہو اور یہاں پر بھی وہ کامیاب ہوا۔ وہاں سے چلتے چلتے وہ بلوچستان میں داخل ہوا۔ اس کے بعد دوبارہ سوسا میں پہنچا اور استحکام سلطنت کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کے سپہ سالار میلوکس نے قدیم ایرانی سلطنت کو وادی سندھ سے ایفس تک بحال رکھا۔ اس کے دوسرے سپہ سالار نے مصر پر قبضہ کیا۔ یوں اس قدیم سلطنت نے ایران، شام، مصر، بابل، سوس اصطخر، مشرق اقصیٰ، ہند کے وسیع علاقے اور موجودہ افغانستان میں شامل قدیم شہروں تک اپنی سلطنت کی حدود کو پھیلایا۔

قدیم دور میں عالمگیریت کی عمدہ مثال اس سلطنت کے پھیلاؤ سے ملتی ہے، جس نے دیگر علاقوں اور ملکوں سے تجارت روابط بھی قائم کیے اور مختلف اقوام اور ممالک کو تسخیر بھی کیا لیکن قدیم دور میں یہ مقاصد فوج کشی کے ذریعے حاصل کیے گئے کیونکہ اس دور میں الیکٹرونک میڈیا اور ملٹی نیشنل کمپنیاں موجود نہیں تھیں اس لیے معاشی مقاصد کے حصول کا ذریعہ فوج کشی تھی۔ موجودہ دور میں الیکٹرونک میڈیا اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے یہ مقاصد حاصل کیے جارہے ہیں۔ اس طرح ایک اور سلطنت روما بھی ایک بہترین سلطنت تھی۔

> اس سلطنت کے زیر حکومت صوبجات میں ہسپانیہ، فرانس، برطانیہ، اٹلی، اطالیہ، ڈینیوب اور ایریا، ملائشیاء اریکم اور پنیونیا، ڈالمیشیا، میزیا اور ڈیشیا، تھریس، مقدونیا اور یونان، ایشیائے کوچک، شام، فونیقیا اور فلسطین، مصر، افریقہ، بحرہ روم اور اس کے جزائر غرض یہ کہ رومی سرحدیں مراکش اور سپین تک پھیل گئی۔ بعدازاں رومیوں نے تمام شمال مغربی علاقوں پر اپنا اقتدار جمالیا۔ (۳۵)

رومی قیصریوں نے اپنی وسیع سلطنت میں اپنا اقتدار فوج کے ذریعے قائم رکھا تھا۔ انہوں نے بہت سی چھاؤنیاں قائم کیں اس کے لیے ہر صوبہ کا ایک گورنر جنرل مقرر کرتے تھے جو خراج کی رقم عوام سے جبراً وصول کرکے مرکزی حکومت کو بھیجتے تھے۔ رومی قیصروں کے عہد میں امیر و غریب، آقا و غلام کی خلیج گہری ہوگئی۔

عالمگیریت کا قدیم تصور جہاں تاریخ میں یونانی، رومی، ایرانی سلطنتوں اور ان کی توسیع کی صورت میں نظر آتا ہے وہیں یہ عالمگیریت جزیرہ نما عرب میں قائم مسلم ریاست میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ جس نے بہت کم وقت میں دنیا کے ایک بڑے وسیع رقبے کو اپنی حدود میں شامل کر لیا۔ اس دور میں مسلمان اور یہودی تاجروں اور سیاحوں نے ایک سستی اور سہولیاتی معیشت کو متعارف کرایا اور دنیا مسلمانوں کی وجہ سے علم، تجارت اور ٹیکنالوجی سے واقف ہوئی۔ اس دور میں مسلم علاقوں میں چینی اور سوت کاشت ہوتی تھی اور یہ باقی لوگوں کی ضرورت بن کر رہ گئی یہ معاشیاتی عالمگیریت کی بنیاد بنی۔ دنیا بھر کے مسلمان حج کے لیے عرب جاتے تھے۔ حج کے دوران وہ مختلف علاقوں سے گزرتے تھے اور ان علاقوں کے لوگ مختلف ثقافتوں سے واقف ہوتے تھے۔ خود مسلمان بھی ان علاقوں کی ثقافت سے متعارف ہوئے۔ ان کی بدولت ایک ہمہ گیر اور آفاقی عالمگیریت معرضِ وجود میں آئی۔ [۳۶]

اسی دور میں منگولوں کی آمد ہوئی ۔ منگول ایک ڈاک کا نظام رکھتے تھے اور انہی کی بدولت دنیا عالمگیریت کی افادیت سے واقف ہوئی۔ انہی کے دور میں طاعون اور کچھ دوسری بیماریاں پھیلیں جن کے علاج کے لیے چین اور ایشیاء نے ایک دوسرے کے طریقہ علاج سے استفادہ کیا جو عالمگیریت کی ایک شکل تھی۔ اس دور میں کی جانے والی تجارت ، مذہب ، ایک دوسرے کی ثقافتوں سے واقفیت اور علاج کی سہولیات سے استفادہ عالمگیریت ہی کی شکل تھی جسے ایک دور تک محدود کہا جاسکتا ہے لیکن مکمل طور پر ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ عالمگیریت کی اس قدیم شکل کا اطلاق لشکر کشی کے ذریعے ممکن ہوتا تھا۔ اس لیے بڑی بڑی فوجیں، آلات حرب ضروری تھے پھر دور دراز کے ملکوں تک سفر کرنے کے لیے مہینوں سالوں کا وقت درکار ہوتا تھا۔ جنگ کی صورت میں جانوں کا ضیاع معمول کی بات تھی اس طرح کثیر وسائل خرچ کر کے اور قوت کا استعمال کر کے مقصد حاصل کیا جاتا تھا۔

سائنس کی ترقی کے ساتھ نئی نئی ایجادات کے باعث انسانی زندگی سہل ہوگئی اور عالمگیریت کی شکل بھی تبدیل ہوگئی ۔ جدید ٹیکنالوجی کے باعث فاصلے سمٹ گئے اب عالمگیریت کی نئی شکل سامنے آئی ہے اور عالمگیریت کے ہتھیار بھی تبدیل ہوگئے ہیں۔ افراد کی ذہن سازی کرنا، اپنی مصنوعات کے لیے طلب

پیدا کرنا اور دیگر اقوام کے زیادہ سے زیادہ وسائل کو چھین لینا کم وقت اور کم خرچ کے ساتھ ممکن ہو گیا ہے۔ عالمگیریت کے اس جدید تصور کو بھی سمجھنا از حد ضروری ہے کیونکہ اسے تہذیبوں کے مابین کشمکش کا نام دیا گیا ہے ۔ آزاد تجارت کے نام پر ترقی پذیر ممالک کے سرمائے کا رخ ترقی یافتہ ممالک کی طرف ہے۔ جدید عالمگیریت کے تصور کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔

عالمگیریت کا جدید تصور:

عالمگیریت کا تصور اگرچہ قدیم ہی سے موجود ہے کہا جاتا ہے Globalization is a old human resource لیکن زمانہ قدیم میں وسائل کی محدودیت کی وجہ سے اقوام عالم کے درمیان تعلقات میں وسعت نہیں تھی ۔ عالمگیریت کے مابین دنیا کے مختلف خطوں کے درمیان فاصلے سمٹ گئے ہیں اور مزید سمٹ رہے ہیں۔ عالمگیریت کا تصور تو پہلے سے موجود تھا لیکن بیسویں صدی میں ہونے والی ایجادات اور ترقیات کی بدولت اس کو وسعت ملی ۔ جدید عالمگیریت کے حوالے سے محققین، معاشیات دانوں اور سیاسی مفکروں نے مختلف نظریات بیان کیے ہیں۔

تھامس فرائیڈ مین نے اپنی کتاب The world is flat عالمگیریت کی تین ادوار بیان کیے ہیں۔

> The first era, known as globalization 1, began in 1992 and lasted until 1992. When Columbus set sail, he established trade between the old and new worlds. Until around the year 1800. (1) According to the second great world era, globalization 2.0 lasted roughly from 1800 to 2000, interrupted by the great depression and world wars 1 and 2 (2). Here, multinational corporations are considered the main dynamisan for pushing global intergration forward. Globalization 3.0 begins in the year 2000. Globalization 2.0

is shrinking the world from a small to a tiny size while also flattening the playing field, and while the dynamic force in globalization 2.0 was companies globalizing, the dynamic force in globalization 3.0 is the fore that gives it its name.(۴۷)

پہلے دور ۱۴۹۴ء میں جب کولمبس بحری سفر پر روانہ ہوا تھا اس وقت قدیم، جدید دنیا کے درمیان تجارت کا آغاز ہوا یہ دور اس وقت سے ۱۸۰۰ تک محیط ہے۔ دوسرے دور کو وہ عالمگیریت ۲ کا نام دیتے ہیں۔ جو ۱۸۰۰ سے ۲۰۰۰ پر محیط ہے۔ یہ جنگ عظیم اول اور دوم اور ان کے نتیجے میں جنم لینے والے ڈپریشن سے متاثر ہوا۔ عالمگیریت ۳ کا آغاز ۲۰۰۰ء سے ہوا۔ ان کے مطابق عالمگیریت ۳ میں دنیا مختصر سائز میں سمٹ رہی ہے۔ عالمگیریت میں قوت محرکہ ملک تھے جو عالمگیریت کو روبہ عمل لا رہے تھے۔ عالمگیریت ۲ میں کمپنیاں ہر کردار ادا کر رہی تھیں اور عالمگیریت ۳ کو جو قوت منفرد بنا رہی ہے وہ افراد کی مل کر کام کرنے اور عالمی مسابقت کے لیے اور نو دریافت شدہ طاقت ہے۔

کچھ محققین کے نزدیک عالمگیریت کا آغاز پندرہویں صدی میں ہوا جب یورپ میں تجارت اور مواصلات کے میدان میں ترقی کا آغاز ہوا۔ عالمگیریت کا اہم عنصر اقوام کے مابین تجارت و خدمات سرمایہ و افکار کے تبادلے کا آغاز ہے۔ کولمبس کی امریکہ دریافت اور یورپی ممالک کی نوآبادیاتی پالیسی سے اس عمل کو مہمیز ملی۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں جو عالمگیریت میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں ان کا آغاز سترہویں صدی عیسوی میں ہوا ۱۶۰۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام ہوا۔ اس کے بعد ۱۶۰۲ء میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی وجود میں آئی رفتہ رفتہ یہ دنیا کی سب سے بڑی کمپنی بن گئی۔ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب ہندوستان کا رخ کیا یہ دور عالمگیریت کے حوالے سے اہم دور تھا۔

اٹھارویں صدی میں آنے والے صنعتی انقلاب نے ساری دنیا کو متاثر کیا۔ صنعتی انقلاب کے باعث ہی یورپ اپنی زراعتی معیشت سے نکل کر عالمی منڈیوں میں داخل ہوا۔ ۱۸۱۵ء میں waterloo کے مقام پر برطانیہ کے ہاتھوں نپولین کے شکست کے بعد برطانیہ ایک عالمی طاقت بن گیا۔ اگلی صدی میں برطانیہ کی

بادشاہت تھی۔ برطانیہ کی بادشاہت کے دوران عالمگیریت کی شکل استعماری تھی۔ انیسویں صدی میں یورپی اقوام کی بہت بڑی تعداد یورپین نو آبادیات اور امریکہ کی طرف نقل مکانی کر گئی۔ بیسوی صدی کے دوسرے عشرے میں روس میں اشترکی انقلاب آیا تو تمام وسائل قومی تحویل میں لے لیے گیے۔ اس طرح اشتراکی سوویت یونین منظر عام پر آیا اور دنیا دو قطبین میں تقسیم ہوگئی۔

ایئرکموڈو شاہد لطیف باجوہ لکھتے ہیں۔

> The arrival of this modern phenomenon is a prehistoric process that has continued to evolve in accordance with the prerelevs political and ecological system. (۳۸)

عالمگیریت کے جدید رجحان کا خروج دراصل تاریخی عمل ہے جو سیاسی اور معاشی نظام کے مطابق تبدیل ہوتا رہا ہے۔ زمانہ قدیم ہی سے دنیا عالمی ہو رہی ہے جب سے انسانوں نے آپس میں تجارت کرنا شروع کی۔ پھر یورپ میں صنعتی انقلاب نے استحصالی انداز میں معاشی عمل میں تیزی لائی۔

دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد تمام فاتح ممالک بین الاقوامی اداروں کے کنٹرول میں کھلی منڈی کے تصور کے ذریعے عالمی معیشت کے اجتماعی انتظام پر متفق ہوگئے۔ امریکہ آزاد معیشت اور سرمایہ دارانہ نظام کا بڑا حامی تھا۔ دوسری طرف سوویت یونین نے مارکسی اشتراکی نظریات کو دنیا کے سامنے ورلڈ آرڈر کے طور پر پیش کیا۔ ۱۹۴۴ء میں بروٹین ووڈ میں ہونے والے معاہدے میں ایک نئے عالمی مالیاتی نظام کی بنیاد رکھی گئی اور برطانوی پاؤنڈ کے بجائے امریکہ کے ڈالر کو متعارف کروایا گیا، بروٹین ووڈ کے مقام پر منصوبہ سازوں نے IMF اور IBRO قائم کیے اور ان کی بدولت عالمگیریت نے اقتصادی میدان میں کامیابی حاصل کی۔ اس کے علاوہ بہت سے سیاسی واقعات نے بھی عالمگیریت کو موجودہ شکل میں لانے میں کردار ادا کیا۔

انقلاب روس اور جنگ عظیم دوم کے نتیجے میں برطانیہ کا کنٹرول اپنے مقبوضات پر کمزور ہو گیا اور اس کے اقتدار کا مرکز برطانیہ کے بجائے امریکہ بن گیا۔ ۱۹۸۹ء میں مشرقی اور مغربی جرمنی کے انضمام کے بعد کمیونزم مشرقی یورپ سے غائب ہو گیا۔ ان واقعات کے بعد افکار و خیالات کا تبادلہ آسان ہو گیا۔

روس کی شکست کے بعد امریکہ کی اجارہ داری کا آغاز ہوا سوویت یونین کی موجودگی میں امریکہ کے سامنے ہر حوالے سے حریف موجود تھا اس لیے وہ من مانی کاروائیاں نہیں کر سکتا تھا لیکن سوویت یونین کے خاتمے کے بعد امریکہ سپر پاور کی صورت میں ابھرا۔ امریکہ نے اپنے سیاسی اور اقتصادی مفادات کے حصول کے لیے اپنا تسلط بین الاقوامی سطح پر جمانے کے لیے نیو ورلڈ آرڈر کا اعلان کیا۔ ۱۹۹۱ء میں خلیجی جنگ کا آغاز ہوا اور امریکہ کو جدید عالمی نظام کی قیادت کا موقع مل گیا یہاں سے عالمگیریت کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ تھامس فرائیڈ اسے عالمگیریت کے دوسرے راؤنڈ کا نام دیتے ہیں۔

> With the fall of the Berlin Wall, another system, the new era of globalization, took its place.We're all calling it a round of globalization. (۳۹)

عالمگیریت اپنی قدیم شکل میں تو بڑی بڑی قدیم ایمپائرز کی صورت میں نظر آتی ہے۔ اس کی نسبتاً جدید شکل پندرہویں اور سولہویں صدی میں نظر آئی۔ صنعتی انقلاب کے باعث نقل و حمل میں ترقی آئی اور افراد کا رابطہ بڑے پیمانے پر ہوا اور اسی دور میں بڑی بڑی تجارتی کمپنیوں کا ظہور بھی ہوا۔ یہ کمپنیاں آغاز میں تجارت کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی دخیل رہی۔ انیسویں صدی میں لبرلائیزیشن کو جدید عالمگیریت کا اولین دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں بین الاقوامی تجارت اور سرمایہ کاری کا رجحان تیزی سے بڑھا۔ پھر بین الاقوامیت کی تحریک کے زیر اثر دوسری جنگ عظیم کے بعد ٹیکنالوجی کی برق رفتاری اور تیزی کی بدولت دنیا میں آمدورفت اور روابط آسان ہو گئے جس سے تجارت کا دائرہ بھی بڑھ گیا۔ اس وقت آزاد تجارت کے کئی معاہدے ہوئے۔ ان معاہدوں میں آزاد تجارت کو تحفظ فراہم کیا گیا اور نئی منڈیوں تک رسائی کو ممکن بنایا گیا۔ ۱۹۸۰ء میں آزاد منڈیوں کا نظام متعارف ہوا۔ اسے جدید عالمگیریت کا نقطہ آغاز سمجھا جاتا ہے۔ طاقتور

حکومتوں نے میڈیا کے ذریعے اس نظریے کی ترویج و اشاعت کی اس عالمی تجارت کا مقصد بین الاقوامی تجارت پر اجارہ داری قائم کرکے عالمی منڈیوں پر قبضہ کرنا تھا اور زرمبادلہ کے ذخائر میں اضافہ کرنا تھا۔ امریکہ اپنے سرمایہ دارنہ نظام اور کرنسی کو استحکام دینے کے لیے اس نظام میں تبدیلیاں لاتا رہا۔

۱۹۸۰ء کی تبدیلیوں کی بازگشت ۱۹۹۰ء میں بھی جاری رہی۔ مختلف ممالک میں قائم اسٹاک ایکسچینج نے عالمگیریت کی ترقی میں کردار ادا کیا کیونکہ ان کی وجہ سے جو شخص جہاں بھی سرمایہ لگائے اس کا سرمایہ عالمی سطح پر لگ رہا ہے اور عالمگیریت یہی چاہتی ہے۔

امریکہ کی اس سلسلے میں یہ پالیسی رہی کہ وہ جس چیز کا نفاذ کرنا چاہتا اس کی ذرائع ابلاغ کے ذریعے تشہیر کی جاتی اور پھر رائے عامہ ہموار کی جاتی اس کے حلاف رد عمل کا جائزہ لیا جاتا میڈیا کے ذریعے لوگوں کی ذہن سازی کی جاتی تاکہ لوگ اس نظریہ کی تائید کرنے کو تیار ہو جائیں۔ عالمگیریت کے سلسلے میں بھی یہی پالیسی اختیار کی گئی۔ عوام میں اس کو مقبول کرنے کے لیے اس کے فوائد اور ثمرات پر مضامین و مقالات لکھوائے گئے، کانفرنسیں منعقد کی گئیں۔ اس حوالے سے پہلی کتاب The end of history کے نام سے لکھی گئی۔ اس کتاب میں گلوبلائزیشن کے نظریے کو پوری قوت کے ساتھ پیش کیا گیا۔ اس کے بعد دوسری کتاب The end of history and last man لکھی گئی۔ ان کا مقصد لوگوں کی ذہن سازی ہی تھا۔ الغرض عالمگیریت کی موجودہ شکل کا آغاز تجارت سے ہوا۔ شروع میں یہ صرف ممالک کے درمیان تھی بعد میں مختلف کمپنیوں سے ہوتی ہوئی عالمی سطح تک آ پہنچی۔ اسی وجہ سے عالمگیریت کو زیادہ تر معاشی نقط نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ پروفیسر جم، اینڈریو اور گرنن کی تحقیقات کا نچوڑ یہی ہے ان کی تحقیقات کے مطابق انسانوں نے شروع میں جب تجارت کی غرض سے ممالک کی طرف سفر کیا تو ان ممالک میں اپنی اشیائے خوردونوش کو فروخت کیا اور وہاں سے کچھ خریدا۔ اسی طرح جنگ میں کچھ لوگ دوسرے ممالک کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس کے علاوہ دنیا کی مختلف ضرورتیں بڑھی تو انھیں اپنی اشیائے ضرورت دوسرے ممالک سے منگوانا پڑیں۔ یہ کام ہوتا رہا اور یہی عالمگیریت کی شکل تھی لیکن جدت اور نقل و حمل نہ ہونے کی وجہ سے اس سے دنیا روشناس نہ ہو پائی لیکن بعد میں سفری سہولیات میں آسانی کے باعث یہ تیزی سے پھیلی اور اس نے پوری دنیا کو اپنی

لپیٹ میں لے لیا اور صرف معیشت ہی نہیں بلکہ دنیا کی سیاست اور ثقافت بھی اس کی زد میں آئی۔ جس سے معاشی عالمگیریت کے ساتھ ساتھ سیاسی اور ثقافتی عالمگیریت بھی معرض وجود میں آئی۔ عالمگیریت نے اچانک جنم نہیں لیا بلکہ اس کے پیچھے صدیوں کی تاریخ موجود ہے۔ اس عمل میں طریقہ کار میں تبدیلی آتی رہی ہے۔ پہلے جو کام اسلحے اور عسکری قوت سے لیا جاتا تھا اب وہی کام میڈیا اور عالمی اداروں کے بنائے گئے قوانین کی مدد سے لیا جارہا ہے۔ ۹/۱۱ میں امریکہ کے اہم ترین تجارتی مرکز ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر دہشت گرد حملے نے دنیا کو تیزی سے تبدیل کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد دنیا کے بیشتر ممالک امریکہ کے ساتھ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شامل ہو گئے

عالمگیریت کی اقسام اور اثرات:

عالمگیریت نے زندگی کے ہر شعبے پر اپنے اثرات مرتب کیے ہیں۔ زندگی کا کوئی بھی پہلو اس سے بچ نہیں سکتا ہے۔ صیہونی تحریک نے اس کو مختلف میدانوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر میدان میں اس کے لیے الگ الگ کارکن بھی ہیں تا کہ عالمگیریت قابل عمل بن جائے عالمگیریت کی بہت سی اقسام ہیں لیکن معاشی عالمگیریت، سیاسی عالمگیریت، ثقافتی عالمگیریت اس کی تین بڑی اقسام ہیں۔ ان اقسام کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ عالمگیریت کا حقیقی مقصد دنیا پر امریکہ کا قابض ہونا ہے لہذا جہاں سیاسی میدان میں دنیا کے نقشے پر تبدیلی لانا ہے اور سیاسی سطح پر ترقی پذیر ممالک کو مغلوب بنانا ہے وہیں اس کا مقصد معاشی میدان میں بھی انھیں مغلوب بنانا ہے اور اپنی اجاداری قائم کرنا ہے اور اس اجاداری کو قائم رکھنے کے لیے ان پر مغربی ثقافت کا تسلط ضروری ہے۔ یونی ورلڈ کلچر نے زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کیا ہے بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ دور حاضر میں ہماری زندگی عالمگیریت کی وجہ سے یکسر منقلب ہو گئی ہے۔ عالمگیریت کا اثر کسی معاشرے میں تین اطراف معیشت ،ثقافت اور سیاست سے ہوتا ہے۔

Material exchanges become more local, political exchanges become more international, and symbolic exchanges become more global. [۴۰]

عالمگیریت ایک کثیر الجہت منظر ہے۔ مختلف طبقات فکر سے تعلق رکھنے والے ماہرین نے اس کے مختلف پہلو کی نشاندہی کی ہے۔ بعض لوگوں نے عالمگیریت کے معاشی پہلو پر توجہ مرکوز کی ہے اس لیے اسے عالمی معیشت کی صورت میں دیکھتے ہیں کچھ لوگ اسے ثقافتی نقط نظر سے دیکھتے ہیں ان کے نزدیک عالمگیریت کے ثقافتی اثرات اہمیت رکھتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو سیاسی نقط نظر سے دیکھتے ہیں اور سیاسی معاملات میں تبدیلیوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ ماہرین ٹیکنالوجی، ذرائع ابلاغ اور ذرائع نقل و حمل کے میدان میں آنے والی تبدیلیوں کو بھی عالمگیریت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

معاشی عالمگیریت:

عالمگیریت بنیادی طور پر معاشیات ہی کی اصطلاح ہے۔ عالمگیریت کے یوں تو بہت سے میدان ہیں لیکن معاشی میدان میں اس کی کارفرمائیاں سب سے زیادہ ہے۔ کچھ مفکرین نے عالمگیریت کا صرف اقتصادی لحاظ سے ہی جائزہ لیا ہے۔ معاشی عالمگیریت دنیا بھر میں معاشی بندھنوں کی شدت اور وسعت کو ظاہر کرتی ہے کہ صنعت و تجارت کہ میدان ملکی حدودں میں نہ رہیں بلکہ ہر شخص کو انفرادی طور پر یا کسی گروپ کی شکل میں یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ دوسرے ملک کی تجارت میں سرمایہ کاری کرے اور نفع حاصل کرے اس کو عالمی تجارت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عالمی تجارت کے سود مند ہونے کے لیے ضروری تھا کہ تجارتی میدان میں کسی بھی قسم کی پابندی نہ رکھی جائے۔ ٹیکنالوجی کی وجہ سے سرمائے کے بہت بڑے بہاؤ نے اشیاء و خدمات کی تجارت کی حوصلہ افزائی کی۔

معاشی عالمگیریت کا مقصد جغرافیائی حدود کو ختم کرنا ہے اور دنیا کو ایک عالمی منڈی میں تقسیم کرنا ہے۔ اقتصادی / معاشی عالمگیریت کی بڑی خصوصیت علاقائی کارپوریشنوں کی طاقت میں اضافہ کرنا ہے۔

معاشی عالمگیریت سے مراد اشیاء، سرمائے خدمات، ٹیکنالوجی اور معلومات کی وسیع پیمانے پر بین لاقوامی نقل وحرکت، ٹیکنالوجی اور سرمائے کی سرحد پار سے نقل وحرکت میں شدت کے ذریعہ دنیا بھر میں بڑھتی ہوئی معاشی انضمام اور قومی، علاقائی اور مقامی معیشتوں کا باہمی انحصار ہے۔ معاشی عالمگیریت میں پیداوار، مالیات، منڈیوں، ٹیکنالوجی، تنظیمی حکومتوں، اداروں، کارپوریشنوں اور مزدوروں کی عالمگیریت شامل ہے۔ (۴۱)

معاشی عالمگیریت کو فروغ دینے میں گیٹ معاہدہ GATT، عالمی نقدی نظام، برٹین ووڈز کا نظام زر، عالمی مالیاتی فنڈ، عالمی بنک، ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کا بہت اہم کردار ہے۔ عالمگیریت کا زیادہ استعمال معیشت میں ہی ہوتا ہے۔ دور حاضر میں کسی ملک کی ترقی کا واحد پیمانہ اس کی معاشی ترقی ہے۔ اس طرح کاروباری دنیا میں جس کے پاس زیادہ دولت اور وسائل ہوں گئے وہ ملک یا ادارہ ہی مختلف ممالک میں اجاداری قائم کرے گا۔ ٹونی شیر اتو لکھتے ہیں۔

> There is a shift in the economic proportions of material and power exchanges toward the latter. In more concrete terms, the larger and more elaborarote firms become, the more likely they are to expand their operations across the globe. (۴۲)

آزاد تجارت کے نظریے نے اشیاء، خدمات اور سرمائے کی ترسیل کا عمل تیز تر کر دیا جس کی وجہ سے ترقی یافتہ ممالک کو بطور منڈی استعمال کیا جارہا ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں منڈی میں اپنی اجارہ داری قائم کرتی چلی جاتی ہیں اور کمزور حریف منڈیوں سے آوٹ ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے یکساں منڈی کا رواج بڑھتا جارہا ہے ہر جگہ ایک ہی جیسی چیزیں دستیاب ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ملٹی نیشنل کمپنیاں بڑی سے بڑی رشوت دینے سے بھی گریز نہیں کرتی ہیں اس طرح وہ غریب ممالک کو اپنا مغلوب بنا دیتی ہیں اور اپنی تجارتی مراعات حاصل کرتی ہیں۔

معاشی عالمگیریت ایسی عالمی مارکیٹ پر مشتمل ہے۔ جو مالیاتی، تجارتی یا سرمائے کی آزادانہ نقل و حمل کے لیے محصولات کی رکاوٹوں پر غور نہیں کرتی ہے۔ معاشی عالمگیریت نے اکیسوی صدی میں بہت شدت اختیار کی ہے جس سے بین الاقوامی تجارت پر گہرا اثر پڑا ہے۔ ڈاکٹر جمیل ارشد ملک لکھتے ہیں۔

> موجودہ عالمگیریت کی معاشی شکل انگلستان کے ایک قصبے برٹین وڈز میں دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر اقتصادی موضوع پر ہونے والی ایک کانفرنس میں تشکیل پانے والے عالمی اقتصادی نظام کے تسلسل کا نتیجہ ہے۔ (۴۳)

معاشی عالمگیریت کے نتیجے میں جہاں آزاد تجارت کو فروغ ملا وہاں اس کے نقصانات بھی ہیں۔ پوری دنیا کی دولت چند افراد کے پاس جمع ہو گئی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر ممالک کو اپنا زیر نگیں بنا رہے ہیں، بے روزگاری میں اضافہ، ترقی یافتہ ممالک اقتصادی عالمگیریت کی راہ سے ترقی پذیر ممالک پر اقتصادی زور اور زراعی پالیسیاں نافذ کر رہے ہیں تاکہ ان ممالک میں ترقی نہ ہو سکے اور وہ مغربی مصنوعات کے لیے صارفین ہی رہیں۔

سیاسی عالمگیریت:

سیاسی عالمگیریت عالمگیریت کی اہم اقسام میں سے ایک ہے۔ اس کی بدولت دنیا بھر میں سیاسی نظام کی نمو ہوتی ہے۔ اس نظام میں قومی حکومتیں ان کی سرکاری اور بین سرکاری تنظیمیں نیز عالمی سول سوسائٹی کی حکومت آزاد عناصر جیسے بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیمیں اور سماجی تحریک کی تنظیمیں شامل ہیں سیاسی عالمگیریت کا اہم پہلو قومی ریاست کی گرتی ہوئی اہمیت اور سیاسی منظر نامے پر دیگر اداروں کا عروج ہے۔ اقوام متحدہ کی تشکیل اور وجود کو عالمگیریت کی اہم مثال قرار دیا جاسکتا ہے، اس حوالے سے عظمی شجاعت اپنے مضمون میں لکھتی ہیں۔

> Its political dimensions are reflected in the challenge to the traditional concept of sovereignty that globalization poses.(۴۴)

سیاسی عالمگیریت کا اظہار خود مختاریت کو درپیش چیلنج کے ذریعے ہوتا ہے۔

مختلف ممالک کے مابین سیاسی تعاون عالمگیریت کی ایک شکل ہے۔جو تنازعات کی روک تھام اور انتظامات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بین سرکار کے اداروں سے اقوام عالم کو مشترکہ قوانین اور پالیسیاں تیار کرنے اور امیگریشن کے امور پر تبادلہ خیال کرنے میں مدد ملتی ہے، سیاسی عالمگیریت بھی ممالک کے لیے ایسے پہلو کی طرف کام کرنے کا ایک طریقہ ہے جو سب کو متاثر کرتا ہے۔ ولیم تھامس لکھتے ہیں۔

> The intensification of the global political system and its institutions for managing interregional transactions, including but not limited to trade. (۴۵)

سیاسی عالمگیریت ایک عالمی سیاسی نظام کی توسیع اور اداروں جن میں بین العلاقائی معاملات جو اس میں شامل نہیں ہیں لیکن محض انتقام یا تجارت تک محدود نہیں ہیں کو منظم کیا جاتا ہے۔

بالادست عالمی طبقے میں امریکہ اور یورپ خاص طور پر قبل ذکر ہیں وہ جمہوریت کو پھیلانے کے لیے نیٹو، اقوام متحدہ، یورپی یونین وغیرہ جیسے اداروں کو استعمال کر رہے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ جمہوریت ہر علاقے کے لیے یکساں ہو۔ بعض ممالک میں قبائلی نظام ہزار ہا سال سے جاری ہے ان پر جمہوریت مسلط کرنے کا فائدہ نہیں ہوتا۔

ترقی یافتہ ممالک جو ٹیکنالوجی اور سائنس کے میدان میں آگے ہیں ان کی معیشت بھی مضبوط ہے۔وہ ترقی پذیر ممالک کی مالی مدد کر کے ان کی سیاست میں دخیل ہوتے ہیں اور وہاں اپنی ترقی کا نظام لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح اس ملک کے رہنے والوں کا استحصال کیا جاتا ہے بلکہ بعض صورتوں میں مزاحمت کے نتیجے میں کشت وخون کا بازار بھی گرم ہو جاتا ہے۔ سیاسی عالمگیریت کا مقصد یہ ہے کہ ایک عالمی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے جس کی بھاگ دوڑ سلامتی کونسل کے ہاتھ میں ہو۔ دنیا بھر کی حکومتوں کے اختیارات محدود ہو جائیں انھیں صرف Law and order کو قابو میں رکھنے کا اختیار ہو۔ ان کی حیثیت ایک کمیٹی یا تنظیم سے

زیادہ نہ ہو۔ سیاسی عالمگیریت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مقامی سیاسی تنظیموں کے اختیارات کو کم کر دیا جائے اور انھیں موثر طاقت بن کر ابھرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ سیاسی عالمگیریت یہ بھی چاہتی ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں بڑے بڑے سیاسی بلاکوں اور گروپوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چھوٹے بلاکوں میں تقسیم کیا جائے تاکہ اقوام متحدہ اور امریکہ کے مقابلے میں کوئی بھی سیاسی طاقت دنیا کے نقشے پر نہ ابھرے۔

سماجی اور ثقافتی عالمگیریت:

تہذیب و ثقافت چند ایسے مختلف عقائد و افکار اور رسوم رواج کے مجموعے کا نام ہے جو ایک قوم کو دوسری قوم سے ممتاز کرتی ہے، ثقافت کی وجہ سے ایک انسانی جماعت یا معاشرہ دیگر معاشروں سے منفرد ہوتا ہے اور اسی سے معاشرے کے تشخص کا اندازہ ہوتا ہے۔ لباس، خوراک، کھیل کود، خوشی و غم کے مواقع ثقافت میں شامل ہیں۔ ٹیکنالوجی نے عالمگیر تہذیب و ثقافت کا رجحان پیدا کر دیا ہے۔ عالمگیریت کے باعث عالمی سطح پر بالادست طبقات کے ثقافتی مظاہر مقامی ثقافتی مظاہر کی جگہ لے لیتے ہیں۔ میلکم والٹرز لکھتے ہیں۔

> The current acceleration of globalization puts a strong emphasis on subjectivity and culture. (۴۶)

عالمگیریت کے عمل سے دنیا بھر میں یکساں ثقافت کی بنیاد رکھی جا رہی ہے اور اس کا مقصد دنیا بھر کے لوگوں کا طرز زندگی ایک جیسا کرنا ہے۔ سماجی عالمگیریت کی تعریف Google پر ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

> Globalization is concerned with human interaction within cultural communities, including topics such as family, religion, work, and education. The similarities of social trends between cultures, ranging from consumerism to arts and humanities, demonstrate social globalization. (۴۷)

دنیا بھر میں ثقافتی عالمگیریت کا آغاز تہذیبوں کے ملاپ اور جدیدیت کے دور سے بہت پہلے کا ہے۔ موجودہ دور میں اس میں تیزی آگئی ہے۔ ہندوستان میں مغربی معاشرت کا نفوذ انگریزوں کے دور حکومت میں ہونے لگا تھا۔ لوگ انگریزوں کی تہذیب و ثقافت کو قبول کر رہے تھے جس کی وجہ سے اینگلو انڈین طبقے نے جنم لیا۔ عالمی جنگوں نے مغرب کو احساس دیا کہ جنگ مسائل کا حل نہیں ہے۔ اس لیے پس ماندہ ممالک کو اپنا دست نگر بنانے کے لیے انہوں سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی کا طریقہ اختیار کر لیا۔ برصغیر میں ابتری اور قتل و غارت کی وجہ سے امریکہ اور یورپ جیسا صنعتی انقلاب رونما نہیں ہوسکا اور وہ مغرب کا محتاج ہو گا۔ تقسیم ہندوستان کے بعد ہم سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کرنے کے بجائے مغرب کی سائنسی بالا دستی کے آگے جھک گئے اور زندگی کے ہر شعبے میں ان کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ ڈاکٹر احسن پاشا لکھتے ہیں۔

> ہماری انفعالیت کی وجہ سے ہم اپنے حکمرانوں کے دست نگر ہو گئے اور عالمی سرمایہ کاروں کی کٹھ پتلیاں بن گئے۔ آج عالمی سرمایہ دار اس قدر طاقت ور ہیں کہ وہ حکومت بنانے اور گرانے کے اہل ہیں۔ (۴۸)

سماجی اور ثقافتی عالمگیریت کے باعث دنیا بھر میں فاسٹ فوڈ کا رجحان تیزی سے مقبول ہوا۔ تمام اشیاء خوردونوش پوری دنیا میں یکساں استعمال کی جاتی ہیں۔ عالمگیریت نے نظام خوراک کو تبدیل کر دیا ہے اور یکساں خوراک کا نظام دنیا میں فروغ پا رہا ہے۔ ثقافتی عالمگیریت کے نتیجے میں لباس کے ضمن میں تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں پہلے کوٹ پتلون کو انگریزوں کا لباس سمجھا جاتا تھا لیکن ہماری نوجوان نسل اب اس کو مکمل اپنا چکی ہے اور اپنا مقامی لباس پہننا گوارہ نہیں کرتی۔ دنیا میں کہیں بھی ہونے والی ایکزیکٹو میٹنگ میں ان کے لباس دیکھ کر یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ ان کا تعلق کس ملک سے ہے۔

زبان جہاں کسی قوم کی تہذیب و ثقافت کی محافظ ہوتی ہے وہیں قوم کے درمیان اتحاد و اتفاق کا اہم ذریعہ بھی ہوتی ہے۔ زبان ہی کے ذریعے قومیں اپنی پہچان بناتی ہیں اور ترقی کرتی ہیں، لیکن اگر زبان کو اس کی اصل حیثیت اور مقام نہ دیا جائے تو قوموں کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ زبانوں کی عالمگیریت ایک ایسا عمل

ہے جس کے تحت زبانوں کا بین الاقوامی رابطے کے لیے زیادہ سے زیادہ استعمال ہو رہا ہے جبکہ باقی زبانیں اپنی نمایاں حیثیت کھو رہی ہیں بلکہ بولنے والوں کی وجہ سے مفقود ہوتی جارہی ہیں۔ڈاکٹر جمیل ارشد ملک لکھتے ہیں۔

> دنیا میں بولی جانے والی زبانوں کی تعداد جو ۱۵۰۰ء میں ۱۴۵۰۰ تھی ۲۰۱۲ء میں ۶۵۰۰ سے کم رہ گئی ہے۔زبانوں کے کم ہونے کی شرح کو مد نظر رکھتے ہوئے کچھ ماہرین زبان پر پیش گوئی کرتے نظر آتے ہیں کہ موجودہ زبان کا ۵۰ سے ۹۰ فی صد اکیسویں صدی میں ناپید ہو جا ئے گا۔ (۴۹)

امریکہ کے تہذیب و ثقافت اور معاشرے کی عالم کاری کی کوشش جاری ہیں انگریزی زبان کی عالم کاری کی کوششیں بھی تیزی سے جاری ہیں اور اس کی وجہ سے انگریزی کو عالمی زبان کا درجہ حاصل ہے۔ آج انٹرنیٹ پر ۸۰ فیصد مواد انگریزی میں ہے۔

عالمی ثقافتی بہاؤ کو جنم دینے اور رخ متعین کرنے میں عالمی میڈیا کا اہم کردار ہے۔عالمی ثقافت فارمولا ٹی وی شوز اور اشتہارات کے ذریعے سرایت کر رہی ہے پیچیدہ طور پر عالمی میڈیا کی ترویج سے جڑی ہوئی ہے۔ نقل مکانی نے انسانی معاشرے کو قریب لانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔مہاجرین یا تارکین دوسرے ملکوں کا کلچر اپناتے ہیں لیکن ساتھ اپنی جڑوں سے وابستہ ہیں اور دوسرے ممالک میں اپنی تہذیب و ثقافت کے نمائندہ ہوتے ہیں اور جب یہ واپس اپنے ملک آتے ہیں تو دوسرے ملکوں کی بہت سی ثقافتی روایات کو ساتھ لے آتے ہیں اور جس کے باعث عالمی ثقافت کا ظہور ہوا ہے۔ میڈیا کے ذریعے ہر قسم کی ثقافت تک رسائی آسان ہوگئی ہے۔یہ ثقافتی تبادلہ مقامی ثقافتوں کو ختم کر دے گا جس سے عالمی سطح پر تہذیبوں کے تنوع میں کمی ہوگی اور مغربیت عام ہوگی۔

لسانی پہلو:

زبان افراد کے درمیان محض رابطے کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ تہذیب و ثقافت کی محافظ بھی ہوتی ہے۔زبان کے ذریعے ہی قوم کی تہذیب و ثقافت کا اظہار ہوتا ہے۔زبان میں یہ صلاحیت ہے کہ تہذیب کی

ترقی کے مداح کو تخلیقات میں الفاظ کے ذریعے بیان کرتی ہے۔زبان کے اندر یہ صلاحیت ہے ہوتی ہے کہ معاشرے کی روحانی زندگی کی مکمل تصویر کشی کرے۔زبان ایک جامد عمل نہیں ہے بلکہ یہ ہر لحظ تبدیل ہوتی ہے لیکن ضروری ہے کہ یہ تبدیلی زبان کو تقویت دے اور اس کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کرکے اس کو وسعت عطا کرے کسی قوم میں اجنبی یا غیر ملکی زبان کا راج ہونا اور فروغ پانا اس قوم کے تشخص کے خاتمے کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔موجودہ دور میں اس کی نمایاں مثال انگریزی ہے۔انگریزی کے باعث بہت سی زبانیں ختم ہوگئی ہیں انگریزی زبان آج پوری دنیا پر حکومت کر رہی ہے۔عالمگیریت نے جہاں دنیا بھر میں دیگر شعبوں پر اثرات مرتب کیے ہیں وہاں زبان پر بھی گہرے اثرات ہیں اس حوالے سے ڈاکٹر ناصر عباس نیئر Alternatives economic globalization جو کہ ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی میں لکھتے ہیں۔

> اس کتاب کے سرورق پر ذیلی عنوان کے طور پر درج ہے کہ ایک بہترین دنیا ممکن ہے۔یہ بہتر دنیا کیا ہے؟ اسے کتاب کے مصنفین نے عالمگیریت کے آٹھ بنیادی خصوصیات کے ذکر میں سمو دیا ہے۔ایک خصوصیت اور کلچر کے حسن میں بھی ہے۔اسے عالمگیریت کا ثقافتی ایجنڈا کہا جا سکتا ہے۔عالمگیریت عالمی ثقافتی اور معاشی یک جنسیت Globalization culture and economic homogenization کا نفاذ چاہتی ہے اسے مزید طنز یعنی آئرنی کہا جائے یا المیہ کے عالمگیریت کے ماہرین یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا بھر میں ثقافتی و لسانی تکثیریت اور معاشی تنوع کے خاتمے سے ایک بہترین دنیا تخلیق کی جا سکتی ہے۔اس عالمی معاشرے میں اردو ہی نہیں وہ سب زبانیں بقاء کے مسئلے سے دوچار ہیں جو عالمگیریت کے اہم اداروں جیسے میڈیا و معیشت میں اجارہ دارانہ جگہ حاصل نہیں کر پا رہی ہیں۔ [۵۰]

جدید دور میں انگریزی نمایاں زبان کے طور پر سامنے آئی ہے۔انگریزی ہی کی بدولت ہم اپنے عہد کی دنیا کی حقیقتوں سے واقف ہو سکتے ہیں۔یہ بھی حقیقت ہے کہ انگریزی نے طاقتور اقوام کے سامراجی مقاصد کی تکمیل میں ایک آلے کا کردار ادا کیا ہے۔انگریزی زبان کی بدولت اعلیٰ وادنیٰ کا فرق پیدا ہو رہا ہے اور انگریزی بولنے والے اپنا کلچر غریب عوام پر مسلط کرتے ہیں۔

انگریزی زبان کو فروغ دینے میں عالمگیریت کے ادارے، ورلڈ بنک کی پالیسیوں نے اہم کردار ادا کیا جو مقامی زبانوں کی قیمت پر بین الاقوامی زبان کی ترویج واشاعت کے لیے فنڈ فراہم کرتے ہیں۔ اس حوالے سے رفعت رفیق لکھتی ہیں۔

> معاشی اور ثقافتی عالمگیریت کے ساتھ لسانی و تعلیمی عالمگیریت کے اثرات پوری دنیا کے ممالک میں واضح نظر آتے ہیں کہ جہاں اعلیٰ تعلیم میں انگریزی کا بطور واحد ذریعہ تعلیم ہونا (صرف ۲۰۴۳ فیصد آبادی کے لیے) ہے۔ [۵۱]

موجودہ سالوں میں دنیا بھر میں پھیلی ملٹی نیشنل کمپنیاں انگریزی کو اپنی سرکاری زبان کے طور پر اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اس سے انگریزی کی اہمیت اور فوقیت ظاہر ہوتی ہے۔ موجودہ دور میں دانستہ طور پر امریکی اقدار، معیشت، سیاست اور معاشرت کو دنیا بھر میں تمام معاشروں پر مسلط کرنے کے لیے انگریزی زبان کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ عالمگیریت کے حامی اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ انگریزی زبان دوسری زبانوں کو ختم کر کہ قاتل زبان کا کردار ادا کر رہی ہے لیکن یہ صورت حال پاکستان کے الیکٹرونک میڈیا میں نظر آ رہی ہے۔ جہاں میزبان خواتین و حضرات چند الفاظ اردو کے اور کثیر الفاظ انگریزی کے استعمال کرتے ہیں۔ یہ صورت حال خود ان زبانوں کے لیے قطعاً سود مند نہیں ہے۔

نفسیاتی پہلو:

عالمگیریت یوں تو کئی صدیوں سے انسانی تاریخ میں اپنا وجود رکھتی ہے کیونکہ نقل و حمل، تجارت، خیالات و معلومات کے تبادلے میں مختلف تہذیبیں ایک دوسرے کا اثر قبول کرتی ہیں لیکن گزشتہ کچھ عرصے سے ذرائع ابلاغ، مواصلات کی ترقی نے دنیا بھر کی معیشتوں کے مابین ایک دوسرے پر انحصار کے عمل نے اس میں اضافہ کیا ہے جس کے نتیجے میں عالمگیریت دنیا بھر میں سب سے زیادہ مروج اصطلاح بن چکی ہے۔ جس طرح عالمگیریت نے سیاسی، معاشی، تہذیبی و ثقافتی اور ماحولیاتی میدان میں اثرات مرتب کیے ہیں اسی

طرح انسان کی نفسیات پر بھی اثرات مرتب کیے ہیں لیکن یہ اثرات بالواسطہ یا بلاواسطہ نہیں ہیں۔ عالمگیریت کے انسان کی ذات پر اثرات درجہ ذیل ہیں۔

پہلا مسئلہ ذات اور شناخت کا ہے۔ عالمگیریت کے باعث جہاں ثقافتیں ایک دوسرے میں شامل ہوتی جارہی ہیں اس کی وجہ سے لوگ اب دو ثقافتی شناخت رکھتے ہیں۔ ایک شناخت ان کی جغرافیائی ہے اور دوسری عالمگیریت کے باعث جنم لینے والی عالمی ثقافت والی شناخت ہے۔ دوثقافتی شناخت کی وجہ سے انسان شناختی الجھاؤ اور الجھن کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ عالمگیریت کے باعث طرز زندگی میں تبدیلی آرہی ہے۔ میڈیا، ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ وغیرہ کی بدولت ایک ہی وقت میں انسان مقامی اور عالمی خبروں اور معلومات تک رسائی حاصل کرتا ہے ایک طرف تو اس عمل ہے وہ اپنے گردوپیش بلکہ عالمی منظرنامے سے آگاہ ہوتا ہے لیکن دوسری طرف اس کا منفی پہلو بھی ہے کہ اس سے فرد کا ذہنی دباؤ بڑھتا ہے اور اس طرح Absent person کا تصور سامنے آتا ہے۔ ایسا شخص جو سائبر نیٹ ورکنگ میں اتنا مشغول ہو جائے کہ اپنے گردوپیش کی دنیا سے یگانیت مکمل طور پر یا جزوی طور پر ختم ہو جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ عالمگیریت کے باعث ذہنی صحت پر بھی اثر پڑ رہا ہے۔ جہاں عالمگیریت کے باعث غربت و بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے وہاں انسان کی صحت پر بھی اثرات مرتب ہوئے ہیں جس کے باعث کچھ ممالک میں خودکشی کی شرح میں اضافہ ہوا ہے۔ Walker کے مطابق۔

> عالمگیریت کے اثرات ڈپریشن میں اضافے کی صورت نظر آتے ہیں۔ جہاں ترقی کے Post fordit ماڈل کو اختیار کیا گیا۔ (۵۲)

عالمگیریت کے باعث ذرائع ابلاغ، انٹرنیٹ وغیرہ کی سہولتوں نے انسان کی زندگی آسان بنادی ہے لیکن اگر انسانی رویوں کو دیکھا جائے تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان میں برداشت کا عنصر کم ہو رہا ہے۔ جارحیت اور اشتعال انگیزی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ماہرین کی تحقیقات کے مطابق ان منفی رویوں کے پیچھے جو عوامل کارفرما ہیں ان میں میڈیا کا کردار نہایت اہم ہے جو کہ عالمگیریت کی ترویج و اشاعت کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

عالمگیریت کے فروغ کے ادارے:

جدید عالمی نظام کے فروغ کے لیے مختلف اداروں اور تنظیموں کے ذریعے راہ ہموار کی گئی ہے۔عالمگیریت کا مقصد امریکنائزیشن دوسرے الفاظ میں دنیا میں امریکہ کی بالادستی کو تھوپنا ہے۔عالمگیریت کو فروغ دینے کے لیے سرمایہ دار ملکوں کی طرف سے منصوبہ بندی اور کوشش کی گئیں تاکہ اس کے فروغ کے سلسلے میں رکاوٹیں نہ رہیں۔ حقیقی اقتصادی راہ داریوں کے ساتھ ساتھ ثقافت، سیاست، ذرائع ابلاغ وغیرہ کے شعبوں میں بھی اہم منصوبہ بندی کی جارہی ہے اور عالمگیریت کی راہ ہموار کرنے کے لیے مختلف ادارے اور تنظیمیں قائم کی جارہی ہیں جنہوں نے اپنی اپنی ذمہ داریوں کو انجام دیا ہے۔انہوں نے نہ صرف خود کو برقرار رکھا ہے بلکہ اپنے مشن میں تبدیلیاں بھی وقت وحالات کہ ساتھ کررہے ہیں اس کے علاوہ اپنے منڈیٹ میں توسیع کر رہے ہیں ان کی رکنیت میں اضافہ کر رہے ہیں تاکہ وہ اپنے مقاصد میں آگے بڑھ سکیں۔جوزف اسٹگلٹیز نے لکھا ہے کہ بین الاقوامی بیوروکریٹس اور عالمی معاشی نظام کی بنیادی علامتیں ہر جگہ حملہ آور ہیں۔ حقیقت میں بین الاقوامی مالیاتی فنڈ، عالمی بنک اور عالمی تجارتی تنظیم کا ہر بڑا اجلاس ایک تنازعات اور ہنگاموں کا منظر ہے۔جدید عالمگیریت کی ترویج میں سیاسی عنصر، اقتصادی عنصر اور ٹیکنالوجی کا عنصر بنیادی طور پر کارفرما ہیں۔

آزادانہ تجارت اور آزاد منڈی کو امریکہ اور دیگر مغربی ممالک نے اقتصادی نظام کے تحت ورلڈ بینک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ جیسے مالیاتی اداروں کے ذریعے پوری دنیا میں نافذ کیا۔ یہ ادارے عالمگیریت کے اصل روح رواں ہیں۔

آئی ایم ایف (انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ):

یہ ایک عالمی مالیاتی ادارہ ہے۔جو ملکی معیشتوں، زرمبادلہ اور بیرونی قرضہ جات پر نظر رکھتا ہے۔ جنگ عظیم دوم کے بعد بہت سے یورپی ممالک کو ادائیگی کے توازن میں خسارہ پیدا ہو گیا تھا تو ۱۹۴۵ء میں یہ ادارہ قائم کیا گیا تھا۔ دنیا کے ۱۸۵ ممالک اس وقت اس کے رکن ہیں۔وکی پیڈیا کے مطابق

اس ادارے پر بڑی طاقتوں کا مکمل رواج ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے فیصلوں کے لیے ووٹ ڈالنے کی غیر منصفانہ تقسیم ہے۔ یہ ادارہ تمام ممالک کو قرضہ دیتا ہے اور ان قرضوں کے ساتھ غریب ممالک کے اوپر شرائط بھی لگائی جاتی ہیں۔ (۵۳)

عالمی مالیاتی بنک غریب ممالک کو قرضوں کی فراہمی کے لیے جو شرائط لگاتا ہے یہ شرائط اکثر غریب ممالک کی معاشی صورت حال کو مزید بگاڑ دیتی ہیں لیکن اس کے باوجود اس کے ڈھانچے کو مضبوط بنانے کی ضرورت دن بدن محسوس ہو رہی ہے

بین الاقوامی مالیاتی بنک پر اس وقت زیادہ اثرورسوخ رکھنے والا ملک امریکہ ہے جو اس ادارے کے ۲۰ فی صد حصے کا مالک ہے اور ۲۰ فی صد ووٹوں کے ساتھ اس ادارے کی کسی بھی قرارداد کو ویٹو کر سکتا ہے۔ امریکہ کے بعد برطانیہ دوسرے اور جرمنی تیسرے نمبر پر ہے۔ اس کے بعد فرانس ہے اور پھر جاپان۔ یہ پانچ ممالک ۴۱ فی صد ووٹوں کے ساتھ اس ادارے پر اپنا تسلط قائم کیے ہوئے ہیں۔

عالمی بینک (World bank):

عالمی بینک کا مقصد رکن ممالک کو غربت کے خاتمے اور معاشی ترقی کے لیے قرضہ جات فراہم کرنا ہے۔ اس کا قیام بھی آئی ایف کی طرح برلٹن وڈز کے معاہدے کے تحت ۱۹۴۵ء میں ہوا۔ بین الاقوامی بینک برائے تعمیر و ترقی، بین الاقوامی انجمن برائے ترقی، بین الاقوامی مالیاتی شرکت، MIGA، ICSID اس کے ادارے ہیں۔ اس کا مقصد تو یورپی ممالک کو جنگ کی بحالی کے لیے قرضے فراہم کرنا تھا مگر اب یہ سارے ممالک کو قرضے دیتا ہے۔ باقی ادارے بعد میں بنے۔ عالمی بنک کا مقصد ترقی پذیر ممالک کے انسان کی زندگی، زراعت، تعلیم، ذرائع نقل و حمل کو ترقی دینا ہے۔ بعض لوگوں کے مطابق یہ بینک بھی جو قرضے فراہم کرتا ہے وہ ترقی پذیر ممالک کے مفاد میں نہیں ہوتے۔ عالمی بینک کا رکن کوئی بھی ملک بن سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کی ساری تنظیموں کی رکنیت اختیار کی جائے۔ وکی پیڈیا کے مطابق

بین الاقوامی بینک برائے تعمیر وترقی کے ۱۸۵ ارکان ہیں اور باقی تنظیموں کے ارکان کی تعداد ۱۴۰ اور ۱۷۰ کے درمیان ہے۔ (۵۴)

عالمی بینک کے خلاف کئی ممالک میں مظاہرے بھی ہوتے ہیں کیونکہ اس ادارے پر بھی آئی ایم ایف کی طرح مغرب کی اجارہ داری ہے۔ اس ادارے کے سربراہ کے لیے ضروری ہے کہ جو امریکی نسل کا ہو یہ ادارہ ان ممالک کو قرضے دیتا ہے جو مغرب کی پالیسی پر چلے اور گلوبلائزیشن کے عمل میں ہاتھ بٹھائے۔

عالمی تجارتی تنظیم (WTO):

عالمی تجارتی تنظیم ایک بین الاقوامی ادارہ ہے۔ یہ مختلف ممالک کے درمیان تجارت کے معاملات کی نگرانی کرتا ہے۔ اس تنظیم سے پہلے GATTS کی تنظیم تھی جو ۱۹۴۷ء میں جنیوا میں وجود میں آئی تھی۔ اس تنظیم کا مقصد جنگ کے بعد تجارت پر پڑنے والے اثرات سے دنیا کو بچانا تھا۔ اس وقت ۲۳ ممالک اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے اس کے رکن تھے۔ اس تنظیم کے مقاصد درجہ ذیل تھے۔ دنیا میں عالمی تجارت کے اصول وضع کرنا اور انھیں تجارت کے سلسلے میں لاگو بھی کرنا۔ عالمی تجارت کو جو بھی مسائل ہوں ان کا حل کرنا اور عالمی تجارت کی رفتار کو تیز کرنا۔ عالمی تجارت کے دیگر اداروں سے بھی تعاون کرنا اور باقی ترقی پذیر ممالک تک بھی اس کے فوائد کو پہنچانا۔ عالمی تجارت کے سلسلے میں جو بھی پابندیاں ہیں ان سے ملکوں کو آزاد کر کے آپس میں معاملات طے کرنے کے لیے گفت وشنید کا پلیٹ فام مہیا کرنا اس کے مقاصد تھے۔ عالمی تجارتی تنظیم سے قبل جو GATT کی تنظیم تھی اس نے صرف اشیاء کی تجارت پر توجہ دی تھی ان میں بھی زراعت اور کپڑے کے متعلق یہ ادارہ نہیں تھا لیکن WTO نے تمام اشیاء کی تجارت کو آسان بنایا۔

اس ادارے کے باعث ترقی پذیر ممالک کو زیادہ فائدے حاصل نہیں ہوئے بلکہ بے روزگاری، مہنگائی اور سرمایہ دارانہ اجارہ داری میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ سود کا نظام اور دولت کا چند ہاتھوں تک محدود ہونا اس کی بدولت ہوتا ہے۔ اس ادارے کی بدولت مالیاتی ادارے زمین بوس ہو رہے ہیں، بنک دیوالیہ ہو رہے ہیں یہ سب اس ادارے کے مقاصد ہیں۔

این جی اووز:

این جی اووز جسے اردو میں غیر سرکاری تنظیم کہا جاتا ہے یہ قانونی اداروں سے ترتیب پاتا ہے۔ این جی اووز کا نام ان اداروں کو حکومتوں کی طرف سے دیا گیا ہے اور یہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ اس ادارے کا حکومت وقت سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ۔ کسی بھی سرکاری ملازم یا حکومت وقت سے تعلق رکھنے والے شخص کو اپنی تنظیم کا رکن بننے کا اہل قرار نہیں دیتی ہیں۔ این جی اووز کے مخفی اہداف کے حوالے سے زاہد الراشدی لکھتے ہیں۔

> بین الاقوامی ادارے ان غیر سرکاری تنظیموں کی آڑ میں اپنے جاسوس بھیج دیتے ہیں اور یہ این جی اووز ان جاسوسوں کے لیے کمیں گاہیں ثابت ہوتی ہیں۔ دوسرا یہ این جی اووز کلچر، معاشرتی روایات اور مذہبی اقدار کے خلاف عام لوگوں کی ذہن سازی کرتی ہیں اور مغربی کلچر کی راہ ہموار کرتی ہیں۔ (۵۵)

عالمگیریت کے نتیجے میں مقامی حکومتوں کی حیثیت کم ہو گئی ہے اس کے نتیجے میں مختلف مسائل پیدا ہو رہے ہیں یہ ادارے ان مقامی حکومتوں کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے وجود میں آئے جو غیر منافع بخش ادارے تھے لیکن آہستہ آہستہ یہ ادارے بھی مغربی اقدار اور عالمگیریت کے پریشر کا باعث بن گئے۔

ملٹی نیشنل کمپنیاں:

ملٹی نیشنل کمپنیوں سے مراد وہ تجارتی کمپنیاں ہیں جن کے دنیا بھر میں بے شمار مراکز ہوتے ہیں اور ان کمپنیوں کو میزبان ملک کی شہریت بھی حاصل ہوتی ہے یہ کمپنیاں دنیا بھر میں سستی افرادی قوت، خام مال اور ٹیکس ریلیف کے چکروں میں رہتی ہیں ۔ یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں عالمگیریت کی ترویج کر رہی ہیں۔ مغربی ممالک کی طاقتیں مختلف ممالک کے وسائل پر قابو پا کر ان کی ثقافت اور مذہبی اقدار کو ختم کرنے کے لیے ان کمپنیوں کا سہارا لے رہی ہیں۔ دنیا بھر میں بے شمار ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں ان کمپنیوں کے حجم، جغرافیائی وسعت اور ان کی تجارتی سرگرمیوں کا اندازہ لگانے میں اقتصادی ماہرین کو بھی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی ہے ان

کمپنیوں میں سے زیادہ کا مالک اکیلا امریکہ ہے اور باقی کی جو کمپنیاں ہیں ان پر مغربی طاقتوں کا قبضہ ہے۔ بقول پروفیسر دوست محمد خان

> ملٹی نیشنل کمپنیوں کی سرگرمیاں عموماً چار اہم تجارتی سیکٹر پیٹرول، آٹو موٹر، ٹیکنالوجی اور بنک سیکٹر کے ارد گرد گھومتی ہیں۔ چنانچہ ان تمام اہم شعبوں پر ان کی بالادستی قائم ہو چکی ہے۔(۵۶)

یہ کمپنیاں ترقی پذیر ممالک کے اقتصادی وسائل جو خام مال کی صورت میں ہوتا ہے اس کو صنعتی ممالک منتقل کرتی ہیں اور پھر یہی خام مال مصنوعات کی شکل میں مہنگے داموں واپس ترقی پذیر ممالک کو بر آمد ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ کمپنیاں ان ممالک کے سیاسی معاملات میں بھی مداخلت کرتی ہیں۔ خارجہ پالیسی ملک کی تجارتی پالیسیوں پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس وجہ سے دنیا بھر میں کئی ممالک کی حکومتیں برائے نام رہ گئی ہیں۔

ذرائع ابلاغ:

عالمگیریت کو فروغ دینے میں ذرائع ابلاغ کو کلیدی مانا جاتا ہے۔ انفارمیشن اور ٹیکنالوجی کے ذریعے دنیا بھر میں مغربی ثقافت کو پھیلایا جا رہا ہے۔ اب سب کچھ امریکی رنگ میں رنگ گیا ہے، مغربی تہذیب دراصل امریکی تہذیب ہے۔

آج کسی بھی ملک میں ہونے والا چھوٹا سا واقعہ چند سیکنڈوں میں پوری دنیا میں پھیل جاتا ہے۔ فیشن، معلومات فوراً دوسرے ملکوں میں پہنچ جاتی ہے اور یہ انفامیشن اور ٹیکنالوجی کے باعث ہوا ہے۔ ذرائع ابلاغ پر امریکہ کا قبضہ ہے۔ امریکہ اپنی ثقافت کو پھیلانے کے لیے مواصلات یعنی ذرائع ابلاغ کو ہتھیار بنا رہا ہے۔ عوام کی ذہن سازی کے لیے انہوں نے ذرائع ابلاغ کو موثر سمجھا۔ عالمگیریت کے دائرہ نفوذ میں میڈیا کی ناگزیریت ہی کا نتیجہ تھا کہ مختلف ممالک نے اس طرف توجہ دی اور اپنی تہذیب و معیشت کے پھیلانے کے لیے ذرائع ابلاغ کا استعمال کیا۔

ہالی ووڈ کا کردار:

عالمگیریت کے دائرہ نفوذ کا ایک رخ فلم ہے۔ فلموں کے ذریعے اپنے مقاصد خصوصاً ثقافت اور معیشت کی بڑھوتری کو یقینی بنایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں ہالی ووڈ انڈسٹری کا نام لیا جا سکتا ہے۔ امریکی فلموں کی تشہیر سے آج کوئی ملک باقی نہیں بچا۔ عالمگیریت کا مقصد ہی دراصل قومی تہذیبوں اور ثقافتوں کا خاتمہ اور امریکی تہذیب کو پوری دنیا میں رائج کرنا ہے۔ اب ترقی پذیر ممالک میں یورپی لباس پہننے اور انگریزی زبان بولنے اور ہالی ووڈ فلمیں دیکھنا باشعور ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

عالمگیریت کے دائرہ نفوذ کا ایک پہلو ہمہ گیریت ہے۔ ثقافتی اعتبار سے یہ دو بنیادوں پر قائم ہے ایک انفارمیشن ٹیکنالوجی اور دوسرا ذرائع ابلاغ اور فلمیں وغیرہ ہیں۔ فلموں کے ذریعے مغربی ثقافت کو پوری دنیا میں پھیلایا جا رہا ہے۔ اس حوالے سے رفعت رفیق لکھتی ہیں۔ "ہالی ووڈ کے بعد بھارت نے بھی فلم کے شعبے میں بہت ترقی کی ہے جہاں سال میں ایک ہزار سے زیادہ فلمیں تیار کی جاتی ہیں۔۔۔ "(۵۷)

انٹرنیٹ:

انٹرنیٹ نے تو عالمگیریت کے میدان میں انقلاب برپا کیا ہے۔ ایک ملک میں ہونے والے واقعات اور خبریں فوراً دوسرے ملک پہنچ جاتی ہیں۔ جہاز، ٹیلی فون اور انٹرنیٹ کی موجودگی میں سفر آسان، رابطہ اور افراد کا ملاپ آسانی سے ہو جاتا ہے۔ محققین جہاز، ٹیلی فون اور انٹرنیٹ کو عالمگیریت کا نمائندہ قرار دیتے ہیں۔

> The airplane, telephone, and internet are just three inventions that can be attributed to the spread of globalization. (۵۸)

ذرائع مواصلات میں ترقی نے افراد کو یہ سوچنے پر مجبور کیا ہے کہ پوری دنیا ایک گاؤں ہے اسی لیے مارشل نے ۱۹۹۲ء میں دنیا کو گلوبل ویلج کہا ہے۔ عالمگیریت کے واضح عزائم مقامیت کو ختم کرنا، علاقائیت سے جان چھڑانا اور مغربی تہذیب کا غلبہ ہے۔

ابلاغ کی صلاحیت نے تجارت اور مالی امور میں تبدیلی پیدا کی ہے اسی کو عالمگیریت کہا جاتا ہے۔ کمپیوٹر کی دنیا میں ترقی نے سماجی، معاشی، ادبی اور سیاسی زندگی میں نمایاں تبدیلیاں کی ہیں۔ جیسے جیسے عالمگیریت بڑھتی جارہی ہے یہ اقوام کو بھی اپنے ساتھ کھینچ رہی ہے۔

عالمی ادب اور عالمگیریت: فکر، اسلوب اور تکنیک پر اثرات

ادب کبھی تو تقلید حیات کا نام ہے چاہے وہ افسانہ کی صورت میں ہو ناول یا پھر شعر و شاعری۔ ادب زندگی کے مختلف حالات و واقعات سے وجود میں آتا ہے کیونکہ ادب انسانی خیالات کا ترجمان ہوتا ہے کوئی بھی ادیب جس دور میں رہ رہا ہوتا ہے اس دور کے حالات و واقعات کا عکس اس کی تحریروں میں بھی نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ ادب زندگی کے اظہار کا نام ہے لفظوں کے ذریعے فکر، احساس، جذبے یا خیال کے اظہار کو ادب کہا جاسکتا ہے۔

ایسی تحریریں جن میں الفاظ ترتیب و تنظیم کے استعمال کیے جائیں اسے ادب کہا جاسکتا ہے یہ تحریر ہمارے تجربوں اور ہمارے شعور کے خزانے میں اضافہ کرے اور اس کا اثر وقتی نہیں ہو بلکہ اس میں ابدیت ہو۔ ادیب میں ادراک کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ اظہار کی قوت بھی ہوتی ہے۔ آج کا جدید سائنسی دور ہے۔ سائنسی ترقی نے اشیاء کو ہمارے شعور میں داخل جب کہ احساس اور فکر کو زندگی سے نکال دیا ہے۔ ساری دنیا عدم توازن کا شکار ہے۔ حیرت انگیز ایجادات وانکشافات کے باوجود زندگی معنویت و توازن سے عاری ہے۔ ادب بھی انسان کی طرح حادثات کا شکار ہو رہا ہے۔ سیاسی، معاشرتی، معاشی، ادبی، صنعتی، مذہبی، اصلاحی تحریکوں کی بنیاد پر سوچ سے پیدا ہونے والا ادب ہوتا ہے۔ جو زندگی کی حقیقتوں اور بدلتی دنیا کے مسائل کا نتیجہ ہے ادب بھی ایک جیسا نہیں رہتا ہے اس میں موضوع بدلتے رہتے ہیں۔ اظہار کے ذریعے اور طریقے بدلتے رہتے ہیں۔ ادب جو معاشرے کا حصہ ہوتا ہے وہ کبھی ماحول سے الگ نہیں رہتا وہ جس ماحول میں رہتا ہے اسی ماحول کا تابع ہوتا ہے اس لیے جیسا معاشرہ ہوگا ویسا ہی ادب تخلیق ہوگا کیونکہ ادب اپنے معاشرے کی ہی

ترجمانی کرے گا۔ اس طرح وہ علم کی سوچوں، ذہنوں، رویوں کو تبدیل کر کے ان پر عمل کرنے کے لیے عوام کو تیار کرتا ہے۔ پروفیسر شمیم کوثر اکیسویں صدی کے چیلنجز اور اردو زبان وادب کے امکانات میں لکھتی ہیں۔

> کوئی ادب معاشرے کے بناء تخلیق نہیں ہو سکتا۔ معاشرے کی سرگرمیاں تخلیقی عمل کی بنیاد اور سبب بنتی ہیں۔ ادب تخلیق کے ذریعے معاشرے سے وابستہ مسائل کو سلجھا کر بنیادی حقائق پیش کرتا ہے۔ یہ عمل براہ راست اور بلاواسطہ دونوں طریق سے حل ہوتا ہے۔ احساسات کی تہذیب وتزکیہ سے زندگی میں مسرت کا پہلو اجاگر کیا جاتا ہے۔ (۵۹)

ایک زندہ ادب کسی نہ کسی طرح بدلتی ہوئی حقیقتوں کا عکس ہوتا ہے۔ زندگی اور ادب کے رشتے کو سمجھنے کے باعث ادب میں مختلف تحریکیں جنم لیتی ہیں جس سے مختلف ادوار میں عصری شعور رکھنے والی تخلیقات وجود میں آتی ہیں۔ بقول عظیم اللہ جندران۔ "جو ادب سماجی عناصر سے مواد حاصل کر کے تخلیق کیا جاتا ہے وہی زندہ ادب ہے اور معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں کردار بھی ادا کرتا ہے۔" (۶۰)

ادب میں مختلف تحریکوں کی آمد نے جمود کی کیفیت کو توڑا اور تبدیلی پیدا کی۔ موجودہ دور جو ٹیکنالوجی کا دور ہے آج انٹرنیٹ، کمپیوٹر، میڈیا اور سیٹلائیٹ کی سہولت موجود ہے۔ اب ہر ہفتے نئے موبائل اور کمپیوٹر کی تکنیک سامنے آجاتی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا اور اس جیسی دوسری چیزوں نے زندگی کو تیز کر دیا ہے۔ دنیا گلوبل ویلج بن گئی ہے۔ فاصلے سمٹ چکے ہیں رابطے آسان ہو گئے ہیں۔ ایک ماہ بعد ملنے والی خبر اب ایک گھنٹے سے بھی جلدی ہم تک پہنچ جاتی ہے۔ چند سیکنڈوں میں بڑے سے بڑے منصوبے تک آن لائن رسائی ہو جاتی ہے۔ ان تمام چیلنجز کا اثر براہ راست انسان اور اس کی سوچ کو متاثر کرتا ہے۔ انسان کی زندگی اس دوڑ بھاگ کا شکار ہو گئی ہے۔ ان حالات نے انسان کی سوچ کے دائرے کو وسیع کیا ہے۔ اس سوچ کے زاویے ایسے ہیں جو علم و فکر کی راہیں استوار کرتے ہوئے ماضی سے بہت حد تک مختلف ہیں۔ پرانے اور نئے دور میں بہت واضح فرق ہے۔ انسان کی سوچ اور زندگی کی عکاسی کرنے والا ادب سماجی رویوں کو فہم وادراک کی مثبت سمت عطا کرتا ہے۔ ادب شاعری ہو یا نثری اس کا سفر بھی ماضی سے مستقبل کی طرف جاری ہے۔ ہر صنف پر کام ہوا ہے اور اس میں وسعت آئی ہے۔ اس میں شعوری اور لاشعوری دونوں کوششیں شامل ہیں۔

موجودہ دور میں ٹیکنالوجی، سیاست، معیشت اور عالمی واقعات نے ادب کے مقام اور کردار کو بھی چیلنج کیا ہے۔ ذرائع نقل و حمل اور صنعت و حرفت اور سب سے بڑھ کر صارفیت اور عالمی مارکیٹ نے ادب کی حیثیت، افادیت اور ارتقاء کو بھی نئی جہتوں سے روشناس کروایا ہے۔ کسی خاص ماحول اور سماج میں ترقی پذیر ادب بنیادی طور پر اس ماحول اور سماج کی تقسیم و تفریق اور نشر و اشاعت کا موثر اور فطری آلہ ہوتا ہے۔ سماج اور ادب کی ترقی آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ بقول ہارون راؤ اور عظیم اللہ جندران

> ذہنی آبیاری اور اقدار کی پاسداری کا فن ادبی تخلیقات سکھاتی ہیں اور اسرار رموز حیات بتاتی ہیں۔ عصر رواں میں آفاقی قواعد، ادراکی سائنس اور تجزیہ کلام نے تمام جدید علوم میں اپنا مقام اور کردار کا تعین جس انداز میں لیا ہے۔ اب جدید علوم کی بدولت ایسے طریق ہائے کار وضع ہو چکے ہیں جن کی مدد سے ادب کی توضیح و تجربہ معروضی طور پر ممکن ہو گیا ہے۔ (۶۱)

عالمگیریت مواصلات نقل و حمل اور انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ترقی کا نتیجہ ہے۔ اس میں معاشی، سیاسی، تکنیکی اور ثقافتی روابط کے ساتھ ساتھ ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کی ترقی بھی شامل ہے۔ پوری دنیا کے انسانی معاشروں نے کئی صدیوں کے دوران آہستہ آہستہ قریبی رابطے قائم کیے ہیں لیکن حال ہی میں ان میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ ہوائی جہاز، سستی ٹیلی فون سروس، ای میل، کمپیوٹر، فوری سرمائے کی روانی نے دنیا کو پہلے سے کئی زیادہ باہمی منحصر کر دیا ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں بہت سے ممالک میں مصنوعات تیار کرتی ہیں۔ پیسہ، ٹیکنالوجی، خام مال سرحدوں سے بہت تیزی سے نکل رہا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر قوانین اور معاشرتی تحریکیں تشکیل پا رہی ہیں۔

عالمگیریت نے جہاں دیگر شعبوں پر اپنے اثرات مرتب کیے ہیں وہاں ادب پر بھی اس کے گہرے اثرات ہیں۔ اس بدلتی ہوئی دنیا میں ادیبوں کی سوچ جہاں بدلی ہے وہاں قاری اور ماحول کی وجہ سے ادب کے حوالے سے مجموعی تبدیلی کے باعث ادب میں بھی نئے نئے رجحانات سامنے آ رہے ہیں۔ جس طرح قاری بھی غیر ارادی طور پر ادیب کو لکھنے کے موضوعات کی طرف توجہ مبذول کرواتا ہے۔

عالمگیریت کے اس دور میں عالمی ادب کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے اس سے کسی طور پر بھی دور نہیں رہا جاسکتا۔ذرائع ابلاغ کے باعث اب ہر معلومات ایک جگہ سے دوسری جگہ آسانی سے پہنچ جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ انسان خود بھی جب سفر کرتا ہے تو وہ اپنے خیالات کو بھی دوسرے ملک یا شہر منتقل کرتا ہے۔ آج کل جو ادیب ادب تخلیق کرتے ہیں اس کے قاری بہت بڑھ چکے ہیں کیونکہ انسان بے شمار دوسرے معاشروں سے بھی متعارف ہو چکا ہے۔ آج کل عالمگیریت کے دور میں جو ادب تخلیق کیا جاتا ہے اس میں بے شمار نئے موضوعات آرہے ہیں، اسلوب اور تکنیک کے نئے نئے تجربات ہو رہے ہیں۔ اب دنیا مغربیت کا نہیں بلکہ ماڈرن آئزڈ کا شکار ہو رہی ہے، معاشروں میں نئے رجحانات کے باعث مائکرو فکشن یعنی سو الفاظ پر مشتمل افسانہ بہت مقبول ہوا ہے۔اردو ادب کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو جدید نثری نظم عالمی ادب کا حصہ بن سکتی ہے کیونکہ نظم اور پھر نثری نظم کو ترجمہ کے دیگر زبانوں میں پہنچایا جاتا ہے۔ محمد عرفان احسن پاشا لکھتے ہیں

> گلوبلائزیشن نے جس طرح ہر شعبے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور اب زبان و ادب کے لیے بھی الگ تھلگ رہ کر اپنا وجود قائم رکھنا ممکن نہیں ہے۔جب زندگی یا معاشرہ کسی شے، عمل، انداز طریق کار یا نظریے سے متاثر ہوتا ہے تو لا محالہ ادب اور زبان بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ (۶۲)

ادب میں معاشرے کی تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔ عالمگیریت کے عمل کے باعث ادیب کی ذاتی تخلیقات بھی مشترکہ تخلیق بن جاتی ہے جس سے ایک علاقے کا ادب ساری دنیا کا ادب بن جاتا ہے اور زبان کے نئے نئے روپ اور ادب کی نئی جہتیں سامنے آرہی ہیں اور ان نئے نظریات اور تکنیک کی بدولت ادب میں فنی اور فکری یکسانیت فروغ پا رہی ہے۔ مختلف خطوں کا میل جول جہاں انسان کی زندگی کو متاثر کرتا ہے وہاں ان کی زندگیوں پر بھی گہرے اثرات ہیں اور یہی اثرات اس علاقے کے ادب میں بھی دیکھے جاتے ہیں۔ جس طرح اردو زبان میں انگریزی زبان کے بے شمار اور دیگر زبانوں کے الفاظ شامل ہو چکے ہیں اسی طرح دوسری زبانوں کے الفاظ انگریزی کا حصہ بن رہے ہیں۔شعراء اور ادباء کی اب بین الاقوامی ادب تک رسائی آسانی سے ممکن ہے اور اس کی وجہ سے ایک دوسرے متاثر ہوتے ہیں اور زبان و ادب کے نئے نئے طریقے معرض

وجود میں آرہے ہیں۔ عالمگیریت کے باعث دنیا ایک ہی طرز کے نظام اور یکساں حالات اور یکساں فکر کو ترویج دے رہی ہے جس کی وجہ سے فکری مماثلت بھی پیدا ہو رہی ہے اور ادیب فنی سطح پر بھی اخذ و استفادہ کرتے ہیں۔ ہمارے ادیب خاص طور پر ناقدوں کو اگر دیکھا جائے تو ان کے لیے مغربی اصطلاحات کے بغیر تنقید کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ تمام تجربات اور نظریات مغرب میں ہوتے ہیں اور ہمارے ادیب ان کو اپناتے ہیں۔

عالمی ادب کوئی نیا تصور نہیں ہے لیکن جیسے جیسے میڈیا کی نئی نئی ٹیکنالوجیز سامنے آرہی ہیں اس طرح قومی حدود میں کتابوں کے پھیلانے کے نئے طریقے بھی سامنے آرہے ہیں اور جیسے ہی دنیا بھر میں قارئین تک عالمی ادب کی فراہمی کے نئے طریقے سامنے آرہے ہیں بہت سارے اسکالر ادب پر تراجم کے مضمرات ،ادب کے ثقافت پر پڑنے والے اثرات اور ثقافتوں سے کتابوں کو تبدیل کرنے کے طریقوں کی جانچ پرکھ بھی کر رہے ہیں۔ عالمی ادب کی مختلف انداز میں وضاحت کی گئی ہے وکی پیڈیا کے مطابق

> The term "world literature" refers to all of the world's national literature as well as the dissemination of works outside of their country of origin.Ma. (۶۳)

عالمی ادب کا استعمال دنیا کے قومی ادب کی کل تعداد اور ان کی ملک سے باہر دنیا میں گردش کے حوالے سے ہوتا ہے۔ عالمی ادب آج ایک بین الاقوامی سیاق و سباق میں تیزی سے دیکھا جاتا ہے۔

قارئین کے پاس مختلف ترجموں میں عالمی ادب کی وسیع حد تک رسائی ہے۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں عوامل کے امتزاج نے دنیا تک زیادہ سے زیادہ رسائی حاصل کی۔ سرد جنگ کا خاتمہ ،عالمی معیشت کی بڑھتی ہوئی عالمگیریت اور امیگریشن کی نئی لہروں نے عالمی ادب کے مطالعے کو وسعت دینے کے لیے متعدد کوششیں کیں۔ بینا گوئندی لکھتی ہیں

> ورلڈ لٹریچر دراصل وہ ادب جو مقامی موضوع ہونے کے باوجود اس میں آفاقیت اور تاریخ کو لے کر چلے۔ آج کے اس عالمی لینڈ دلیپ کا جو الفاظ احاطہ کر سکیں۔ (۶۴)

عالمگیریت کے باعث تمام ادب اب عالمگیری ہو چکے ہیں۔ عالمی ادب کے کئی معنی ہیں۔ موجودہ دور میں اس کا سب سے اہم حوالہ گلوبلائزیشن ہے۔ عالمی ادب کی اصلاح جرمن کے لفظ ویلسٹیر ٹور کا ترجمہ ہے جس کا استعمال یوہان وولف گینگ گوئٹے نے (۱۸۳۲-۱۷۴۹) میں کیا۔

عالمی ادب کو ایک نظم وضبط کی حیثیت سے انیسویں صدی کے بعد سے ترقی ملی ہے۔ گوئٹے سے لے کر ڈامروشیخ، کیسانوفا، گاپتری سیواک اور میلان کنڈیرا تک دنیا کے سب ہی ادیبوں اور دانشوروں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور ساتھ ساتھ اس کے طول وعرض کو بھی وسیع کیا ہے۔ ان مباحثوں نے قومی ادب اور عالمی ادب کو ایک نئی شکل دی ہے۔

عالمی ادب کے حوالے سے گوئٹے کی وعیر اور ایکڑمن کے ساتھ گفتگو سے ہم مختلف زبانوں اور ثقافتوں کے ادبی کارناموں کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ گوئٹے نے گفتگو میں کہا ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں کا ادب جو اپنی اصلی زبان میں ہے یا دیگر زبانوں سے ترجمہ ہے اس کو پڑھنے کی طرف جھکاؤ سے عالمی ادب کا نظریہ پیدا ہوا تھا ۔انہوں نے کہا کہ عالمی ادب کا عہد قریب آچکا ہے اور ہم میں سے ہر ایک کو اپنے نقطہ نظر کو تیز کرنے کے لیے کام کرنا چاہیے۔

> The epoch of world literature is approaching, and we must all work to hasten its arrival. (۱۵)

گوئٹے کا یہ بیان مرکز کی حثیت رکھتا ہے جس پر پوری دنیا کی ساخت قائم ہے۔ اس بیان نے نہ صرف متعدد تشریحات کا دروازہ کھولا بلکہ اسکالروں اور دانشوروں کو بھی عالمی ادب کی تعریف اور اس کے بہتر فہم کے لیے کام کرنے پر مجبور کیا۔ گوئٹے نے اپنی گفتگو میں اس اصطلاح کی وضاحت نہیں کی کہ عالمی ادب کیا ہے۔ عالمی ادب کے بارے میں ہر نظریہ ڈامروسج کے بیان کردہ سوال کے گرد گھومتا ہے کہ عالمی ادب کیا ہے؟

> The global circulation and reception of literary terts required a stronger understanding of the term "world literature," as it has left the world perplexed with evolving avatars such as Vishwo Sahitya in Bangla, Mirovananio in Russian, Dunya edebiyati in Turkish, Sekai Bungaku in Japanise, literature in Frende, Shijie de wenxue in Chinese, and world literature in English [۶۶]

ان سب نے عالمی ادب کی تعریف کرنے کی کوشش کی کہ عالمی ادب کیا ہے۔ کیا یہ تمام قومی ادب کا مجموعہ ہے یا جدید دور کا ادب ہے۔ کیا اس طریقہ کا مطالعہ ہے جس میں ثقافتیں آپس میں مشترک ہیں یا یہ تہذیبوں کی سوانح عمری ہے۔ گوئٹے اور ٹیگور نے اس وقت عالمی ادب کی ممکنہ توسیع کا تصور پیش کیا جب عالمی ادب کا تصور بالکل بھی فروغ نہیں پایا تھا۔ گوئٹے نے جب دیکھا کہ قومی ادب کا کوئی معنی نہیں تو اس نے عالمی ادب کی آمد کا اشارہ کیا لیکن اس نے قومی ادب کی انتہا کی نشاندہی نہیں کی بلکہ ادب کو قومی حدود میں رکھنے کی بے معنی حوالہ دیا کہ ادب کو اب قومی حدود میں نہیں رکھا جا سکتا۔ گوئٹے نے شاید یہ اندازہ کر لیا تھا کہ مصنف کی اپنی قوم میں پہچان سے اب کوئی فرق نہیں پڑے گا کیوں کہ ادبی تبادلہ اور ترجمے کے ذریعے اس کے کام کو پوری دنیا اور عالمی ادب میں مستحق مقام حاصل ہو گا۔ اسی تناظر میں عالمی ادب کے ایک امتحان کی مخالفت نہیں کرتا خود بخود اس کا نظارہ ہو جاتا ہے۔ انہوں نے عالمی ادب کی وکالت نہیں کی

> He believed that literature that does not stand the test of time will perish.He aducate world literature, not as a Tulnatmate Sahitya, but as Vishwa Sahitya literature. Literature is not an imere total of works composed by different hands. [۶۷]

گوئٹے اور ٹیگور کے بعد فریڈرک اینجنلس اور کارل مارکس ۱۹۸۴ء نے عالمی منڈی پر بورژوا کے تسلط کے بارے میں حیرت انگیز تبصرہ کیا۔انہوں نے کہا کہ متعدد قومی اور مقامی ادب سے ہی عالمی ادب پیدا ہوتا ہے۔عالمی منڈی کا خروج یورپی نوآبادیات کا حتمی نتیجہ ہے۔جو عالمی ادب کے خیال کو پیچیدہ بناتا ہے اور استعمار کی توسیع کی طرف اشارہ ہے اور کمیونسٹ منشور عالمی ادب کا ماڈل بننے کا خواہش مند ہے اور اس کا انگریزی ، فرانسیسی ، جرمن ، اطالوی اور ڈچ جیسی چھ زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے ۔ Fritatsitrich فرٹزاسٹرانج نے بھی عالمی ادب کے تصور کی تعریف کرنے کی کوشش کی تھی انہوں نے کہا کہ عالمی ادب ایک ایسانیٹ ورک ہے جو بنیادی معاشی کردار کا حامل ہے اور لوگوں کے مابین خیالات کو فروغ دینے کے لیے ایسا ادبی بازار ہے جس کے ذریعے قومیں اپنے فکری خزانوں کا تبادلہ کرتی ہیں

> World literature is a platform with a basic economic character that promotes the exchange of ideas between intellectual treasures.(۲۸)

عالمی ادب کے ایک اور نظریہ ساز ہیوگو ملٹزل ہیں انہوں نے عالمی ادب کے تصور کی غلط فہمی پر سوالات اٹھائے انہوں نے اپنے ادب کے عالمی ہونے کے لیے اقوام عالم کے قاری کے مطالبے کی مذمت کی انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ہر قوم کا یہ تصور یکجہتی اور اپنی زبان کی بالادستی کو ثابت کرنے کی خواہش بالاخر بیکار کوششوں کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔انہوں نے عالمی ادب کے دونوں اصول یعنی ترجمہ اور کثیر القلوت کی پاسداری پر زور دیا۔ان کا تقابلی ادب کا پہلا جریدہ مختلف کام کرنے والی زبانوں پر غور کرتا ہے۔ان کا خیال تھا کہ موازنہ صرف شکل میں موجود ادب کا ہو سکتا ہے غیر مغربی زبانوں کو وہ اس میں جگہ نہیں دیتے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ایشیائی ادب کا امکان تب ممکن ہے جب ایشیائی ادب ہمارے حروف تہجی کو قبول کرے گا ایک دوسرے کے لیے باہمی قبولیت اور رواداری ہی عالمی ادب کو تقویت بخش سکتی ہے۔

چینی اسکالر ژینگ ژینڈو(۱۹۲۲) نے بھی مقامی ادب، فوقیت، وقت کی مدت اور اس کو عالمی ادب بنانے کے انداز سے پیدا ہونے والے ادب کے مابین اختلافات کے باوجود ادب کے عالمی اتحاد کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔

عالمی ادب کی جزوی حصولیت پسکل کیسانوفا۲۰۰۵ کے کام سے ظاہر ہوتی ہے انہوں نے بتایا کہ کسی ادبی ٹکڑے کو مغربی یورپ کے زیر کنٹرول وسیع نیٹ ورک کے ذریعے بین الاقوامی رسائی حاصل ہوتی ہے۔

عالمی ادب کے سائنسی انداز کو اسٹینفورڈ کے عالمی ادب کے ماہر فرانسکو مورتی نے تیار کیا۔ انہوں نے عالمی ادب کو ایک متفقہ لیکن غیر مساوی نظام سمجھا جو گوئٹے کی خواہش اور مارکس کی پیش گوئی کے مساوی ویلٹیٹر یٹور سے متصادم ہے انہوں نے کہا کہ عالمی ادب کو ایک ایسا مسئلہ سمجھ گیا ہے جو ایک نئے تنقیدی طریقے کا تقاضا کرتا ہے۔ ایک نیا مفروضہ جہاں ڈسٹ ریڈرنگ کے ذریعے مطالعے کے سائنسی نقط نظر عالمی ادب نظام کو سروے کرنے کا ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔

عالمی ادب کا تصور تمام لوگوں کے لیے یکساں نہیں ہو سکتا ہے۔ دنیا کے ادب کے ہر بارے میں ہر ایک کا نظریہ الگ الگ ہے جیسا کہ امیہ دیو نے کہا ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں عالمی ادب کی تعریف کروں تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت میرے لیے دستیاب نصوص کی مجموعی تعداد ہے ترجمے شامل ہیں یہ کہنا بے وقوفی ہے کہ عالمی ادب ہر ایک کے لیے ایک ہو گا۔

> If you ask me to define world literature, I would say it is the totality of texts available to me at the time, translations included. It is essential to state that world literature is one for everyone. (۱۹)

مختلف ماہرین نے عالمی ادب کی نہ صرف تعریف کی بلکہ دنیا میں گردش اور اس کے استقبال کے عمل کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی۔

بعد میں عالمی ادب کے معروف تائید کنندہ ڈیوڈ ڈ امر اش کے کام میں عالمی ادب کی اصطلاح کو ایک واضح تصویر ملی انہوں نے اپنی کتاب میں ڈبلیو ایل کے تصور کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے انہوں نے کہا ہے کہ وہ تمام ادبی کام جو اپنی ثقافت سے ماوراہیں، جو ترجمہ میں ہوں یا اصلی زبان میں۔

> All works of literature that circulate outside of their culture of origin, whether in translation or in the original language(۷۰)

اس پہلو سے ہم نوبل انعام حاصل کرنے والے ادب کو دیکھتے ہیں۔ نوبل انعام اس ادبی متن کو عالمی سطح پر بلند کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے جس کا تیزی سے ترجمہ ہوتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بہت سے معیاری ادبی کاموں کا ترجمہ نہیں بھی ہوتا اور وہ گردش کرنے سے محروم رہتے ہیں۔

۲۰۱۷ء میں کوپن ہیگن میں منعقدہ انسٹی ٹیوٹ آف ورلڈ لٹریچر کے سالانہ اجلاس میں ڈیمروش نے ان چیلنجوں کے لیے اپنی تشویش کا اظہار کیا جن کا سامنا عالمی ادب کو ہے۔ پہلا چیلنج مخصوص ادبی نصاب کی ترجمانی نہ ہونا ہے۔

دوسرا ڈبلیو ایل کی اصل کی حد ہے۔ ۱۸۲۷ء تک جبکہ عالمی ادب کے طور پر سمجھی جانے والی ادبی عبارتیں اس سے پہلے بھی بہت موجود تھیں۔

سب سے بڑا چیلنج جو دنیا بھر کے ادبی کاموں کو عالمی ادبی کینن میں شامل کرنے کے بارے میں بات کرتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ عالمی ادب بھی پوری طرح عالمی نہیں یہ ایک مخصوص چھوٹے کینن تک محدود ہے ۔جب اس میں صرف ادبی متن کی مغربی تیاری شامل ہو عالمی ادب دنیا کے بارے میں کیسے بات کر سکتا ہے۔ لفظ "دنیا" کی اصطلاح میں "عالمی ادب" اشرافیہ کی طاقتوں کے ماتحت ہونے کے بعد اپنے جوہر کھو چکا ہے جس کی نشاندہی مارٹن ہیچز نے کی ہے۔ انہوں نے کسمپولیٹن سنٹر کو ایک مقناطیس سمجھا جو ہر چیز کو اپنی طرف راغب کرتا ہے اور دنیا اس کے طرف بڑھنے کے عمل میں ہیجیمونک کلچر کے ذریعے فلٹر ہو جاتی ہے۔ دنیا کو

عالمی فورم میں داخلے کے لیے حقیقت کا جائزہ لینے میں دنیا ایک غالب قوت کے طور پر کسی خطے یا براعظم تک محدود نہیں رہ سکتی ہے۔

ادب کے حوالے سے موجودہ دور کا تقاضا ہے کہ کسی بھی تصنیف کو دوام کرنے کے لیے اس کا ترجمہ کرنا ضروری ہے۔ بے شمار اعلیٰ ادبی پارے ایسے ہوتے جو ترجمہ نہ ہونے کے باعث عالمی ادب میں شامل نہیں ہو سکتے ہیں اس طرح دوسری زبانوں کے ادب پاروں کو بھی اپنی زبان میں ترجمہ کرنا چاہیے اس سے انسانی فکر میں اضافہ ہوتا ہے۔ زبان کے ساتھ ساتھ متن، خیال اور مقصدیت کا خیال بھی پرکھنا چاہیے۔

عالمگیریت دنیا کو یکجا کرنے، ٹکڑے ٹکڑے کرنے، یکسانیت اور لوکلائزیشن، مادی خوشحالی میں اضافہ گھما گھہی، ہم آہنگی اور تسلط، عداوت اور جدلیات کا ایک پیچیدہ عمل ہے۔ ہر دور کا ادب اپنے معاشرتی، سیاسی اور معاشی حالات سے ہمیشہ مشروط رہا ہے۔ سب سے حالیہ واقعہ نو آبادیاتی دور کا ہے۔ اس کے بعد ادب نے ایک ملک سے دوسرے ملک میں زیادہ طرح نو آبادیات کی سرزمین تک افراد کے بڑھتے ہوئے بہاؤ کی عکاسی کی اور اس کے نتیجے میں ہجرت، ہائبرڈیٹی، کثیر الثقافتی، شناخت میں کمی اور گمشدگی جیسے معاملات کو نپٹا۔ عالمگیریت نے اس عمل میں تیزی لائی۔ عالمگیریت کا تجزیہ کرنے کے لیے عالمی ادب حیرت انگیز ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ یہ زبانوں اور ثقافتوں میں معلومات کے اشتراک کے طریقوں کی عمدہ مثال پیش کرتا ہے۔ عالمگیریت اور عالمگیریت کے رد عمل پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ بہت سارے محققین ادب کے کاموں کی جانچ پڑتال کرتے ہیں اور دریافت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تا کہ تصوراور سیاق و سباق میں متنوع عالمگیریت کے موضوعات کی عکاسی تلاش کی جاسکے اور ادبی صورتوں کے ذریعے عالمگیریت کے حقائق کی بھی تصدیق کی جاسکے۔ دوسری طرف عالمگیریت کے دائرے میں مختلف معاشرتی، سیاسی، ادبی اور ثقافتی تصورات کی تائید، تشریح اور تشریح کے لیے ادب اور ادبی علوم کو ایک پلیٹ فارم کے طور پر تیار کیا گیا ہے۔ عالمی ادب کا مطالعہ عالمی علوم کا ایک طاقتور ذریعہ ہے کیونکہ اس میں بہت سارے موضوعات ایسے ہیں جو عالمگیریت کو سمجھنے کے لیے اہم ہیں۔ عالمی ادب ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ثقافتوں اور قوموں کے مابین معلومات کا تبادلہ کیا جاتا ہے یہ زبان حدود کو عبور کرتے ہوئے ثقافتی نمونے کو کس طرح تبدیل کیا جاتا ہے۔ اس سے ہمیں ان

طریقوں کو سمجھنے میں بھی مدد مل سکتی ہے کہ دنیا بھر میں ادبیات اور دیگر معلومات کی ترسیل کے لیے عوامی جگہ تیار کرے نئی معلومات فراہم کی جا سکتی ہیں۔عالمگیریت اور ادب ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔عالمی ادب ان ادبی کاموں کا مجموعہ ہے جن کی روایت میں اہمیت ہے۔ناصرف ہندوستان کی بلکہ مختلف ادبی روایت میں اہمیت کا حامل ادب ہی عالمی ادب ہو گا۔عالمگیریت اور عالمی ادب کے تجرباتی نقط نظر کے لیے مختلف پہلوؤں کی تجویز پیش کی جاتی ہے ان میں سب سے پہلا نقطہ حق اشاعت کا ہے۔عالمی سطح پر ادب کی تقسیم کے لیے کاپی رائٹ کی فروخت اہم شرط ہے۔مثال کے طور پر جرمن کتاب تجارت میں ماتحت حقوق کی فروحت نے پبلشروں کے لیے آمدنی کے ایک ذریعے کے طور پر ابھی تک ناقابل حساب اہمیت حاصل کی ہے تاکہ پیداوار،مارکٹینگ اور انومنیٹری کے بڑھتے ہوئے اخراجات کو برابر کیا جا سکے۔

کاپی رائٹ کی فروخت کی طرف رجحان کتابی کلب،پیپر بیک اور خصوصی ایڈیشن اشاعت،نیز فلم،ٹی وی،ریڈیو،ویڈیو،غیر ملکی حقوق اور کاروباری سامان وغیرہ اور اس سب کا نتیجہ ادب سمیت ثقافتی پیداوار کی بین الاقوامی رسائی میں اضافہ ہے

ادبی اداروں جیسے پبلیشرز،لائبریریاں،کتابوں کی دکانیں تقسیم کار وغیرہ ان سب پر ادب کی گردش کا انحصار ہوتا ہے اور ان اداروں کے بارے میں خصوصی توجہ دینی چاہیئے۔عالمگیریت کی وجہ سے ذاتی تخلیقات بھی مشترکہ تخلیقات بن جاتی ہیں اور ایک جگہ کا ادب عالمی ادب بن جاتا ہے اس حوالے سے میلکم والٹرز کا کہنا ہے۔

> The intellectual conception of individual nations become common poroperty .National one-sidedness and narrow mindedness are becoming increasingly impossible, and a world literature has emerged from the numerous national and local literacies. (٤١)

عالمگیریت کے تحت معاشرتی پہلو، سرمایہ داری، عقلیت پسندی، صنعت کاری، بیوروکریسی وغیرہ عام طور پر پہلے سے موجود ثقافتوں کو ختم کرنے اور اس عمل میں مقامی خودارادیت سے پھیل رہی ہے۔ادبی مصنفین اس حقیقت کے قائل ہیں کہ بین الاقوامی کمپنیوں نے نو آبادیات کی جگہ لی ہے انہوں نے اپنی شاخوں کو تمام اقوام کی معشیتوں میں پھیلا دیا ہے اور اس کا اثر ترقی پذیر ممالک پر ہوا ہے۔ عالمگیریت معاشرے کے دوسرے ثقافتی پہلو سے جدا نہیں ہے۔اراونڈاڈیگا کا ناول دی وائٹ ٹائیگر ۲۰۰۸ میں شائع ہوا اور یہ بکر پرائز جیتنے والا ناول ہے۔اس میں ہندوستانی معاشرے میں عالمگیریت کے اثرات کو پیش کیا گیا ہے ۔اگرچہ ہندوستانی معاشرے میں تیزی سے ترقی ہو رہی ہے لیکن غریب عوام کی زندگیاں اب بھی دیہی ہندوستان کی سنگین تصویر دکھاتی ہیں۔اس طرح افریقہ کے ناول نگار نگوگی ایسے منصف ہیں جن کا ذہن استعمار اور عالمگیریت کے موضوعات اور سیاسی طور پر پریشان کینیا میں زندگی کے ساتھ مصروف ہیں۔ان کا ناول ''کروڈآف کروآف'' آمریت کی حد سے طے شدہ اصلیت کی اجازت دیتا ہے۔ان کے ناول کا موضوع استعمار کی دیرپا مداخلت اور قومی قیادت کی ناکامیوں پر عالمگیریت کا اثر ہے۔

لیکس اور زیتون کے درخت میں تھامس ایل فرائیڈ مین نے ان قوتوں کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو بیسویں صدی کے آخر میں دنیا کو عالمگیر بنا رہی ہیں اور ماحولیات پر ان کے اثرات بیان کر رہی ہیں۔

ایرک ہو بس بوں اور کارل جون کاؤتسکی اور دیگر دانش وروں نے عالمگیریت کا جو نظریہ پیش کیا اور سرحدوں کے بغیر دنیا کا جو خواب دیکھا اس کے مطابق عالمگیریت ہی دنیا کو مزید تباہی سے بچا سکتی ہے۔ سرحدوں کی حیثیت ختم ہو جانے کے باعث جنگ کی بنیاد پر طاقت کا توازن قائم کرنے والی بین الاقوامی سیاست خود ہی ختم ہو جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔اکیسویں صدی میں ہونے والی خانہ جنگی کے باعث بہت سے نئے مسائل پیدا ہوئے اور ان مسائل کو ادب میں بھی پیش کیا گیا۔

ادب کی کوئی بھی صنف ہو عالمی اثرات سے اس کا بچے رہنا ممکن نہیں ہے۔عالمگیریت کے بہاؤ میں جہاں روایتی معاشرتی اقدار بہہ گئی ہیں وہاں معاشرے میں بھی تبدیلی آرہی ہے اور اس کا اثر زبانوں پر بھی ہوتا ہے جس طرح باہر ممالک سے درآمد ہو کر آنے والی اشیاء کا استعمال بڑھ گیا ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں

ان کا استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح ان چیزوں کے بیان اور تقسیم کے لیے زبان کو بھی استعمال کیا جاتا ہے جس سے اشیاء اور ان کے متعلقات بھی زبان میں شامل ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے زبان بھی متاثر ہوتی ہے۔ یہ عمل ہمیشہ سے جاری ہے لیکن پہلے اس کی رفتار سست تھی اور اس کی مقدار بھی کم تھی۔ عالمگیریت کی موجودہ لہر کے زیر اثر اس کی مقدار اور رفتار میں ناقابل یقین حد تک اضافہ ہوا ہے اب دنیا کے کسی بھی کونے میں ہونے والی تبدیلی دنیا بھر میں محسوس کی جاتی ہے اور تمام اصناف ادب اور دیگر ادبی تحاریک و رجحانات دنیا بھر کی تمام بڑی زبانوں میں یکساں طور پر مروج ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے ایک یکساں ادب کی تخلیق کا انداز سامنے آ رہا ہے اور اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا انتہائی نقطہ ایک عالمگیر زبان کی ترویج اور اسی میں ایک عالمگیر ادب کی تخلیق پر فتح ہو گا۔ آصف فرخی لکھتے ہیں۔

> ادب کی مخصوص اصناف ایک طرف رجحانات کا دائرہ چند ایک زبانوں کے اندر دنیا کی اکثر و بیشتر زبانوں کو سمونے پر کار فرما نظر آتا ہے کہ ایک عالمی معیشت کے لیے ایک عالمی کلچر اور کلچر کی ایک عالمگیر زبان اور ادب کا اس صورت حال سے سمجھوتا کرنا ہو گا۔ (۴۲)

تمام اصناف ادب اپنے عہد کی تہذیبی، معاشی، سیاسی، ثقافتی، سماجی، زندگی کی آئینہ دار ہوتی ہیں وہیں شاعری بھی ان کا اہتمام کرنا فطری ضرورت رہا ہے۔ جدید شاعری میں جو فکری، فنی اور معنوی تبدیلیاں آئی ہیں ان کی وجہ سے اردو شاعری کلاسیکی شاعری سے مختلف ہو گئی ہے۔ نئے شعراء فنی اور فکری سطح پر تجربات کر رہے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی خطے اور زبان میں ہونے والے تجربات عالمگیریت کے باعث اردو شعراء کے ہاں پہنچتے ہیں اور وہ اس سے اخذ و استفادہ کرتے ہیں اور اردو کا دامن وسیع کر رہے یں۔ عالمگیریت کے باعث نئے نئے موضوعات اردو شاعری کا حصہ بن رہے ہیں۔ جدید اردو شاعری خصوصاً نظم کے عنوانات جدید دنیا سے مربوط ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔ اردو میں ادب عنوانات انگریزی میں لکھنے کا چلن بہت بڑھ گیا ہے ایسی بے شمار نظموں اور غزلوں کے اشعار مل جاتے ہیں جو کسی بھی الاقوامی نظریے سے متاثر نظر آتے ہیں۔ مثلاً مجید امجد کی نظم "آٹو گراف"، ضمیر جعفری کی آرٹسٹ، کشور ناہید کی چارج شیٹ، آفتاب اقبال شمیم کی سن شائن وغیرہ اس طرح کے بہت سے عنوانات ہیں جو دور جدید میں لکھی گئی ہیں اور ان پر عالمگیریت کے اثرات

دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی بدولت انفرادی وجود، تہذیبی سالمیت، اور ثقافتی امتیازات کو دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ عالمگیریت کے ذریعے نئے تجربات، موضوعات، تکنیک، اصناف، اسلوب سب سے اردو کا ادیب روشناس ہو رہا ہے۔ اور ان کی تحریریں معاصر دنیا کی مجموعی صورت حال کا پتا دیتی ہیں، عالمگیریت کے زیر اثر ہونے والی سماجی اور معاشرتی تبدیلیوں کی وجہ سے شاعری کے فکری موضوعات بھی اسی عالمی معاشرے سے ہیں جن کا ہم حصہ ہیں اور جس سے الگ تھلگ رہنا ممکن نہیں ہے۔ کچھ موضوعات ایسے ہیں جن کا تعلق عالمی برادری سے ہے مثلاً انسان کی کم ادراکی، دہشت گردی، ڈپریشن، معاشی جنگیں، میڈیا، سائبر ورلڈ کی پیش کش، تیسری دنیا کی بے بسی، تانیثیت، ماحولیات وغیرہ۔ اس کے علاوہ تراجم کے ذریعے بھی نئے موضوعات اردو ادب اور شاعری کا حصہ بن رہے ہیں۔ عالمگیریت کے باعث نئی نئی شعری اصناف بھی اردو شاعری کا حصہ بن گئی ہیں اور مقامی اور روایتی اصناف کو بھی تبدیلی کے عمل سے گزرنا پڑ رہا ہے۔

عالمگیریت کے اس دور میں انٹرنیٹ نے فن، ثقافت اور ادب کے فروغ کے حوالے سے خود کو ایک اہم وسیلہ ثابت کیا ہے۔ ماضی میں ادب کے عمدہ کام عام آدمی کے لیے ناقابل رسائی تھے لیکن اب کمپیوٹر پر ایک کلک سے دنیا کے ادب تک رسائی ہو جاتی ہے۔ انٹرنیٹ نے فاصلے کم کر دیے ہیں۔ انٹرنیٹ نے علم کی کرنوں کو ہر جگہ پھیلا دیا ہے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے ہم دنیا کے کسی بھی عنوان تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ عالمگیریت انسان پر ہر طرح سے اثر انداز ہوتی ہے۔ انتھونی پام کا مضمون ''عالمگیریت اور ترجمے کی مطالعات کی سیاست'' میں انھوں نے عالمگیریت کو مواصلات کے اخراجات کو کم کرنے والی ٹیکنالوجیز کے نتیجے کے طور پر دیکھا ہے۔

تراجم کے ذریعے تمام ممالک کے ادیبوں کو ایک دوسرے کے ادب کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ ادیبوں نے اپنی نگارشات کے مطابق مواد دیگر ممالک کی تحریروں سے لیا اور پہلے سے موجود مشرقی اقدار و روایات کی مقامیت کی، اعلیٰ و مضبوط پائیدار اسالیب کو جدید نظریات کی مدد سے دنیائے ادب کے لیے مزید قابل فہم بنایا۔ اردو زبان و ادب نے بھی عالمی ادب سے استفادہ کیا لیکن یہ ضروری ہے کے اس کے ساتھ ساتھ اپنی اقدار کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ عالمگیریت کے باعث ادیب عالمی ادب سے واقفیت حاصل

کرتے ہیں اور ان موضوعات کو دوسرے ملکوں میں ہونے والے مسائل سے آگاہی کے باعث دوسروں کے تجربوں سے بھی واقفیت حاصل کرنے میں نئے نئے اسالیب کو ذریعہ اظہار بناتے ہیں اس تکنیک کو استعمال کرتے ہیں جو چونکا سکتی ہے۔

کسی زبان وادب کے مالدار ہونے میں عالمی ادب کا خاص کردار رہا ہے۔ غالب طاقتیں بالعموم مغرب طاقتیں منفی اثرات ڈالنے کے ساتھ ساتھ مثبت اظہاریوں کو جنم دینے کا باعث بھی بنتی ہی۔ اگر اردو ادب کی بات کی جائے تو عالمگیریت کے باعث اردو ادب نے بھی عالمی ادب سے اثرات قبول کیے ہیں۔ کیونکہ یہ موجودہ دور کا تقاضا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنی تہذیب ورواج سے جڑے رہنا بھی ضروری ہے لیکن اسلوب اور موضوعاتی سطح پر وہ مغربی اثرات کی اس نوعیت کے زیر اثر ہے جن کا شمار عالمی بحثوں اور موافعتوں کی سطح پر کیا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں جہاں دنیا بھر کے معاشرے بغیر کسی سماجی تحقیق کے اپنے اظہار کے لیے کسی بھی سماج سے نئے موضوع تلاش کرتے ہیں وہاں ادب بھی سیاسی وسماجی علوم سے استفادہ حاصل کر رہا ہے۔ بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ عالمگیریت کے بعد نئ نئ اصناف کا ظہور ہوا ہے۔ افسانہ، ناول، انشائیہ، تنقید، ادب کی ہر جہت نے عالمی ادب سے استفادہ کیا ہے۔

حوالہ جات

(۱) Kalim Uddin Ahmad, ed, Jami English urdu dictionary, National Council for promotionof Urdu new dehli 1996, page 961

(۲) Pearsall judy, ed, oxford dictionary of English 2nd; Oxford university press 2006, page 736

(۳) Websiter, New collegiate Dictionary, punams sons Lnadon 1949, page 485

(۴) Malcom waters;Globalization Routledge New York 2001,p2

(۵) Safra, Jacob.ed The new Encylopedia Britannica, vol 2015 chicago. The New Encylopedia Britannica , Inc 2005 page 133.

(۶) Joe, kriegered , The oxford companion to politics of the world New York, Oxford university press 2001 ,page 324.

(۷) Arora Peeyush, Dictionary of polictical science, SARUP and Sons New Dehli 2007 (page 243)

(۸) Bannock, G, baxter, R .End , The penguin Dictionary of economic New York : Penguin book 1984, page 91.

(۹) Robertson , Ronald, Globalization Social theory and culture Sag publication 1992, page 8.

(۱۰) Me Grew , Modernity and its futures (Combridge , polity press,1990),p60

(۱۱) Croucher sheila L.Globalization and belonging, the politics of indentity in a changing world (Maryland Roman and little field) 2004, page 10.

(۱۲) Francis Fuxkuyama, The end of history and the last man, New York free press 1992,(Xiv xv)

(۱۳) Waters, Malcolm, Globalization,RoutedgeNew York 2001, pages 13.

(۱۴) Robertson , Ronald, Globalization, Social theory and culture, Sage publication New York 1992. Page 8.

(۱۵) Frielman Thomas ,L. The lexus and alive tree, Farrar straus Guiors New York .1999 page 9.

(۱٦) Masood javed, Syed , International Political Economy and globalization, world scientific Publishing Singapore 2008, Page 204).

(۱۷) United nations economic and social communication western Asia , Annual Review of development in Globalization and regional intergration in the countries of the ESCWA REGION New York United Nation 2002.https//www.escwa.un.org

(۱۸) www.wikipedia.org

(۱۹) ناصر عباس نیئر، ڈاکٹر، مابعد جدیدیت، نظر مباحث: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، صفحہ ۳۲۰

(۲۰) Air commodore Shahid Latif Bajwa, Globalization challanges for Pakistan , NDU Jounal 2009, page 34 .

(۲۱) عرفان احسن پاشا، ڈاکٹر، اردو ادب پر عالمگیریت کے اثرات، مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، صفحہ ۳۰

(۲۲) مبین مرزا، عالمگیریت اور ہمارا عصری و ادبی تناظر، مضمون، www.express.pk

(۲۳) خالد اقبال یاسر، عالمگیریت اور جدید ادبی رجحانات، غیر مطبوعہ مضمون صفحہ ۶

(۲۴) سید عبد الغفار بخاری، جدید گلوبلائزیشن اور اسلام کے تصور عالمگیریت کو درپیش خطرات، الاسلام جلد ۹ (جنوری۔جون ۲۰۱۲) شمارہ ۲، صفحہ ۲۶۹

(۲۵) Reference, patricia and hundly, The importance of Globalization in Higher Education , www.intechoen.com ۲۰۱۹

(۲۶) Macolm, walter , Globalization, Page 232

(۲۷) Malcom walter, Globalization, page232

(۲۸) مبین مرزا، عالمگیریت اور ہمارا عصری و ادبی تناظر، (مضمون)

(۲۹) جمیل ارشد ملک، عالمگیریت پس منظر و پیش منظر، اردو سائنس بورڈ لاہور، ص ۱۳۱

(۳۰) Malcom walter, Globalization, Routledge New york , 232

(۳۱) Tony Schirato & Jen Webb 2003, understanding Globalization, SaGE publication P(9)

(۳۲) انور چودھری، ایڈیٹر ۲۰۰۵ء، عالمگیریت اور پاکستانی سماج، ساوتھ ایشیا پارٹنر شپ لاہور، صفحہ ۶

(۳۳) محمد عاصم بٹ، (مترجم) مختصر تاریخ عالم، تخلیقات لاہور ۲۰۱۰، صفحہ ۴

(۳۴) مولوی سید ہاشمی فرید آبادی (مترجم) تاریخ یونان ترجمہ ہسٹری آف گریس پروفیسر بیوری، سرکار عالیہ، حیدر آباد دکن ۱۹۹۹ء، ص ۵

(۳۵) محمد عاصم بٹ، مختصر تاریخ عالم، ص ۱۴۶

(۳۶) ایضا، ص ۱۶۵

(۳۷) Thomas .L. friedman, the world is flat , penguin books London 2006 page 9

(۳۸) Air commodoShahid Latif Bajwa , Globalization challanges for Pakistan , NDU journal 2009 page 34

(۳۹) Thomas friedman, the oliver and lexus tree, p 42

(۴۰) Waters Malcolm 2001, Globalization New York, P 208

(۴۱) https/www.economic filhonos.com

(۴۲) Tony schirato and jen web 2003, understanding Globalization London Sage publication P 25

(۴۳) جمیل ارشد ملک، عالمگیریت پس منظر و پیش منظر، اردو سائنس بورڈ لاہور، صفحہ ۶۳

(۴۴) Uzma shujhat, Globalization,A political, social and economic dilemma for India in globalization, economic and political dimensions, Area study centre Karachi 2007, page 224.

(۴۵) William R Themaspon , George Modelski, TessalnoDevezas 20 December 2007 Globalization as evolutionary process, Modling global change P 59

(۴۶) Waters, Malcolm 2001, Globalization, Routledge New York page 14.

(۴۷) https//www.tutor 24.net,

(۴۸) عرفان احسن پاشا، عالمگیریت کے اردو ادب پر اثرات، مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، صفحہ ۲۱

(۴۹) جمیل ارشد ملک، عالمگیریت پس منظر و پیش منظر، اردو سائنس بورڈ لاہور، صفحہ ۹۸

(۵۰) ناصر عباس نیئر، عالمگیریت اور اردو اور دیگر مضامین، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۵، صفحہ ۱۲۔

(۵۱) رفعت رفیق، عالمگیریت اور اردو ناول، مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، شعبہ اردو اورنٹیل کالج لاہور، صفحہ ۴۹

(۵۲) Walker, C, Depression and globalization, the politics of mental health in twenty first century New york 2008, p 76.

(۵۳) https//ur.m. Wikipedia. Org

(۵۴) https//ur.m. Wikipedia. Org

(۵۵) https//ur.m. Wikipedia. Org

(۵۶) دوست محمد خان، ڈاکٹر، گلوبلائزیشن تعارف، محرکات اور مقاصد، الایضاح ۲۵ دسمبر ۲۰۱۲، صفحہ ۲۱

(۵۷) رفعت رفیق، عالمگیریت اور اردو ناول مقالہ برائے پی ایچ ڈی، ص ۵۸

(۵۸) Waters Malcolm 2001, Globalization- Rotledge New York P 23

(۵۹) شیم کوثر، اکیسویں صدی کے چیلنجز اور اردو زبان کے امکانات، نور تحقیق جلد ۳ شمارہ ۱۰

(۶۰) ہارون راؤ، عظیم اللہ جندران، اکیسویں صدی اور اردو زبان وادب، نور تحقیق جلد ۳ شمارہ ۱۰ صفحہ ۱۴۱

(۶۱) ایضاً، ۱۴۴-۷

(۶۲) عرفان احسن پاشا، گلوبلائزیشن اور اردو زبان وادب، ص ۲۲۳

(۶۳) https//ur.m.wikipedia.org

(۶۴) https//ur.M.Wikipedia.org

(۶۵) https/ur.M.Wikipedia.org

(۶۶) David, Damrosch, Interview with wangNing arid , a reviw of international English literature vol 12, 2011 , p 281.

(۶۷) https//ur. M. Wikipedia .org

(۶۸) https//Docs.lib.purdure68 edu/c/web vol1/

(۶۹) Contemparary literature Review India vol 5, Nn 3, CLRL Agust 2018, P.82(72)

(۷۰) Tagore as world literature , interdisciplinary alter natives in comparative literature , Sag publication , p 107

(۷۱) walter, Malcom. 2001 Globalization, Routledge New york p.9

(۷۲) آصف فرخی خطبہ مشمولہ تحقیق نامہ، شعبہ اردو جی سی یونیورسٹی لاہور ۲۰۰۶ ، ص ۲۴

باب دوم:

اردو ادب پر عالمگیریت کے اثرات کا تجزیاتی مطالعہ

عالمگیریت نے تمام شعبہ ہائے جات کو متاثر کیا۔ وہاں ادب بھی ان اثرات سے بچ نہیں سکتا ہے۔ عالمگیریت کے باعث زبان کے نئے نئے روپ اور ادب کی نئی سے نئی جہتیں سامنے آ رہی ہیں۔ جن میں فکری، فنی اور لسانی تبدیلیاں خاص طور پر اہم ہیں۔ عالمگیریت کی وجہ سے جہاں ہماری روایتی معاشرتی اقدار میں تبدیلی آئی اور ہمارا معاشرہ دنیا کے دوسرے معاشروں کی طرح تبدیل ہوا وہاں ہماری زبان اردو پر بھی اس کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔

آج کی زبان کچھ عرصے پہلے کی زبان سے بدل گئی ہے۔ کیونکہ ہمارے معاشرے میں باہر کے ممالک سے درآمد ہونے والی اشیاء کا استعمال بڑھ گیا ہے۔ ہم زندگی کے ہر شعبے میں ان اشیاء کو استعمال کرتے ہیں اور ان کی تفہیم کے لیے اردو زبان کو اپناتے ہیں جس کے باعث اشیاء اور ان کے متعلقات اردو زبان میں شامل ہو جاتے ہیں اور اسی کی بدولت اردو زبان کئی طرح سے متاثر ہوتی ہے۔ مثلاً ہمارے ملک میں موبائل فون کے استعمال کے باعث زبان وادب کے نئے روپ سامنے آرہے ہیں۔

موبائل فون کا سب سے زیادہ استعمال ایس ایم ایس کی صورت میں ہو رہا ہے یہ شارٹ مسیجنگ سروس ایک نئی زبان کی بنیاد ڈال رہی ہے جس سے اردو زبان کے لب ولہجے کے ساتھ ہیئتی نظام بھی متاثر ہو رہا ہے لیکن یہ صرف اردو زبان تک محدود نہیں بلکہ دنیا کی تمام زبانیں ایک دوسرے سے اخذ واستفادہ قبول کر رہی ہیں۔ یہ عمل ہمیشہ سے جاری ہے لیکن پہلے اس کی رفتار کم تھی۔ عالمگیریت کے باعث اس کی رفتار میں تیزی آگئی ہے۔ اب دنیا بھر میں آنے والی تبدیلی کو ہر جگہ محسوس کر لیا جاتا ہے اور تمام اصناف ادب اور تحریک ورجحانات دنیا بھر کی تمام زبانوں میں یکساں مروج ہیں۔ بقول نذر عابد

> بیسویں صدی سائنسی اور سماجی علوم کی دنیا میں نت نئے نظریات کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ انسان زندگی کی اجتماعی اور انفرادی ہر دو سطح پر ان کے اثرات مرتب ہونا لازم

> تھے۔۔۔ اردو ایک زندہ اور متحرک زبان ہونے کے ناطے ان تازہ مباحث سے لاتعلق نہیں رہ سکتی تھی۔ ترقی پسندی کا رویہ ہو، جدیدیت یا مابعد جدیدیت، ساختیات ہو یا پس ساختیات یا ساخت شکنی کے نظریات اردو زبان کا دامن ان مباحث سے خالی نہیں۔ (۱)

عالمگیریت کے زیر اثر اردو زبان میں ظاہری طور پر جو تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ان میں سب سے اہم رسم الخط کی تقلیب ہے۔ اس کی مثال فارسی رسم الخط کے بجائے لاطینی یا رومن یا انگریزی رسم الخط ہے۔ اب رومن رسم الخط کو بھی مزید مختصر کیا جا رہا ہے۔ موبائل فون، انٹرنیٹ اور ای میل کے ذریعے اس رسم الخط کا استعمال بہت بڑھ گیا ہے۔ الیکٹرونی آلات میں فارسی رسم الخط کی سہولت موجود ہونے کے باوجود لوگ رومن رسم الخط میں ہی متن تحریر کرتے ہیں۔ آج بین الاقوامی سطح پر رومن رسم الخط کا چلن بڑھ گیا ہے لیکن یہ رجحان بالکل نیا نہیں۔ ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں کہ رومن خط کا استعمال سب سے پہلے Gilchrist English Hindoostance Dictionary میں ہوا اور سر جان میک فرسن جو ہندوستان کے قائم مقام گورنر جنرل تھے ان کے نام پر موسوم کیا گیا تھا۔

پاکستان میں ایک زمانے میں کوشش کی گئی تھی کہ مغربی اور مشرقی پاکستان کی زبانیں مختلف ہیں اس لیے ملک کے دونوں حصوں میں ذہنی اشتراک پیدا کرنے کے لیے ایسا رسم الخط متعارف کروایا جائے جسے دونوں حصوں کے لوگ سہولت سے اختیار کر سکیں اور یہ تجویز دی گئی تھی کہ انگریزی کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو سامنے رکھتے ہوئے انگریزی حروف تہجی پر مشتمل رومن رسم الخط اختیار کیا جائے لیکن ادباء، عوام اور دانشوروں نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ اس سے ہماری تہذیبی شناخت ختم ہو رہی تھی لیکن کافی عرصہ گزر جانے کے بعد تبدیلی کا وہی فارمولا غیر محسوس طریقے سے ہمارے معمولات میں داخل ہو گیا ہے۔ عالمگیریت کے باعث جو زبان سامنے آ رہی ہے اس سے ہماری تہذیب کا کون سا پہلو روشن ہے اور کون سی تہذیب سامنے آ رہی ہے اور ہمارا ادب بھی شاید اسی زبان میں تخلیق ہو گا۔

رسم الخط کے علاوہ اردو زبان میں صرفی و نحوی تبدیلیاں بھی آ رہی ہیں۔ کسی زبان کے الفاظ، افعال اور اسماء شامل ہونے سے اس کی لغت میں اضافہ ہوتا ہے ڈھانچے اور ماہیت میں تبدیلی نہیں آتی۔ یہ تبدیلی

گرامر اور قواعد یا اس کے استعمال کے اصولوں اور صرف و نحو اور اس کی تکنیک اور افعال میں تبدیلی سے آتی ہے۔ یہ وہ عوامل ہیں جو کسی زبان میں فقروں کے دروبست کو تبدیل کرتے ہیں۔ دیگر زبانوں کے ورود سے اردو زبان میں بناوٹ کی سطح پر بھی تبدیلی ہوئی ہے جس سے اردو زبان کا ڈھانچہ بدلا ہے۔ ہم میں بیشتر اردو بولنے والے انگریزی زبان کو استعمال کیے بغیر ایک فقرہ لکھ یا بول نہیں سکتے ہیں لیکن یہ صرف اردو کا ہی معاملہ نہیں بلکہ دیگر مقامی اور علاقائی زبانوں کا بھی یہی حال ہے۔ اس کی بنیادی وجہ میڈیا میں ایسی مخلوط زبان کا پیش کیا جانا ہے جس میں کسی بھی زبان میں تخلیق قائم نہیں رہتی۔ عالمگیریت کے باعث ہماری بول چال کی زبان بہت متاثر ہوئی ہے۔ نشریاتی ادارے جو کسی زبان کی صحت اور صفائی کی علامت تھے آج وہ بھی ایسی زبان استعمال کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیرؔ اس زبان کو فنکشنل زبان کا نام دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ایک زمانے میں ریڈیو اور ٹی وی اردو زبان کے مستند الفاظ کے استعمال کی مثال تھے مگر اب زمانے کا چلن دیکھ کر وہ بھی اردو کے ثقافتی کردار کو ترک کر چکے ہیں اور فنکشنل اردو کا استعمال کر رہے ہیں۔ (۲)

عالمگیریت کے باعث اردو زبان میں بیرونی اصطلاحات بھی شامل ہو گئی ہیں جنہیں ترجمہ کیے بغیر من و عن استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض کا ترجمہ کر لیا جاتا ہے مثلاً Criticism جس کو تنقید Symbolism علامت نگاری وغیرہ لیکن جن کے ترجمے میں دقت پیش آتی ہے انھیں ویسے ہی قبول کر لیا جاتا ہے اس کے علاوہ ایک طریقہ یہ ہے کہ بیرونی اصطلاحات کو اردو الفاظ کی شکل دے دی جاتی ہے اور ان کی املاء اور معنویت بھی محسوس کی جاتی ہے جس سے ان کا استعمال آسان اور بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً Sabotge سبوتاژ Hospital سے ہسپتال وغیرہ۔ ڈاکٹر نذر عابد لکھتے ہیں۔

> عالمگیریت کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ صورت حال اردو زبان پر منفی اثرات مرتب کرتی ہے لیکن اس کے برعکس اردو زبان کی روز افزوں ترقی مقامی و عالمی سطح پر ایک روشن منظر نامہ پیش کرتی ہے۔ اس زبان نے ادبی و لسانی حوالے سے عالمگیریت کو اپنے اندر جذب کرنے کی سعی جمیل کی ہے۔ (۳)

عالمگیریت کے اثرات کی وجہ سے کسی زبان یا ادب کا الگ تھلگ رہنا ممکن نہیں ہے۔ عالمگیریت کے زیر اثر دنیا میں رابطے اور علمی وادبی ترسیل کی یکساں زبان کے فروغ کی کوششوں کے سلسلے میں دنیا کی سب زبانیں متاثر ہوئی ہیں۔ انگریزی اور دیگر زبانوں کے نفوذ نے صرف ذخیرہ الفاظ میں اضافہ نہیں کیا بلکہ صرفی و نحوی ساخت بھی تبدیل ہوئی ہے۔ اس طرح طرز زندگی اور زبان میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ تحریری پیش کش یعنی ادب بھی کروٹیں لے رہا ہے۔ عالمگیرت کے باعث دنیا میں تخلیق ہونے والا ادب بڑی سرعت کے ساتھ ہر جگہ آسانی سے پہنچ جاتا ہے۔ جدید مواصلاتی نظام میں برقی کتب خانے موجود ہیں۔ جن کے ذریعے ادب آسانی سے ہر جگہ پہنچ جاتا ہے جو کہ مقامی ادیب اور ادب دونوں کو متاثر کرتا ہے۔ عالمگیری واقعات جو رونما ہوتے ہیں ان سے بھی ادب اور ادیب متاثر ہو رہے ہیں۔ اسی طرح اردو ادب کو دیکھیں تو وہ بھی عالمگیریت کے عمل سے متاثر ہو رہا ہے۔ اردو ادب میں موضوعات، اسلوب اور تکنیک کے جو نت نئے تجربات ہو رہے ہیں وہ عالمگیرت ہی کی عطا ہیں۔ عالمگیریت اور ادب کے حوالے سے ڈاکٹر نیئر عباس لکھتے ہیں۔

> ادب پر عالمگیریت کے اثرات دو طرح کے ہیں اول یہ کہ ان سب کو کموڈیٹی کا درجہ دیا جارہا ہے۔ عالمگیرت صارفیت کے ساتھ مل کر ہر شے کو بشمول ادب اس کی داخلی، حقیقی معنویت کو بجائے اس کی صارفی اہمیت سے پہچانتی ہے۔ دوم یہ کہ ان ادبی اصناف کو اہمیت مل رہی ہے جو گلوبل کلچر میں مشترک بالخصوص نظم اور ناول (کی حد افسانہ بھی) دلچسپ بات یہ ہے کہ اصل میں یہ دونوں مغربی ہیں۔ اس طرح جو گلوبل ادبی کلچر وجود میں آرہا ہے وہ بھی حقیقتاً مغربی ہے۔ [۴]

اردو ادب دنیا کی بدلتی ہوئی صورت حال سے تیزی سے متاثر ہو رہا ہے اور اس میں ان اثرات کو جذب کرنے کی اہلیت بھی ہے۔ دنیا بھر میں تخلیق کیا جانے والا ادب اردو میں ترجمہ ہو رہا ہے اور اس سے اثر و نفوذ بھی قبول کیا جارہا ہے۔

عالمگیریت نے جہاں ذرائع ابلاغ، سائنس، ٹیکنالوجی اور صارفیت کو متاثر کیا وہاں اس نے اردو ادب میں بھی مختلف تحریکات اور نظریات کے حوالے سے اہم کردار ادا کیا ہے۔ عالمگیریت کی وجہ سے آئیڈیالوجی،

تجارت ، ایجادات ، مصنوعات، ادب و ثقافت کسی شخص ، ادارے یا ملک تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان میں اشتراک پیدا ہو گیا ہے جو کسی سے مخصوص نہیں بلکہ ان کو عالمی ضرورت کے تحت سمجھا جاتا ہے اردو ادب پر عالمگیریت کے براہ راست اثرات کو دیکھا جائے تو وہ جدید نہیں ہیں بلکہ نو آبادیاتی دور میں سر سید تحریک کے دوران جو ادب شائع ہوا اس سے سامنے آنا شروع ہوئے۔ سر سید تحریک کے زیر اثر مغربی اور سائنسی خیالات و تصورات کو اپنانے کا رواج ہوا۔

سر سید احمد خان مغربی تعلیم کے حصول کو ضروری گردانتے تھے۔ انہوں نے نوجوانوں کی ترقی کے لیے مغربی تعلیم کو ضروری قرار دیا۔ وہ قوم کو جدیدیت اور مغربیت کی راہ پر چلانا چاہتے تھے تاکہ وہ سائنسی، علمی اور ادبی و اخلاقی حوالے سے ترقی کر سکیں۔ اسی دور میں نیچرل ازم کی تحریک نے بھی اردو ادب پر اثرات مرتب کیے۔اس کے آثار سر سید اور ان کے رفقاء کے ہاں نظر آتے ہیں۔ انہوں نے ہمارے ماحول اور معاشرے میں موجود جیتے جاگتے کردار تخلیق کیے۔

> حالی نے اپنی شاعری اور نثر میں اصلاح اور مقصدیت کی طرف قدم بڑھایا۔ ان دنوں انگریزی تہذیب و تمدن ، گلوبلائزیشن، عالمگیریت اور اعلیٰ تعلیمی و تدریسی نصابی ضروریات ہندی معاشرت پر براہ راست اثر انداز ہو رہی تھیں۔ انگریزی استبداد کے باعث نہ صرف سیاسی، معاشی اور معاشرتی سطح پر تبدیلیاں ہوئیں بلکہ تعلیمی نصاب اور آئیڈیالوجی کو بھی انگریزوں نے اپنے انداز میں مسلط کیا۔[۵]

عالمی نظریات جو گزشتہ صدی میں اردو میں سامنے آئے ان پر عالمگیریت واضح ہے۔ جس طرح مارکیٹ میں مغربی اشیاء کی بھرمار ہے اسی طرح نئی نئی تھیوریاں جو سامنے آرہی ہیں انہوں نے ہمارے ادیبوں کو متاثر کیا ہے۔ حالی نے وڈز ورتھ اور ملٹن کے خیالات سے استفادہ کیا۔ محمد حسین آزاد نے بھی مغربی نظریات سے استفادہ کی اہمیت پر زور دیا۔ انجمن پنجاب کے مشاعروں میں جو جدید اردو نظم کی بنیاد رکھی گئی وہ یورپ کے اثرات ہی کا نتیجہ ہے۔ شاعری کے میدان میں نت نئے تجربات ہوئے۔ مثلاً آزاد نظم، نظم معریٰ

اور نثری نظم وغیرہ، سانیٹ، ہائیکو وغیرہ کو متعارف کرایا گیا۔ معاشروں اور ثقافتوں کے ساتھ ادب بھی ایک دوسرے سے متاثر ہو رہا ہے۔

اردو ادب میں رومانوی تحریک مغربی اثرات کی وجہ سے سامنے آئی اردو ادب میں رومانوی، مارکسی، نفسیاتی اثرات عالمگیریت ہی کا نتیجہ ہیں۔ رومانی تحریک ہو، حقیقت نگاری کی، علامتی تحریک ہو یا ارضی ثقافتی تحریک، جدیدیت ہو یا مابعد جدیدیت ان تحریکوں نے اردو ادب پر اثرات مرتب کیے۔ سبین علی لکھتی ہیں۔

> اردو ادب نے بین الاقوامی ادب، تحریکوں، جنگوں، بغاوتوں اور مسائل سے ہر دور میں اثرات قبول کیے۔ ترقی پسند تحریک کے بعد جدیدیت اور مابعد جدیدت نے بھی اردو ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ (٦)

حلقہ ارباب ذوق کا آغاز اپریل ۱۹۳۹ء میں ہوا۔ میر اجی نے علامت اور استعارے کو وسیع معنوں میں اپنی شاعری میں استعمال کیا اور دوسری زبانوں سے تراجم کے ذریعے اردو ادب میں اضافے کیے۔ اردو ادب میں حلقہ ارباب ذوق کی تحریک بڑی فعال تحریک کے طور پر سامنے آئی۔

> فرانس کی علامت نگاری کی تحریک نے اردو ادب کو متاثر کیا وجودیت کی تحریک کے اہم قلم کاروں کے خیالات سے اردو نے استفادہ کیا۔ امریکہ میں سامنے آنے والی نئ تنقید نے بھی اردو ادیبوں پر اثرات مرتب کیے۔ (۷)

علامت نگاری کی تحریک کا آغاز فرانس میں ہوا پھر یہ یورپ میں مقبول ہوئی۔ اردو میں علامت نگاری کے اثرات موجود تھے۔ مارشل لاء دور میں ادیبوں نے علامت کا سہارا لیا۔ اسی طرح تجریدیت کا آغاز بھی یورپ میں ہوا۔ علامت نگاری نے تجریدیت کو بھی جنم دیا۔ پاکستانی رسائل وجرائد اور کتابوں میں جدیدیت، مابعد جدیدیت، تاریخیت، ساختیات، پس ساختیات تانیثیت جیسے موضوعات پر اردو میں لکھا جا رہا ہے۔

اردو ادیب ذرائع ابلاغ، بین الاقوامی صنعت و تجارت، سیاست، ثقافت جیسے عناصر کی وجہ سے عالمی سطح پر رونما ہونے والے واقعات، تجربات اور عالمی مسائل سے روشناس ہوا۔ عالمگیریت کے باعث ادب کی

اہمیت بھی بڑھ گئی ہے کیونکہ ادب اب مقامی سطح سے نکل کے عالمگیریت کی حدوں کو چھو رہا ہے۔ڈاکٹر نجیبہ عارف عالمگیریت اور اردو ادب کے حوالے سے لکھتی ہیں۔

جب ہم اردو زبان وادب میں عالمی جہت کی بات کرتے ہیں تو خدشہ ہوتا ہے کہ اس سے مراد کہیں وہ تو نہیں جو مانگے کے دردوں، مستعار خیالوں اور چوری شدہ خوابوں کو ٹھونک بجا کر تیار کیا جاتا ہے۔ خیال اور موضوع سے لے کر تکنیک اور اسلوب تک سب کچھ عالمی ہوتا ہے۔ اس ادب کی واحد منزل ہے یعنی توجہ طلبی۔ (۸)

دنیا بھر میں تخلیق کیا جانے والا ادب فکری وفنی سطح پر عالمگیریت کے زیر اثر متاثر ہو رہا ہے۔ دنیا بھر کے ادیب بھی ایک دوسرے سے اخذ و استفادہ کر رہے ہیں۔ اردو زبان و ادب کا بھی الگ تھلگ رہنا ممکن نہیں۔ اردو زبان و ادب نے عالمی یکسانیت سے متاثر ہو کر اپنے انداز و اسلوب میں تبدیلیاں کی۔ عالمگیریت کا اردو ادب پر اثر غیر محسوس انداز میں لیکن مسلسل اور کافی مقدار میں ہو رہا ہے۔ عالمگیریت کے اثرات اردو ادب پر دو طرح جدید شاعری اور جدید نثر کے ہیں۔ خالد اقبال یاسر لکھتے ہیں۔

"عالمگیریت کو سامنے رکھ کر کوئی شعر، نظم یا افسانہ شاید لکھا نہیں گیا تاہم عالمگیریت کی بھیانک یادیں ادب میں ابھی سے منعکس ہونا شروع ہو گئی ہیں۔" (۹)

عالمگیریت کے اردو شاعری پر اثرات:

عالمگیریت کے زیر اثر دنیا کے بدلتے ہوئے ادبی تناظر میں اردو شاعری بھی ماضی کی نسبت تبدیل ہو گئی ہے۔ جدید شاعری پر عالمگیریت نے اثرات مرتب کیے ہیں۔ عالمگیریت کی بدولت اردو شاعری میں جو فکری، فنی اور معنوی تبدیلیاں ہوئی ہیں ان کی وجہ سے اردو شاعری کلاسیکی شاعری سے مختلف ہو گئی ہے۔ نئے شاعر فکری اور فنی سطح پر تجربات سے گریز نہیں کرتے اس وجہ سے دنیا کے کسی بھی علاقے یا زبان میں ہونے والے تجربات اردو کے شاعروں تک پہنچتے ہیں اور وہ ان سے اخذ و استفادہ قبول کرتے ہیں۔ ان تجربات سے وہ اردو ادب کے دامن کو وسیع کر رہے ہیں۔ اردو شاعری پر عالمگیریت کے اثرات سے نئے نئے موضوعات اردو

میں داخل ہو رہے ہیں جو دیگر ممالک کی شاعری کا موضوع ہیں یا ان کا تعلق کسی بین الاقوامی مسئلے سے ہے۔ اس کے علاوہ عالمگیریت کے مظاہر مثلاً ٹی وی، انٹرنیٹ، موبائل فون، کمپیوٹر، ای میل، بین الاقوامی خوراک اور ملبوسات وغیرہ کا ذکر بھی اردو شاعری میں آرہا ہے۔ شاعری کی بنیاد تخیل پر ہے اور کسی کو قید میں نہیں رکھا جا سکتا اور نہ اس کو بین الاقوامی سرحد کے ذریعے محدود کیا جا سکتا ہے۔ جدید اردو شاعری خصوصاً نظم کے عنوانات ہی جدید دنیا سے مربوط ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔ عنوانات ہی کے ذریعے شاعر کے بارے میں پتا چل جاتا ہے کہ وہ کیا کہنے جا رہا ہے۔ اردو میں اب عنوانات انگریزی میں رکھنے کا چلن بھی بہت بڑھ گیا ہے۔ بہت سے رسالوں اور شعری مجموعوں میں ایسی نظموں اور غزلوں کے اشعار مل جاتے ہیں جو کسی بین الاقوامی نظریے سے متاثر ہوتے ہیں۔ عرفان احسن پاشا لکھتے ہیں۔

> اردو ادب میں نظموں کے عنوانات عموماً تین طرح سے مل جاتے ہیں۔ پہلے نمبر پر وہ نظمیں ہیں جن میں نظم کے انگریزی عنوانات کو اردو حروف ہجا میں لکھا جاتا ہے۔ دوسرے وہ جن میں اردو اور بدیسی زبانوں کا ملغوبہ بنا کر عنوان تخلیق کیا جاتا ہے اور تیسرے نمبر پر ایسی نظمیں ہیں جن میں عنوان اور زبان دونوں ہی انگریزی اپنا لیے جاتے ہیں۔ (۱۰)

مثلاً مجید امجد کی نظم "آٹو گراف" ہے۔ "آرٹسٹ" ضمیر جعفری کی نظم ہے۔ ان کے انگریزی عنوانات بخط اردو میں ہیں۔ "اسٹینو گرافر" پروین شاکر کی نظم ہے۔ ایبسٹریکٹ آرٹ از ضمیر جعفری، بلیک آؤٹ از فیض، چارج شیٹ از کشور ناہید، سن شائن آفتاب اقبال شمیم، ہارٹ اٹیک از فیض احمد فیض (سر وادی سینا) اسٹیل ملز کا ایک خصوصی مزدور از پروین شاکر (انکار) او قاف ایکٹ از قتیل شفائی (مطربہ) "ایک نان سینس از انیس ناگی (بیگانگی کی نظمیں) "نیلسن منڈیلا۔۔۔ آزادی تیرا نام از کشور ناہید (خیالی شخص سے مقابلہ) A women's pride از پروین شاکر (صد برگ) Astral feeling از وزیر آغا (مگر ہم عمر بھر پیدل چلے ہیں۔) Design Defect از وصی شاہ Good Morning" از رفعت ناہید (اکادمی ادبیات) "Horse Trading" از کشور ناہید خیالی شخص سے مقابلہ I miss you از پروین شاکر (انکار)، Joint Family از وحید احمد Renovation از وزیر آغا (مگر ہم عمر بھر پیدل چلے)

اسی طرح کے اور بھی بہت سے عنوانات ہیں جو دور جدید میں لکھی گئی ہیں جن پر عالمگیریت کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ اردو شاعری صرف ایک شخص کی اندرونی واردات کی کہانی تک محدود نہیں بلکہ اس میں اب بین الاقوامی انداز و اطوار اور عالمی مسائل کی صورت میں عالمگیریت کی واضح جھلک نظر آتی ہے۔ نظم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اس عہد کا سب سے بڑا تخلیقی صیغہ اظہار ہے۔ اردو کا شعری منظر نامہ بہت وسیع ہے۔ بہت سے شعراء کی نظموں اور غزلوں میں انسانی احساسات کے جو چہرے ابھرتے ہیں وہ سب اس عہد کے انسان کو شناخت عطا کرتے ہیں۔ جدید دور کے شعراء میں افتخار عارف، فاطمہ حسن، تحسین فراقی، علی محمد فرشی، عرفان صدیقی، ضیاء الحسن، نجیبہ عارف، حمیدہ شاہین، ارشد معراج، ثمینہ راجا، اختر رضا سلیمی، رفیق سندیلوی، فرخ یار، تحسین فراقی اس کے علاوہ ایک بھی بہت سے شعراء ہیں جو انسانی جذبات کو اپنی شاعری میں پیش کرتے ہیں۔ مبین مرزا لکھتے ہیں۔

> جدید دور کی زندگی اور اس میں بدلتی ہوئی انسان کی بدلتی ہوئی نفسی کیفیات کو اور خصوصاً اس عہد کے موضوعات اور مسائل کو بیان کرنے کی جیسی صلاحیت نظم میں نظر آتی ہے وہ مثال درجے میں شمار ہوگی۔ (۱۱)

عالمگیریت کے زیر اثر ہونے والی سماجی اور معاشرتی تبدیلیوں کی وجہ سے شاعری کے فکری موضوعات بھی اس عالمی معاشرے سے ہیں جس کا ہم حصہ ہیں اور جس سے الگ تھلگ رہنا ممکن نہیں۔ کچھ ایسے موضوعات ہیں جن کا تعلق ساری عالمی برادری سے ہے۔

قدیم دور میں انسان اپنی موت وحیات اور اس کے پیچیدہ نظام سے عدم واقفیت کی وجہ سے اس کو کوئی کرشمہ سمجھ کر مطمئن ہو جاتا تھا۔ مذہب نے انسان کو زندگی اور موت کی تعبیر و تشریح سے اور انسان کو آخرت اور اگلی دنیا میں جانے کے لیے تیاری کا تصور دیا۔ مگر جدید دور جس کی بنیاد سائنس اور ٹیکنالوجی ہے اس نے زندگی اور موت کو جدید تر انداز میں پیش کیا ہے۔ سائنس اور دیگر علوم وفنون میں ہونے والی ترقی نے ماضی میں انسان کی مصیبتوں اور آفتوں کی قلعی کھول دی۔ اسی کی وجہ سے پیدائش اور موت کا مسئلہ بھی شدت اختیار کر گیا۔ لاکھوں سالوں سے رواں دواں زندگی کے اس موڑ پر انسان کو اپنے ہونے اور نہ ہونے کر فرق کو

از سر نو غور کرنا پڑ رہا ہے۔ جدید زندگی میں انسان کو محنت زیادہ کرنا پڑتی ہے اور اس کو اجر کم ملتا ہے جس کی وجہ سے خوشیاں کم اور دکھ زیادہ ہوگئے ہیں۔ اردو شاعری میں بھی اس عالمی مسئلے کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

بشیر بدر کا شعر ہے۔

اب یاد نہیں آتا مجھے کون ہوں کیا ہوں
دنیا کی عنایت ہے کہ سب بھول گیا ہوں۔ (۱۲)

خواب و خیال سمجھیں تو موجود ہے جہاں
کچھ بھی سوائے نقطہ موہوم کچھ نہیں۔ (۱۳)

یہ دنیا غیر مستقل ہے جہاں انسان کی زندگی اور موت دونوں ہی بے موقع اور بے معنی ہو جاتی ہیں۔

جوں جوں انسان جدید علوم و فنون سے آگاہ ہوتا چلا جا رہا ہے ویسے ویسے اس کا یہ احساس بھی شدید تر ہو جاتا ہے کہ انسان کا علم انتہائی محدود ہے اور انسان کی حسیتی سطح بھی اتنی بلند نہیں کہ وہ چیزوں کی اصلیت اور ماہیت کا انتہائی درست طور پر ادراک کر سکے۔ اس کی وجہ سے جدید دور کا انسان اپنی کم ادراکی پر پریشان ہے۔ آج کسی چھوٹی چیز کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے اندر بھی پوری کائنات نظر آتی ہے۔ یعنی مائکرو کوزم کے اندر سے میکرو کوزم کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لیے اب علم مطلق کا حاصل کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں کیونکہ علم اب ترقی کر کے بے شمار شاخوں میں منقسم ہو چکا ہے۔ انسان کی کم ادراکی کو اردو شاعری کا موضوع بھی بنایا گیا ہے۔

سعود عثمانی:۔

؎ چھو آیا میرا ذہن حدیں کائنات کی
اب مجھ کو میری ذات کی حد تک رسائی دے۔ (۱۴)

افتخار نسیم:۔

؎ درمیان تو جو بھی کچھ تھا اس کو وسعت کھا گئی۔

ہر طرف ارض و سما میں انتہائیں رہ گئیں۔(۱۵)

عالمگیریت نے جہاں دنیا میں تیز رفتار اور جدید ترین ٹیکنالوجی کو عام کیا وہاں اس کا مہلک ترین روپ دہشت گردی کی صورت میں سامنے آیا۔ دہشت گردی کی لہر سے دنیا کا ہر ملک متاثر ہوا ہے۔ غاصب اور طاقت ور اقوام کی جارحیت کے رد عمل میں دہشت گردی کو فروغ ملا۔ خود کش حملوں اور دہشت گردی کے باعث دنیا کا کوئی بھی ملک محفوظ نہیں رہا۔ دہشت گردی کے باعث دنیا عدم تحفظ کا شکار ہو گئی۔ ممالک، مذاہب فرقوں اور افراد کی قوت برداشت ختم ہو گئی جس کی وجہ سے وہ دوسروں کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔ ایسے میں ایک عام انسان اپنے آپ کو خطرات میں گرا محسوس کرتا ہے اور ہر وقت کسی نہ کسی خطرے یا تباہی کا منتظر رہتا ہے۔ جدید ترین ہتھیاروں اور مشینوں نے انسان کا ذہنی سکون ختم کر دیا ہے۔ عدم تحفظ کا احساس ہماری شاعری میں ہی نہیں بلکہ یہ ایک عالمگیر موضوع بن چکا ہے۔ عالمی تجارتی ادارے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کے بعد دہشت گردی کی یہ لہر پوری دنیا میں پھیل گئی۔ طارق ہاشمی نے اس موضوع کو بڑی کامیابی سے استعمال کیا ہے۔

برہنہ آگ سے رکھتا ہے کیسی آس وہ شخص

پہن کے پھرتا ہے بارود کا لباس وہ شخص۔(۱۶)

تانیثیت بھی ایک جدید عالمی رویہ یا طرز احساس ہے۔ اس کا مقصد عورتوں کو یکساں سماجی، سیاسی اور معاشرتی حقوق فراہم کرنا ہے۔ تانیثیت کا اظہار دنیا بھر کے ادب میں ہوا ہے۔ اردو ادب میں بھی شعراء اور بالخصوص شاعرات نے تانیثی رویے کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ جدید شاعرات نے وسیع مطالعے کا مظاہرہ کرتے ہوئے عالمی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں کو اردو شاعری کا حصہ بنایا۔ جدید اردو شاعری میں نا صرف خواتین بلکہ مرد شعراء نے بھی عالمگیر تناظر میں عورتوں کے حقوق، عورتوں کی جنسی و جذباتی زندگی اور اس کی محکومی اور

بے اختیاری کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ یہ اظہار غزل اور نظم دونوں میں ہوا ہے۔ عالمگیریت کے زیر اثر جدید زندگی کے تناظر میں عورت کا گھروں میں بیٹھے رہنا ممکن نہیں اس لیے وہ کام کرنے نکلتی ہیں لیکن گھر سے باہر بھی عورت کو مسائل کا سامنا ہوتا ہے۔ جدید شاعرات نے ان مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ ان کی مردسری معاشرے کے خلاف بغاوت اور فرسودہ خیالات کے خلاف رد عمل پیدا ہوتی ہے۔

شبنم شکیل:۔

دیکھ کر جس شخص کو

مجھ کو گرانا سہل نہیں ہے۔

اپنے سہارے کھڑی ہوئی ہوں۔[۱۷]

فہمیدہ ریاض:۔

جانتی ہوں میں میرے دوار کھڑا اک بھیڑیا

کھو رہا میری جوانی میرا خون پی رہا۔ [۱۸]

کشور ناہید:۔

پہلے مجھے خدا سے ڈرایا گیا، پھر مرد سے

کبھی کسی کو دوست سمجھنے کی ترغیب نہیں دی گئی۔

خوف کا تعویذ میرے گلے میں اس وقت تک پڑا رہا

جب تک میں نے خواب دیکھنا شروع نہیں کیے تھے۔[۱۹]

نوشی گیلانی:۔

بند ہوتی کتابوں میں اڑتی ہوئی تتلیاں ڈال دیں

کس نے رسموں کی جلتی ہوئی آگ میں لڑکیاں ڈال دیں۔(۲۰)

عالمگیریت کا سب سے اہم مظہر نقل مکانی کی صورت میں سامنے آیا۔ جس کی وجہ سے لوگ روایتی علاقائی اور مقامی کلچر چھوڑ کر شہروں کی تہذیب کو اپنا رہے ہیں اس نقل مکانی کی وجہ سے عالمی کلچر فروغ پا رہا ہے جس سے یہ اس عالمی تہذیب کا حصہ بن جاتے ہیں جس کو پوری دنیا میں یکساں طور پر رائج ہونے کے لیے پر تول دیتی ہے جسے عالمگیریت کا نام دیا ہے۔ اردو کی شاعری میں شہری زندگی اور اس کے مظہرات کو خوش اسلوبی سے بیان کیا گیا ہے۔ شہر کو علامت بنا کر مقامی تہذیبوں کے انہدام، افراتفری، ٹریفک کے مسائل اور اس طرح کے دوسرے مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے جن کا عالمگیریت سے براہ راست تعلق ہے۔ نقل مکانی کے اس عمل کو شعرا نے مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔

کشور ناہید:۔

وہ بھیڑ ہے کہ شہر میں چلنا محال ہے

انگلی پکڑنا باپ کی بچہ بھول نہ جائے۔(۲۱)

افتخار نسیم:۔

آرہا ہے شہر میں چلتے ہوئے لوگوں سے خوف

پھر بلاتی ہے کسی جنگل کی ویرانی مجھے۔(۲۲)

بیسویں صدی میں معاشیات زندگی کا سب سے اہم پہلو بن کر سامنے آیا۔ جدید معاشروں کی بقا اور ترقی کا انحصار ہی معاشیات پر ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں اور بین الاقوامی معاشی اداروں کے باعث پس ماندہ معاشروں میں احساس محرومی بڑھ گیا۔ معاش ہمیشہ ہی سے انسان کا مسئلہ رہا ہے لیکن بیسویں صدی کے بعد اس میں اضافہ ہوا ہے۔ عالمگیریت کے زیر اثر آنے والے معاشی انقلاب نے امیر اور غریب کے درمیان

فاصلے بڑھا دیے ہیں۔ معاشیات کا نظام غیر منصفانہ ہونے کی وجہ سے نچلے طبقوں اور ملکوں میں زندگی کا دائرہ تنگ ہوتا جارہا ہے۔ بقول منیر نیازی:-

؎ سب ملاقاتوں کا مقصد کاروباری زرگری

سب کی دہشت ایک جیسی، سب کی گھائیں ایک سی [۲۳]

خورشید رضوی:-

دل میں اک خواب حسین، ذہن میں اندوہ معاش

اور دروازے پہ ایام کی پیہم دستک۔ [۲۴]

شہزاد نیئر موجودہ عہد کو ڈالر کا دور قرار دیتے ہیں جس میں دیگر انسانی قدروں کی کوئی گنجائش نہیں۔

؎ مجھ کو تسلیم ڈالر کے اس دور میں

میرے دامن کا سرمایہ الفاظ ہیں۔ [۲۵]

عالمگیر ثقافت کے مظاہر ٹیلی کمیونیکیشن کے ذرائع مثلاً موبائل فون، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، ای میل، فیس بک، آئی لوڈ وغیرہ ان کو دیکھتے ہوئے موجودہ دنیا پر ایک جادونگری کا گمان ہوتا ہے۔ دنیا میں ترقی کا عمل ہمیشہ سے جاری ہے مگر مشترکہ ثقافت کی لہر نے گزشتہ سالوں میں نئی اختراعات کی بدولت دنیا کا نظام تبدیل کر دیا ہے۔ اس سے انسانی زندگی اور معمولات بالکل بدل گئے ہیں۔ جدید اردو شاعری میں ان مظاہر کو بہت خوب صورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

؎ کشور ناہید:-

البتہ میرے دس سالہ بیٹے کو جلوس کا مطلب نہیں آتا تھا

وہ کچھ نہیں بولتا

وہ ٹو ٹیلی وژن کو بولتا دیکھ کر بڑا ہوتا ہے۔[۲۶]

شمیم ظفر رانا:-

میرے جذبوں کی حدت حسین ولولے میرے میسج وہ خط فیس بک مشغلے

میرے دل کی ریاضت دعائیں سبی، صرف تیرے لیے صرف تیرے لیے۔[۲۷]

محمد شہزاد نیئرؔ:-

ایک پرنور بلوریں سکرین پر

ننھی منی لکیر آگے چلتی ہوئی

گاہ چلتی ہوئی گاہ اڑتی ہوئی

پیچھے حرفوں کی مالا سنورتی ہوئی

رنگ شکلیں ہزاروں بدلتی ہوئی

جلتی بجھتی ہوئی

انگلیوں کے تلے

ایک دنیا قطاروں میں آباد ہے۔[۲۸]

ماحولیاتی آلودگی ایک عالمی مسئلہ ہے۔ عالمگیریت کے عمل میں سب سے زیادہ ترسیل صنعتی ترقی کے عمل کی ہے۔ صنعتی اداروں، پلانٹس اور فیکٹریوں سے خارج ہونے والے فضلات سے فضائی، معدنی اور شور کی آلودگی پیدا ہو رہی ہے جس نے عالمی سطح پر انسانی زندگی کو شدید خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ اس عالمگیر مسئلے کو شعراء اور ادیبوں نے اپنا موضوع بنایا ہے۔ معروف پاپ سٹار، مائیکل جیکسن کا مشہور زمانہ "ارتھ

سونگ" بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ معروف ،مزاحیہ شاعر انور مسعود کا ایک مکمل مجموعہ "میلی میلی دھوپ" اسی موضوع پر ہے۔

اک غبارستان برپا کر گئی ہیں موٹریں

گرد کی موجیں اٹھیں اور ایک طوفان ہو گئیں۔ (۲۹)

ضیاء الحسن:-

گرے کی دیوار بھی کسی دن

کٹیں گے آخر درخت سارے۔ (۳۰)

مشین جدید ترقی یافتہ دنیا کا بنیادی محور ہیں اور تیل مشینی زندگی کی قوت محرکہ دور جدید میں مشینوں میں اکثر و بیشتر کا ایندھن تیل ہے۔ صنعتی ترقی کے بعد تیل کو بہت اہمیت حاصل ہوئی اور دنیا کے مختلف ممالک نے تیل کے لیے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ امریکہ کی مشرقی وسطیٰ کی طرف پیش قدمی بھی تیل کا لالچ ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں جن ممالک کی جنگیں لڑی گئیں ان میں زیادہ تر تیل کی دولت سے مالا تھے اور تیل ہی ان کے لیے تباہی کا سبب بنا مثلاً عراق، لیبیا، کویت وغیرہ۔ ن-م راشد نے اپنی نظم "تیل کے سوداگر" میں کہیں دہائیاں پہلے تیل کے لیے ہونے والی دوستیوں اور دشمنیوں کی تصویر کشی ہے۔ اب یہ اردو شاعری کا اہم موضوع بن گیا ہے اور اس کو شدت کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر سعادت سعید اپنی نظم "ریگ زادوں کے نام" میں لکھتے ہیں۔

تیل کے سمندروں کی جانب ہیں

اجنبی پرندے

چونچوں میں دفاعی معاہدے لیے

ہمارے گھروندوں کی منڈیروں پر

گھونسلے بنانے لگے ہیں

ان کے کرخت پنجوں میں

نیپام بموں کے ٹکڑے ہیں

بدکا پروں میں

سر سبز زمینوں

خوشحال آبادیوں کو

اجاڑتے منقش میزائل ہیں۔[۳۱]

اسی طرح رفیق سندیلوی تیل اور خون کو مقابل کر کے صنعتی ترقی کا مذاق اڑاتے ہیں۔

یہ تیل چراغ جلائے گا

تازہ فوارہ خون کا

شادابی لائے گا

یہ آنسو

ڈھل کر ایندھن میں

پہیوں کو اور گھمائے گا۔[۳۲]

موجودہ دور میں ٹیکنالوجی کے باعث دنیا میں نت نئی تبدیلیاں آ رہی ہیں اور یہ سائنس ہی کا کرشمہ ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے دنیا کے انسانوں کی زندگی کو شدت سے متاثر کیا۔ آج سائنسی ایجادات ہماری روزمرہ زندگی کا حصہ ہیں۔ ادب زندگی ہی کا عکاس ہے یہی وجہ ہے کہ ان ایجادات، اصطلاحات اور افکار کا ذکر اردو شاعری میں بھی ہوا ہے اور ہمارے جدید شاعر سائنسی علوم سے بہرہ ور ہونے کی وجہ سے ان کو خوب

صورتی سے اردو شاعری کا حصہ بناتے ہیں۔سائنسی علوم نے ہماری زندگی اور ادب دونوں میں عقلیت پرستی کو رواج دیا ہے اور شاعر ایسی ہی شاعری کر رہے ہیں۔نفسیات اور سائیکالوجی میں سماجی و ادبی روزمرہ کا حصہ ہیں اسی طرح اردو نظم میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو روزمرہ کی طرح استعمال کیا گیا ہے بلکہ جدید نظم میں تو سائنسی علوم کا اظہار وسیع پیمانے پر ہے۔سائنسی علوم سے یہ واقفیت دراصل عالمگیریت ہی کا نتیجہ ہے

احمد حماد:-

جی میں آتا ہے کہ آنکھیں ہی عطیہ کر دوں

ایسے نابینا کو جس نے کبھی دیکھا ہی نہ ہو۔(۳۳)

شاعری انسان کے جذبات کو اعتدال پر لا کر اس کو اعصابی تناؤ اور بے یقینی کی کیفیت سے نکالنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ایسے میں شاعری اور ادب ہی انسان کے لیے جائے پناہ رہ جاتے ہیں جس وہ عافیت اور سکون محسوس کرتا ہے۔معاشروں کو صنعتی چولا پہننے کے بعد زندگی بہت تبدیل ہو گئی ہے۔شہزاد نیرؔ ایسے میں وہاں شاعری کو ڈالر کے مقابلے میں لا کھڑا کیا ہے اس کا مقصد وہ یہ بتاتے ہیں کہ جہاں ڈالر کا اثر ختم ہو جاتا ہے وہاں شاعری اور ادب اپنا کردار نبھاتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں۔

مجھ کو تسلیم ڈالر کے اس دور میں

میری دامن کا سرمایہ الفاظ ہیں۔(۳۴)

عالمگیریت کے باعث دیگر زبانوں کی شاعری کو اردو شاعری میں تراجم کے ذریعے لایا جا رہا ہے اور ان تراجم کی بدولت نئی نئی اصناف، موضوعات اور اسالیب اردو شاعری کا حصہ بن رہے ہیں۔اردو میں زمانہ قدیم ہی سے عربی، فارسی، سنسکرت وغیرہ کے ادب سے موضوعات لے کر انھیں اردو میں پیش کیا جاتا ہے لیکن عالمگیریت کے باعث اس میں تیزی آئی ہے۔ترجموں کے باعث دوسرے علاقوں میں رہنے والوں کی سوچ اور فکر سے آگاہی ہوئی ہے۔تراجم عام طور پر ان نظموں کے کیے جاتے ہیں جن کو مترجم فکری طور پر اپنے ادب کے قریب تر سمجھتا ہے۔ترجمہ شدہ نظموں میں بالخصوص ان موضوعات کو پیش کیا جاتا ہے جن سے

ہماری جذباتی اور فکری وابستگی ہے یا ان میں دیگر ممالک میں رہنے والے لوگوں کے مسائل کو پیش کیا جاتا ہے جن سے ہمارے خطے کے لوگ نبرد آزما ہیں۔ اردو زبان میں تراجم اور بالخصوص شعری تراجم کی روایت بہت قدیم ہے جس کا سلسلہ حالی اور آزاد سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ قلق میرٹھی نے ۱۸۶۴ء میں منتخب انگریزی نظموں کا مجموعہ جواہر منظوم کے نام سے الہٰ آباد سے شائع کیا۔ اس کو اردو منظوم تراجم کا پہلا مجموعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ قلق کے منظوم تراجم پر مرزا اسد اللہ خان غالب نے نظر ثانی بھی کی تھی۔

تراجم کے ذریعے دوسرے ممالک کی زندگی سے بھی واقفیت ہوتی ہے۔ مثلاً امجد اسلام امجد نے عرب ممالک اور فلسطین کی جنگ کو مد نظر رکھتے ہوئے عرب دنیا میں جذبہ حریت سے لبریز عربی نظموں کو اردو میں ترجمہ کیا۔ اسی طرح انہوں نے امریکہ اور افریقہ کے سیاہ فام باشندوں کے خیالات سے مزین مختلف ممالک کے درجنوں حبشی نسل تخلیق کاروں کی نظموں کے تراجم "کالے لوگوں کی روشن نظمیں" مجموعے میں پیش کیے۔ ان کے ذریعے ہمیں ان کا فکری تعارف ہوا ہے۔ مثلاً

جب کبھی میں یورپ اور امریکہ کے چڑیا گھروں میں جاتا ہے\
میں پنجروں اور خاردار باڑوں میں محبوس کیے ہوئے\
افریقی اور ایشیائی جانور دیکھتا ہوں\
میں اکثر ان چڑیا گھروں سے ایک بھاری دل کے ساتھ لوٹتا ہوں\
گیت کی بازگشت میں لوٹتا ہوں۔\
تیری دنیا کے جانوروں کو کیوں یہ اتنی بھاری\
عمر بھر کی بیگار بھگتنا پڑ رہی ہے۔[۳۵]

اسی طرح انیس ناگی نے بیسویں صدی کے اہم تخلیق کار پابلو نیرولا کی نظموں کو اردو میں منتقل کیا ہے۔

شاید یہ وہ مکان ہے میں نے جس میں جنم لیا تھا

جب نہ میں موجود تھا اور نہ یہ زمین

جب ہر چیز جامد تھی، پتھر یا سایہ

جب ساکت روشنی نے جنم نہیں لیا تھا۔

تب یہ پتھر میرا گھر

میرا گھر ہو سکتا تھا میرے دریچے یا میری آنکھیں

سرخ پتھر کا گلاب اس چیز کی یاد دلاتا ہے۔

جو مجھ میں رہتی تھی یا میں اس میں رہتا تھا۔[۳۶]

بحیثیت مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں کہ عالمگیریت نے جس طرح زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا ہے ادب بھی تبدیل ہو رہا ہے۔ عالمگیریت نے دنیا بھر کے ادب کو قریب لانے اور فکری ہم آہنگی پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ جدید اردو شاعری نے فکری طور پر دنیا بھر میں ہونے والے اہم اور متاثر کن واقعات سے گہرا اثر لیا ہے۔ شاعر اب وسیع نظر ہو گیا ہے۔ عالمگیر یکساں ثقافت نے یکساں مسائل پیدا کیے ہیں جن سے یکساں سوچ اور فکر بھی سامنے آئی ہے۔ اردو شاعری میں موضوعاتی حوالے سے جو پھیلاؤ آیا ہے وہ عالمگیریت کے باعث ہی پیدا ہوا ہے۔ انگریزی اور دیگر زبانوں کی شاعری کے اردو میں تراجم ہونے کی وجہ سے اردو شاعری کے موضوعات میں وسعت آئی ہے اور اسلوب میں بھی تنوع اور خوب صورتی پیدا ہوئی ہے اور اردو شاعروں نے طبع زاد نظموں میں نئی بحثوں کو روشناس کر دیا ہے۔ بینا گوئندی لکھتی ہیں۔

آج کے دور میں ادب کا قاری بڑھ چکا ہے کہ انسان بے شمار دوسرے معاشروں سے متعارف ہو چکے ہیں۔ آج کے ادب میں ان گنت نئے موضوعات آ چکے ہیں استعاروں میں حوالوں کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے۔ اگر اردو ادب ہی کی بات کریں تو جدید نثری نظم عالمی ادب کا

حصہ بن سکتی ہے جبکہ شاعری کی ملکہ غزل اب ڈولتی نظر آ رہی ہے وہ یوں کہ نظم اور پھر نثری نظم جو باآسانی دوسری زبانوں میں ترجمہ کر کے دور دراز پہنچایا جاتا ہے۔ (۳۷)

ڈاکٹر نجیبہ عارف عالمگیریت اور اردو ادب میں لکھتی ہیں۔

کشور ناہید کی وحشت اور بارود میں ڈوبی ہوئی نظمیں، گیارہ ستمبر کے بعد رونما ہونے والا مزاحمتی رجحان، مضامین ہی نہیں بلکہ اسلوب، استعاروں اور پیکروں کی تراش خراش میں بھی زندہ ہو کا ذائقہ اور اردو ادیب کا معاصر صورت حال سے جڑ کر جینے کا تجربہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جدید اردو ادب کسی ایک خطے یا علاقے کے محدود تجربے تک محدود نہیں۔ (۳۸)

اردو زبان و ادب میں انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں کے ادب سے اخذ و قبول کا سلسلہ استعماری دور میں انگریز تاجروں کی آمد کے ساتھ شروع ہو گیا تھا۔ جیسے جیسے تجارتی کمپنیوں کی سیاسی میدان میں عمل داری بڑھتی گئی ویسے ویسے ان کی زبانوں اور ان کے تہذیبی مظاہر ہمارے روز مرہ کا حصہ بنتے گئے۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد جب اردو بولنے والے انگریزوں کے غلام بن گئے تو یہ اثر اور تیز ہو گیا اور انگریزی ادب کے یہاں متعارف ہونے کے باعث اردو ادب میں بھی تبدیلیاں آئیں۔ سید احتشام حسین کے بقول:-

اس انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد ہم نظم و نثر کی نئی اقسام کا ظہور دیکھتے ہیں۔ ناول، ناٹک، انشا پردازی، سوانح نگاری، تنقید اور طویل تخلیقی نظمیں مروج ہوئیں۔ کئی صورتوں میں قدیم اور جدید اسالیب کا امتزاج عمل میں آیا۔ چھاپہ خانہ کے وجود میں آنے سے نئے اسالیب کی ترقی اور اشاعت میں مدد ملی۔ (۳۹)

اردو ادب کے لکھنے والے دنیا بھر کے ممالک میں موجود ہیں۔ اسی طرح لوگ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے اور بہترین معاش کے لیے فرانس، روس، جرمنی اور دیگر ممالک میں موجود ہے ان میں شعراءوادباء کی بھی ایک کثیر تعداد شامل ہے انہوں نے وہاں انگریزی ادب اور انگریزی زبان میں ترجمہ ہوئے ادب کا مطالعہ بھی کیا اور ان موضوعات، اصناف اور تکنیکوں کو اردو ادب میں متعارف کروایا۔ یہی وجہ ہے کہ موضوعات، تکنیک اور طرز بیان کے حوالے سے نئے نئے تجربات کر رہے ہیں اور اس کے باعث اردو شاعری کو وسعت

اور وقار نصیب ہوا۔ اس میں بہت سی اصناف سخن ایسی ہیں جو دیگر علاقوں اور زبانوں سے آئی ہیں۔ سرئیلیزم، امیج ازم، ڈاڈازم، تاثریت، وجودیت، علامت نگاری، نئی لسانی تشکیلات، تجریدیت ہیئتی تجربات مقامی لہجوں یعنی کلوکیل زبان کا ادبی استعمال فنی طور پر وہ پہلو ہیں جو اردو شاعری میں عالمگیریت کی بدولت دوسری زبانوں کے ادب سے آئے ہیں۔

عالمگیریت کے تحت اردو شاعری اپنی نئی ڈگر پر اور ایک نئے نظام فکر وفن میں ڈھل گئی ہے۔ جدید اصناف زیادہ تر مغرب کے عالمگیر اثر کی دین ہیں جو کچھ عرصہ پہلے تک سامراج اور استعمار کی صورت میں ہمارے اس خطے کے سیاہ سفید پر قابض تھا اور اب اس نے چولا تبدیل کر کے عالمگیریت کا روپ دھار لیا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے بقول:-

> شاعری کی جملہ اصناف غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، رباعی بھی ایران کا تحفہ ہیں۔ جب کہ بیشتر نثری اصناف جیسے ناول، افسانہ، ڈرامہ، انشائیہ، رپورتاژ کے ساتھ ساتھ تنقید اور متنوع تنقیدی رویے اور دبستان بھی مغرب سے درآمد کیے گئے ہیں۔ (۴۰)

جس طرح سماج پر مغرب کی بالادستی ہے اسی طرح ادب میں بھی اثر پذیری کا رخ زیادہ تر مغربی زبانوں کے ادب سے اردو کی طرف ہے۔ بہت سی اصناف شاعری ایسی ہیں جب کو اردو ادب میں قبول کر کے ان پر خاطر خواہ کام بھی ہوا ہے اور آج اردو ادب کی اہم اصناف کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الحسن کے بقول:-

> ”کئی شعری و نثری اصناف کے تجربے اردو میں مغربی ادب کے زیر اثر ہوئے۔ اس میں سے کچھ اصناف نے استحکام حاصل کیا اور کچھ رد ہوئیں۔“ (۴۱)

نظم معرّیٰ: (Blank Verse)

نظم معرٰی انگریزی ادب کی صنف Blank Verse کا اردو ترجمہ ہے۔ ایسی نظم میں قافیہ کی پابندی نہیں کی جاتی۔ اس کا استعمال سب سے پہلے سرے نامی شاعر نے ورجل کے تراجم کے لیے کیا۔ اس کے بعد

کرسٹوفر مارلو اور ولیم شیکسپیئر نے اپنے ڈراموں کے لیے اور جان ملٹن نے اپنی Paradiselast کے لیے اسی انداز کو اختیار کیا۔ جدید شاعروں نے اس صنف کو کمال خوبی سے برتا ہے اور اس کے ذریعے اردو شاعری کا دامن وسیع کیا ہے۔ اسے قافیہ، ردیف اور دیگر تلازمات سے آزاد کر کے خیال کے دھارے میں روانی کو ممکن بنایا۔ مجید امجد نے معریٰ نظمیں تسلسل کے ساتھ لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ تصدق حسین خالد، ایم ڈی تاثیر، میراجی، یوسف ظفر، محمود جالندھری، اختر الایمان، فیض احمد فیض وغیرہ نے بھی لکھیں۔

اس ایک بات سے انکار ہو نہیں سکتا

کہ ہم نے اپنے ہوسے بساط عالم پر

لکیر کھینچی ہے جس سلطنت کی اس کا وجود

ہی ایشیا کے شبستاں میں صبحِ نَو کی نمود (۴۲)

آزاد نظم:

آزاد نظم کا استعمال بھی کنگ جیمز نے اپنے ترجمہ انجیل، وہمٹمین نے Leaves of Grass میں کیا اور انیسویں صدی کے فرانسیسی شاعروں نے بالخصوص بحر کی بندش سے خود کو آزاد کرنے کے لیے اس کا وسیع پیمانے پر استعمال کیا۔ اردو میں تصدق حسین خالد کا نام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اردو میں آزاد نظم نے جس تیزی سے ترقی کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مجید امجد کی ایک نظم ندی کے گزرتے پانیوں پر

یہ جوئے رواں ہے

کہ بہتے ہوئے پھول ہیں جن کی خوش بوئیں گیتوں کی سسکاریاں ہیں

یہ پگھلے ہوئے زرد تانبے کی چادر پہ الجھی ہوئی سلوٹیں ہیں

کہ زنجیر ہائے رواں ہیں (۴۳)

نثری نظم:

نثری نظم بھی مغرب سے درآمدہ ہے اور یورپ میں اس کا آغاز فرانس سے ہوا۔ چارلس بوہیر نے اس قسم کی نظم کو ترویج دی اس کے بعد میلارمے نے اسے مزید تقویت کی پھر یہ تحریک فرانس سے سارے یورپی ملکوں میں پھیل گئی۔ اردو میں بھی اس نظم کے کئی نام رکھے گئے ہیں۔ اردو میں اس کا آغاز یورپی نثری نظموں کے تراجم سے ہوا اور مغرب کے شعری ادب کے اثرات اس کا محرک بنے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی نثری نظم کی مثال:

اس کی قبر کے فرش پر ہے ریشم کی چادر
سرہانے سنبل کا تکیہ اور تکیے تلے خواب آور گولیاں
ایک کونے میں کاغذی پھولوں کا گلدستہ
اور کاغذی پھولوں کی خوشبو[۴۴]

افضال احمد سید:

میں مٹی کی کان کا مزدور ہوں
کام ختم ہو جانے کے بعد ہماری تلاشی لی جاتی ہے
ہمارے نگراں ہمارے بند بند الگ کر دیتے ہیں
پھر ہمیں جوڑ دیا جاتا ہے
ہمارے نگراں ہمیں لاپرواہی سے جوڑتے ہیں۔ [۴۵]

ہائیکو:

ہائیکو تین مصروں پر مشتمل جاپانی نظم ہے۔ جاپان میں باشو کو سب سے اہم اور بڑا ہائیکو نگار تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کا ہائیکو کا مجموعہ ۱۹۸۱ء میں منظر عام پر آیا۔ ہائیکو کی اردو اور پاکستان میں مقبولیت کی وجہ بطور خاص جاپان ثقافتی مرکز، جاپانی کونسل خانہ کراچی میں ہونے والے مشاعرے ہیں جن میں شعراء کو جاپانی ہائیکو کے تراجم اور طبع زاد ہائیکو پیش کرنے کے لیے بلایا جاتا تھا اس میں ملک کے نامور شعراء حصہ لیتے تھے۔

شاخ پر گل تازہ

کھلتا ہے بکھرتا ہے، کھلتا ہے بکھرتا ہے

یہ غو کا خمیازہ (۴۶)

آسمان پر بادل ہیں

گھر میں بند بیٹھے ہیں

لوگ کتنے پاگل ہیں (۴۷)

اس کے علاوہ عالمگیریت کے باعث اور بھی بہت سے اصناف اردو میں شامل ہوئی ہیں۔ مثلاً اوپیرا(Opera)، واکا(Waka) وغیرہ۔

اس کے علاوہ عالمگیر لین دین، تجارت، سائنس و ٹیکنالوجی، معیشت، مواصلاتی ترسیل کی سہولت اور بین الاقوامی ادغام کے نتیجے میں اردو زبان نے دیگر زبانوں کے اشیاء و افعال بھی اپنائے ہیں جو باہر کے ممالک میں چیزیں بنتی ہیں ان کے ناموں سمیت ہم اپناتے ہیں۔ بین الاقوامی طور پر استعمال کی جانے والی چیزوں کے اگر نام تبدیل کر دیے جائیں تو عالمی تناظر میں ان کی تفہیم مشکل ہو جاتی ہے۔ عالمگیریت کے باعث چیزوں اور الفاظ کے ورود کا سلسلہ بہت بڑھ گیا ہے۔ اردو شاعری میں بھی ان کا استعمال ہو رہا ہے۔

طارق ہاشمی:

رکھا ہوا تھا گھومتا گلوب سامنے

جہاں جہاں یہ شہر تھا، غزال ڈر گئے (۴۸)

لیجیے میں تو چلا۔۔۔۔۔۔۔ایک ضروری میٹنگ

گفتگو جاری رہی گی اپنی (۴۹)

اردو شاعری کا کینوس وسیع ہونے اور اس میں دیگر زبانوں کی آمیزش کے باعث موضوعات و تکنیک کے ساتھ ساتھ دیگر زبانوں کے الفاظ اور فقرے بھی شامل ہو گئے ہیں۔عالمگیریت کے زیر اثر شاعری میں ان الفاظ کا استعمال بہت بڑھ گیا ہے۔ شاعر یا ادیب جس ملک میں جاتے ہیں وہاں کی زبان اور ادب سے آشنا ہو جاتے ہیں اور وہ اس کا اظہار کسی نہ کسی صورت اردو زبان میں بھی کرتے ہیں۔اس طرح اس زبان کے الفاظ بھی عالمگیریت کے بہاؤ میں بہتے ہوئے اردو زبان وادب میں در آتے ہیں۔ ایسے تجربات اردو شاعری میں تواتر کے ساتھ کیے جا رہے ہیں۔

سائیکل کے بارِگر پر سامان کے بوجھل لفافے

اور کمر پہ پنکھے میں لٹکتا ہوا خوابیدہ بچہ

فرو شمبن، فروزاشی، سوہاکا (۵۰)

تصدیق کروں دل سے زباں سے اقرار

اِنَّ الْاِنسانَ لَظَلُومَ کَفاّر (۵۱)

آنکھوں کے اجڑے اسٹیشن، پھر ہوں گے آباد، زہے فریاد

صدیوں بعد سہی گزرے گی ماہی والی ریل، ابھی دکھ جھیل۔ (۵۲)

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عالمگیریت کے بڑھتے ہوئے رجحان کے زیر اثر دیگر زبانوں اور ممالک کے ادب سے اردو ادب نے فنی طور پر بہت کچھ اخذ و قبول کیا ہے۔ فکری حوالے سے بھی عالمگیریت کے تحت اب اردو شاعری کے موضوعات بدل گئے ہیں۔ فنی حوالے میں بھی نئے سانچے اور اسالیب اردو شاعری کو مہیا ہوئے ہیں۔ اردو شعراء نے بہت سی بیرونی اصناف ادب کو اختیار کر کے اردو ادب کے دامن کو وسیع کیا ہے۔ عالمگیریت نے جہاں ہمارے معاشرے میں تبدیلیاں کی ہیں وہاں ہمارے ادب کی بھی کایا کلپ کر دی ہے یہی وجہ ہے کہ مقامی اور روایتی اصناف کو بھی تبدیلی کے عمل سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ ان اصناف کی ہیئت میں جزوی اور تجرباتی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں جنہوں نے نہ صرف ان کے خارج و داخل کو نئی شکل دی ہے بلکہ ان کے مسلمات سے بھی انحراف کیا ہے۔ اس کے علاوہ بدلتے ہوئے معاشرتی اور سماجی نظام کے باعث کئی اصناف مثلاً مثنوی، قصیدہ وغیرہ کی اب ضرورت نہیں رہی ہے اس لیے وہ آہستہ آہستہ معدوم ہوتی جارہی ہیں نیز کچھ اصناف ادب مثلاً ہائیکو، سانیٹ وغیرہ عالمگیریت کے باعث اردو ادب میں شامل ہو گئی ہیں۔ قدیم مشرقی اور وسطی ایشیائی زبانیں مثلاً عربی، فارسی تو اردو کی پیش رو اور ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں لیکن جدید دور میں ان کے ساتھ ساتھ دیگر زبانوں کے الفاظ بھی اردو شاعری میں ہو گئے ہیں ایسے تجربات کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ ان تمام عوامل کو عالمگیریت ہی کا اثر کہا جاسکتا ہے۔ عالمگیریت کے ان اثرات کی وجہ سے اردو کا شعری ادب بالخصوص فنی سطح پر اپنے دائرے کو وسیع کرتا دکھائی دیتا ہے۔

اردو ناول پر عالمگیریت کے اثرات:

ناول کی بنیاد قصہ، کہانی ہے اور اپنی وسعت اور تنوع کے باعث انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سمالینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ فلسفیانہ مباحث ہوں یا انسانی نفسیات کی باریکیاں، تاریخ انسانی کا ہر ممکنہ منظر نامہ ناول میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ اپنے اسلوب اور فکری و فنی رنگارنگی کی وجہ سے دیگر افسانوی ادب سے ممتاز ٹھہرا ہے۔

ناول کے آغاز وارتقاء کے حوالے سے ماہرین کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ناول کی تحقیق و تنقید کے مطابق اس کا آغاز مغرب سے ہوا۔ ناول کو یورپ میں صنعتی دور کی پیداوار سمجھا جاتا ہے اور مغرب میں ہونے والی تہذیبی تبدیلیوں سے جوڑا جاتا ہے۔اس سلسلے میں میلان کنڈیرا لکھتے ہیں۔

> ناول یورپ کی تخلیق ہے۔ اس کے مکشوفات، اگرچہ مختلف زبانوں میں ہوئے، ملکیت بہر حال سارے یورپ کی ہیں۔ یہ دریافتوں کا سلسلہ Sequence ہی ہے(نہ کہ جو کچھ لکھا گیا اس کا حاصل جمع)جو یورپی ناول کی تاریخ مدون کرتا ہے۔(۵۳)

ناول کا یورپ میں باقاعدہ آغاز سترہویں صدی میں ہوا۔ یہ دور کئی حوالوں سے یادگار ہے۔ صنعتی انقلاب کا آغاز یورپ میں اسی دور میں ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ مذہبی نقطہ نظر کہ یہ دنیا شیطان کا گھر ہے آہستہ آہستہ معدوم ہوتا گیا اور دنیا کو سمجھا جانے لگا۔ اس دور میں ناول کا باقاعدہ آغاز ہوتا نظر آتا ہے۔

اردو میں ناول نگاری کا آغاز انیسویں صدی میں ہوا۔۱۸۵۷ء میں ناکام جنگ آزادی وہ نقطہ ثابت ہوئی جس نے سوچ کے زاویے بدل کر رکھ دیے۔ اس ناکامی نے ہندوستانی معاشرے کو خوابوں سے نکال کر حقیقت کی دنیا میں لا کھڑا کیا۔ حقیقت پسندی کا یہ رویہ رفتہ رفتہ نموپذیر ہوا۔ بدلتے ہوئے سیاسی وسماجی حالات کا اثر لوگوں کے مزاج پر پڑا۔ ان حالات کے علاوہ غیر ملکی آقا اپنے ساتھ اپنی ثقافت، زبان اور اپنی اقدار روایات بھی لے کر آئے تھے اور برصغیر کے لوگ اس نئی تہذیب سے متاثر ہوئے۔

انگریزی زبان میں ناول کا نقطہ آغاز چوہیل رچرڈسن کے ناول ”پامیلا“ کو مانا جاتا ہے۔ جو اٹھارویں صدی میں لکھا گیا۔ یہ وہ دور تھا جب اردو میں داستانیں لکھی جارہی تھیں اس ناول کی اشاعت کے بعد انگریزی میں ناول لکھنے کو فروغ ملا اور اس صدی کے آخر تک ناولوں کی ایک اچھی تعداد لکھی جا چکی تھی۔ ڈلسن، تھیکرے، جین آسٹن نے ناول نگاری کے فن کو نئی بلندیوں سے روشناس کروایا۔ اس دور میں ہندوستان کی سیاسی صورتحال نہایت ابتر تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے سازشوں کا جال بچھانے پر مصروف تھی۔ اردو میں ناول کے آغاز کے حوالے سے رشید احمد گوریجہ لکھتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہندوستان کی فضا میں انقلاب رونما ہوا۔ تعلیمی نظریات میں بھی تبدیلی آئی اور ادبی لحاظ سے بھی کئی تبدیلیاں پیدا ہوئیں سر سید احمد خان نے افادی ادب کی داغ بیل ڈالی۔ ڈپٹی نذیر احمد ان سے بری طرح متاثر تھے۔ اس لیے انہوں نے سر سید کی اصلاحی پروگرام کی تکمیل کے لیے قصہ کہانی کو وسیلہ بنایا۔ اردو میں ناول نگاری کی ابتداء نذیر احمد سے ہوئی۔ "مراۃ العروس" ان کا پہلا ناول ہے۔ اس کے علاوہ دیگر لکھنے والوں میں رشیدۃ النساء، نواب سید محمد آزاد، نواب افضل الدین احمد، رتن ناتھ سرشار، امداد امام اثر، سجاد حسین، عبدالحلیم شرر، راشدالخیری وغیرہ شامل ہیں۔ (۵۴)

بیسویں صدی کے آغاز میں پریم چند کی صورت میں اردو ناول کو ایک بڑا ناول نگار میسر آگیا۔ "دنیا کا انمول رتن" ان کا ابتدائی حوالہ بنا۔

عالمگیریت جو اپنی اصل میں سرمایہ دارانہ ہے اور اس کا مقصد قسم قسم کی اشیاء پیدا کر کے دنیا کے مختلف حصوں میں اس کے صارف پیدا کرنا، ان کی ذہن سازی کرنا، ترقی پذیر ممالک کے وسائل کو تصرف میں لا کر دنیا کے بڑے سرمایہ داروں کی تجوریوں کو بھرنا ہے۔ جاگیردارانہ نظام بھی استحصال اور وسائل پر غاصبانہ قبضے کی حد تک سرمایہ دارانہ نظام سے مماثل ہے اور ارتکاز دولت بھی دونوں کی مشترکہ خصوصیت ہے۔ اس نظام کے نتیجے میں معاشرے میں پھیلی ہوئی معاشی ناہمواری، طبقاتی تقسیم کو اردو ناول نگاروں نے بیان کیا۔ طبقاتی تقسیم اور استحصال کو ناول کا موضوع بنایا گیا اس عالمگیریت کی اولین مظاہر ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں ملتے ہیں۔ قدیم عالمگیریت کے اثرات ابن الوقت میں معاشی اور ثقافتی دونوں حوالوں سے ملتے ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد کے علاوہ سرشار، پریم چند، عبدالحلیم شرر، سجاد ظہیر، عصمت چغتائی وغیرہ کے ناولوں میں عالمگیریت کے اثرات دکھائی دیتے ہیں لیکن وہ عالمگیریت قدیم دور کی عالمگیریت ہے۔ ان کے ناولوں میں انگریزی تہذیب کے لوازمات ہندوستانی تہذیب کے ساتھ موجود ہیں۔ آج کے دور میں عالمگیریت کا جو مقصد ہے کہ ایک مقامی کلچر کو ختم کر کے یونی کلچر دنیا کی تخلیق۔

۱۹۴۷ء کا سال ہندوستان کی تاریخ میں نہایت اہمیت کا حاصل ہے۔ انسانی جانوں اور عزت و ناموس کی قربانی دے کر حاصل کی جانے والی اس آزادی نے اس ملک کے انسانوں کی زندگیوں کو طوفان سے آشنا کر

دیا۔ سیاسی، سماجی اور معاشی حوالوں سے انھیں اپنے نئے قالب تراشنے پڑے۔ اس دور میں جو ناول لکھے گئے ان میں تقسیم اور فسادات کے موضوعات زیادہ ہیں۔ ان میں ایم اسلم کا رقص ابلیس، رشید اختر کا ۱۵ اگست، فردوس رئیس احمد جعفری کا "مجاہد" نسیم حجازی کا "خاک و خون" وغیرہ مقبول ناولوں کے زمرے میں آتے ہیں۔ اس کے علاوہ قرۃ العین حیدر کا میرے بھی صنم خانے، جاوید احمد کا ایسی بلندی ایسی پستی، احسن فاروقی کا شام اودھ وغیرہ شامل ہیں۔ ان ناولوں میں بھی عالمگیریت کے کچھ پہلو دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً ایسی بلندی ایسی پستی میں طبقہ اشرافیہ کو پیش کیا گیا ہے جو عالمگیریت نو آبادیات کے زیر اثر پیدا ہوا۔ اس دور میں ہیئتی، تکنیکی اور اسلوبیاتی تجربے بھی ہوئے۔

بحیثیت مجموعی اردو کے اولین ناول نگاروں میں انگریزوں کے رہن سہن، کھانے پینے، میل ملاپ اور تہذیب و اقدار کی عکاسی موجود ہے۔ سجاد ظہیر نے "لندن کی ایک رات" میں ایک ہندوستانی طالب علم کی انگریزی معاشرے میں اپنی ایڈ جسٹمنٹ کی کوششوں کو اجاگر کیا ہے۔ اس کے بعد ناول نگاری کے پچاس ساٹھ سالہ دور میں اردو ناول کا موضوع زیادہ تر سماجی مسائل ہے اور پھر تقسیم کے بعد کے فسادات وغیرہ۔ اس کے بعد نئے انداز میں ناول لکھنے کا آغاز۔ تکنیک کے حوالے سے مغرب سے متاثر ہو کر ناول لکھے گئے جن میں عالمی معاشرت کی کوئی نہ کوئی جھلک موجود تھی کیونکہ اس وقت عالمگیریت کا عمل تیز نہیں تھا۔ اردو ناول آغاز ہی سے عالمگیریت کے زیر اثر رہا لیکن وہ عالمگیریت کی قدیم لہر تھی۔ اردو ادب میں عالمگیریت کے پھیلتے ہوئے دائرہ عمل میں دیگر زبانوں اور ممالک کے اثرات اردو میں ہو رہے ہیں۔ اردو ادب میں عالمگیریت کی موجودہ لہر سے پہلے بھی برطانوی استعمار کی وجہ سے یورپی اثرات قبول کیے گئے۔ دو عالمی جنگوں نے متحارب گروپوں کے اتحاد بنانے کی وجہ سے اجنبی معاشروں کو قریب کر دیا۔ مختلف ممالک کے درمیان جنگی اور دفاعی معاہدے ہوئے لیکن ان معاہدوں کے بعد یہ سوچا گیا کہ اگر یہ معاہدے ہو سکتے ہیں تو تجارت کیوں نہیں ہو سکتی۔ اسی سوچ کے پیش نظر بیرونی سرمایہ کاری کا نظام وضع ہوا اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے بیرونی کاروبار کو وسعت ملی اور یہی وہ نقطہ تھا جہاں سے عالمگیریت کو صحیح معنوں میں فروغ ملا اور دیگر شعبوں کے ساتھ ساتھ ادب بھی اس سے متاثر ہونا شروع ہوا۔

اردو زبان میں لکھے جانے والے جدید ناول بھی جدید شعور، اسلوب اور تکنیک میں لکھے جا رہے ہیں۔ ہمارے جدید اردو ناولوں کا منظر نامہ بھی بین الاقوامی ہے اور اس میں ہیئت، الفاظ، تکنیک، انداز، معاشرت، لباس، کھانے پینے، سوچنے تک تمام موضوعات اور فنی سطح پر عالمگیریت کی جھلک نظر آتی ہے۔ جدید دور میں ناول نگار نہ صرف اپنی تہذیبی، سماجی اور فکری روایت سے مربوط ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ عالمی برادری کا حصہ بھی ہیں۔ عالمگیریت کے باعث عالمی ادب تک رسائی ممکن ہوگئی ہے اور عالمی ادب کے وسیع مطالعے کی وجہ سے ناول نگاروں کی فکری اور موضوعاتی سرحدیں اب پوری دنیا میں پھیل گئی ہیں۔ عالمگیریت کے زیر اثر ناولوں میں ایسے موضوعات کثرت سے ہیں جن کا تعلق بین الاقوامی فکری دھارے اور عالمی مسائل سے جڑا ہوا ہے عالمی واقعات، بین الاقوامی شخصیات، تازہ ترین تحقیقات اور ایجادات، نئے خیالات، فلسفے اور نظریات اردو ناول کا حصہ بن رہے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ممتاز احمد خان لکھتے ہیں۔

> آج کا ناول مقامیت سے بین الاقوامیت تک دراز ہو چکا ہے دنیا ایک سیٹلائٹ کے ذریعے ٹی وی اسکرین میں ”عالمی دیہات“ کی شکل کا روپ دھار چکی ہے۔ آج کے ناول نگار نے تخیل اور تخلیقیت کے سیٹلائٹ کے توسط سے اسی عالمی دیہات کو ناول میں جذب کر دیا ہے۔ اب ناول تمام علوم کا احاطہ کر رہا ہے گویا اس کا افق لا محدود ہوتا جا رہا ہے۔(۵۵)

موجودہ دور میں جب دنیا نے بہت ترقی کر لی ہے اور دنیا بھر میں ثقافتی اور تہذیبی انتقال کی لہر نے معاشروں میں یکسانیت پیدا کر دی ہے ایسے میں ناول نگار کو چاہیے کہ وہ ان تمام پہلوؤں پر نظر رکھے اور جدید علوم سے استفادہ حاصل کرے کیونکہ جدید ناول ماضی کے مقابلے میں تبدیل ہو چکا ہے اور اس میں اب ان تمام علوم و فنون کا ورود ہو چکا ہے جنہوں نے عالمگیریت کے تحت انسان کی زندگی کو متاثر کیا ہے۔ جدید دور کا ناول اکیلا نہیں رہا بلکہ اس میں کئی علوم کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ مختلف خطوں کی سیاست، تہذیب اور علوم اس کو متاثر کر رہے ہیں۔ فکری اور فنی دونوں حوالوں سے ناول کی صنف میں تبدیلی آ رہی ہے۔ اردو ناول اساطیری، تمثیلی اور اصلاحی کہانیوں سے ہوتا ہوا رومانوی قصوں، معاشرے میں رونما ہونے والی حقیقی واقعات، سوانحی عمری کی شمولیت، تاریخی شعور کے اظہار، فنتاسیا سے ہوتا ہوا اس دور میں داخل ہو گیا ہے

جہاں زندگی یک رخی نہیں ہے اس لیے اس تبدیلی کے ساتھ ناول کو بھی تبدیل ہونا پڑا اور ان موضوعات پر لکھا جارہا ہے جن کا اثر عالمی سطح سے محسوس کیا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں عالمگیریت نے معاشرتی ارتباط سے جو عالمی یکسانیت پیدا کی اس سے ناول میں بیک وقت نئے موضوعات کو شامل کرنے کا رجحان بڑھ گیا اس وجہ سے ناول میں قدیم طرز کی طرح ایک ہی موضوع اور تکنیک نہیں چل رہی بلکہ کئی نئی شکلوں کو ناول کا حصہ بنایا جارہا ہے اس سے ناول ان تمام علوم وفنون اور نظریات و خیالات کی جمع آوری کا کام بن گیا ہے اس پر متزاد اس عمل کے ذریعے جنم لینے والی زبان ہے۔ جو تمام جدید علوم وفنون اور زبانوں کا مرقع بن گئی ہے۔ جدید ناولوں کو پڑھنا اب مشکل ہو گیا ہے ان کو وہ آدمی بخوبی پڑھ کر لطف اندوز ہو سکتا ہے جس کا بین الاقوامی تناظر اور بدلتی ادب پر بھی نظر ہو اور اسے عالمی حالات حاضرہ، سائنسی ایجادات اور دریافتوں سے بھی واقفیت ہو۔ جدید ناولوں کا اسلوب اب بدل گیا ہے بقول ڈاکٹر ممتاز احمد:

> انٹلکچول INTELLECTUAL زبان، فکری مباحث، خود کلامی، وقت کی حد بندی میں اتھل پتھل اور کرداروں کے داخلی کرب مل کر اس کے اسلوب کی تشکیل کرتے ہیں جو ہمارے قارئین کو ناول کی ہیئت، اسلوب اور ماجرے میں تبدیلی کا احساس دلاتے ہیں۔[۵۶]

۱۹۸۰ء کے بعد لکھے جانے والے نالوں میں بین الاقوامی موضوعات داخل ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ اس دور کے بعد لکھے جانے والے ناولوں کے مصنف نہ صرف خود تعلیم یافتہ تھے بلکہ ان کی عالمی ادب پر بھی نظر تھی اس لیے وہ عالمی ادب کی رفتار سے بخوبی واقف تھے اور ان کا ادراک عالمی سطح کا تھا جس نے ان کو مہمیز کیا اور وہ اپنے ناولوں میں مقامی حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ عالمی منظرنامے کو بھی پیش کرنے لگے۔ اس کی واضح مثال قرۃ العین حیدر ہیں انہوں نے ناول نگاری کی نئی راہیں متعین کی ہیں اور موضوع اور اسلوب دونوں حوالوں سے اردو ناولوں کو مغربی ناولوں کے ہم پلہ کر دیا۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان کے بقول:-

> جدید ناول کا آغاز ''آگ کا دریا'' سے ہوا لیکن ہیئت میں تبدیلی، افادیت، تکنیکی، موضوعات تنوع، ابلاغ و عدم ابلاغ اور رد ناول Anti novel جیسے اختلافی مسائل کے حوالے سے جدید ناول کی تشکیل کا دوسرا دور **۱۹۸۰**ء کے لگ بھگ شروع کرتا ہے۔۔۔ اس میں کہانی کا

کنیوس تمام براعظموں تک پھیل گیا اور ناول نگار عالمی انسانی برادری کو ایک اکائی میں دیکھنے، دکھانے پر قادر ہو گیا ہے۔ (۵۷)

جدید دور میں لکھے جانے والے ناول نہ صرف موضوع، اسلوب، تکنیک، ہیت میں نئے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ جدید زندگی کی عکاسی بھی کرتے ہیں۔ ان ناولوں میں عالمگیریت کی کارفرمائی شدت سے محسوس کی جاتی ہے۔ ہمارے ناول نگار عالمی معاشرے سے بخوبی آگاہ ہیں اور انہوں نے عالمگیریت کی وجہ سے آنے والی تبدیلیوں کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ اپنی تخلیقات کا حصہ بھی بنایا ہے۔ دوسری طرف وہ مقامی کلچر سے جڑے ہونے کی وجہ سے ان معاشروں، مظاہر اور اعمال و افعال کی مذمت بھی کرتے ہیں جو ان کے معاشرے، عقائد اور سماجی اقدار کے خلاف ہیں۔ اکیسویں صدی کے نمائندہ ناول نگاروں میں بانو قدسیہ، مستنصر حسین تارڑ، مرزا اطہر بیگ، حسن منظر، شمس الرحمن فاروقی، محمد عاصم بٹ، خالدہ حسین وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان ناول نگاروں نے موضوعات اور اسلوب کے تجربات کیے ہیں۔ ان ناول نگاروں کے عالمگیر موضوعات ہیں۔

اکیسویں صدی کا آغاز ۱۱/۹ کے دھماکے کے ساتھ ہوا اور یہیں سے تہذیبی تصادم کا آغاز بھی ہوا۔ اور اس واقعے کی گونج اتنا عرصہ گزر جانے کا باوجود بھی سنائی دیتی ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا جس نے پوری دنیا کو کسی نہ کسی طور پر متاثر کیا۔ اس واقعہ کے بعد دنیا دو ادوار میں تقسیم ہو گئی۔ ۱۱/۹ سے پہلے کی دنیا اور ۱۱/۹ کے بعد کی دنیا۔ امریکہ نے اس واقعہ کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور افغانستان اور عراق پر حملہ بول دیا۔ ٹونی شیرا تو اسے سب سے مشہور واقعہ قرار دیتے ہیں۔

> ۱۱September , possibly the most widely publicized event since world war.(۵۸)

اس واقعہ کی بین الاقوامی اثر پذیری کے باعث اکیسویں صدی میں لکھنے والے اردو مصنفین بھی اسے دنیا کی تاریخ کا اہم واقعہ گردانتے ہیں۔ اس واقعے کے بعد امریکہ کا تو ردعمل تھا ہی لیکن جب برطانیہ، روس،

بھارت، آسٹریلیا، جاپان، پاکستان نے امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اسے مدد فراہم کر کے مختلف براعظموں تک پھیلایا تو یہ محض امریکہ کا نہیں بلکہ یہ ایک بین الاقوامی اور عالمگیر مسئلہ بن گیا۔

اردو کے جدید ناول نگار اس عالمگیر تبدیلی سے نابلد نہیں انہوں نے اس اہم اور بین الاقوامی تبدیلی کو نظر انداز نہیں کیا۔ اس سے پوری دنیا کا ایک نیا منظر نامہ سامنے آیا ہے۔ بالخصوص افغانستان میں دہشت گردی کے خلاف امریکہ اور نیٹو فورسز کی جنگ جاری تھی اور پاکستان کا کردار اس جنگ میں فرنٹ لائن کے اتحادیوں کا رہا۔ یہ حکومت کی پالیسی تھی کہ وہ امریکہ کا ساتھ دیں لیکن پاکستان کی عوام اس حق میں نہیں تھی۔ اس لیے ہمارے ادیبوں نے عوام کی اس آواز کو اپنے ناولوں کے کرداروں کے ذریعے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ نائن الیون اور اس کے مضمرات کو اردو ناول میں بڑی شدت کے ساتھ موضوع بنایا گیا۔ ان لکھنے والوں نے عوامی امنگوں کو پیش نظر رکھا۔ اس ضمن میں مستنصر حسین تارڑ کا نام اہمیت کا حامل ہے ان کا ناول "خس و خاشاک زمانہ" نہایت اہمیت کا حامل ناول ہے۔ یہ ناول پاکستان جغرافیائی علاقوں کی تاریخ کے ساتھ ساتھ ۹/۱۱ اور اس سے پہلے اور بعد کی صورت حال کی عمدہ عکاسی کرتا ہے۔ اس ناول میں مستنصر حسین تارڑ نے ایسی نسل کو پیش کیا ہے جن کے والدین پاکستان بننے کے وقت لوٹ مار سے امیر ہو گئے اور ان کے بچے امریکہ اور کینیڈا میں منتقل ہو گئے لیکن جب نائن الیون کا سانحہ ہوا تو وہاں ان کی زندگی مشکلات کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہ ناول ان مسلمانوں کے لیے جو مغربی معاشرت کی دلدل میں دھنس چکے ہیں اور ایک بار پھر اسلام کی طرف لوٹ آتے ہیں ان کے ذریعے غیر مسلموں کے لیے اسلام کی تفہیم کا سبب بن جاتا ہے۔ اس ناول میں عالمگیریت کے اہم موضوع تہذیب و معاشرت ہیں۔ یہ ناول جہاں پنجاب کی قدیم معاشرت کو پیش کرتا ہے وہیں وہ امریکہ کی معاشرت جو پوری دنیا پر مسلط ہونا چاہتی ہے اس کا بیان بھی کرتا ہے۔ اس ناول کے حوالے سے رفعت رفیق اپنے مقالے میں لکھتی ہیں۔

> بلاشبہ خس و خاشاک زمانہ ایک بڑا ناول ہے۔ یہ ناول وسیع کینوس کا حامل ہے۔ جو تین نسلوں کی داستان حیات کو موضوع بناتا ہے۔ مکانی اعتبار سے قیام پاکستان قبل کے پنجاب کے کچھ دیہات لاہور شہر کی زندگی کے ساتھ ساتھ امریکہ اور کینیڈا تک پھیلا ہوا ہے۔ ناول کے

کردار انعام اللہ، موتی جب امریکا کینیڈا منتقل ہوتے ہیں تو وہاں کی تہذیب و معاشرت کو قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ (۵۹)

یہی مغربی تہذیب ہے جو پوری دنیا میں میڈیا خوشنما بنا کر پیش کر رہا ہے اور دور دراز کے ملکوں میں رہنے والے مغربیوں سے زیادہ مغربی ہو جاتے ہیں اور عالمگیریت کے سیلاب میں بہہ کر اپنے اصلی نقوش کو مٹا چکے ہیں۔ یہاں کے رہنے والے مغربی اطوار کی نقالی پر فخر کرتے ہیں۔ انہیں نہیں معلوم کہ عالمگیریت جس ثقافت کا غلبہ چاہتی ہے وہ مقامی ثقافتوں کی قیمت پر ہو گا۔

مستنصر حسین تارڑ کا ایک اور ناول "قلعہ جنگی" بھی ہے۔ یہ ناول انہوں نے امریکہ اور افغان جنگ کے پس منظر میں لکھا جو نائن الیون کا ہی تسلسل ہے۔ اس ناول کی کہانی افغانستان کے شہر مزار شریف کے نزدیک ایک قلعہ جنگی کی چھت پر امریکی بی باون طیاروں کی بمباری سے ہتھیار ڈالنے والے مجاہدین کے ہاتھ باندھ کر بموں سے اڑائے جانے سے شروع ہوتی ہے۔ ایسے میں سات مجاہد اس قلعہ جنگی کے تہہ خانے میں شدید زخمی ہو کر گر جاتے ہیں۔ ان کا تعلق مختلف علاقوں سے ہے۔ اس ناول میں ان کرداروں کی بین الا قوامیت بھی عالمگیریت کا بہت بڑا اشارہ ہے۔ ایک جگہ پر مختلف ممالک کے مجاہدین کو اکٹھا کر کے ان کے سماجی پس منظر، ان کے طرز عمل اور الگ الگ نظریات کے ذریعے مستنصر حسین تارڑ نے اپنے موضوع کو ہمہ گیر وسعت عطا کی۔

دہشت گردی کی بڑی وجہ مقامی اور بین الاقوامی سطح پر لوگوں کی خود مختاری سلب کرنا بھی ہے۔ مقامی حکومتیں اور بین الاقوامی ادارے جب لوگوں کے حقوق سلب کرتے ہیں تو لوگ احتجاج کرتے ہیں۔ وہ اپنے مقامی اور روایتی انداز فکر کو پسند کرتے ہیں۔ چاہے وہ حکومت یا بین الاقوامی پسند کرے یا نہ کرے۔

بانو قدسیہ کا ایک ناول "حاصل گھاٹ" بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں نائن الیون کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس ناول میں ایسے خاندان کی کہانی بیان کی گئی ہے جو پاکستان سے امریکا منتقل ہوتی ہے۔ یہ ناول ناسٹلجیا کے احساس کو نمایاں کرتے ہوئے فلش بیک کی تکنیک میں لکھا گیا ہے۔ بانو قدسیہ نے مشرق اور مغرب

کے فرق کو بیان کرتے ہوئے مذہبی فلسفی کو وجہ قرار دیتی ہے جو پاکستان معاشرے میں افراد کی ذہن سازی کرتے ہیں۔ مشرق و مغرب کا موازنہ کرتے وقت دراصل وہ اس تہذیب و تصادم کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو عالمگیریت کی تحریک اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ اس تحریک کے نتائج کیا ہوں گے اس کو سمجھنے میں یہ تہذیبی موازنہ رہنمائی کرتا ہے۔ امریکی معاشرہ سرمایہ دارانہ معاشرہ ہے اس معاشرے کی اپنی رسوم و رواج اور اخلاقیات ہیں۔

نائن الیون یا امریکہ میں موجود عالمی ٹریڈ سنٹر پر حملے کے بعد عالمگیریت کے عمل میں بہت تیزی آئی اکیسویں صدی میں تخلیق کیے جانے والے ادب کا زیادہ تر موضوع نائن الیون ہے اردو کے ادیبوں نے اس واقعہ کے بعد بدلتی ہوئی صورتحال کا جائزہ لیا اور اپنی تحریروں میں پیش کیا۔

نائن الیون کے علاوہ میڈیا کی پیش کش بھی اردو ناولوں میں پیش کیا گئی ہے۔ عالمگیریت کو پھیلانے میں میڈیا کا کردار نمایاں ہے۔ میڈیا کی وجہ سے نظریات، افکار، تحریکیں، خیالات اور معلومات ایک جگہ سے دوسری جگہ بلکہ دنیا کے کسی بھی کونے میں پہنچنا ممکن ہو گیا ہے بلکہ اس کی رفتار میں بھی بہت تیزی آ گئی ہے۔ میڈیا، ریڈیو، اخبارات، کیبل نیٹ ورک، ٹی وی، انٹرنیٹ، سوشل میڈیا نے لوگوں کی ذہن سازی کی۔ دنیا بھر کے سیاستدان، فلاسفر، شعراء و ادبا اپنے خیالات و افکار اور اپنی تخلیقات کی تشہیر کے لیے میڈیا کو استعمال کرتے ہیں میڈیا عوام کی ذہن سازی کرتا ہے اور پروپیگنڈے کے زور پر غلط کو صحیح ثابت کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ نائن الیون کے بعد امریکہ کے شہریوں میں مسلمانوں خلاف نفرت کو ہوا دینے اور مسلمانوں کو بے قصور قرار دینے، بے گناہ لوگوں کو بے گھر کرنے والی قراردادیں منظور کروانے میں یہی میڈیا ہی نے کردار ادا کیا اور پروپیگنڈہ کے ذریعے لوگوں کو حکومتی پالیسیوں کا ہم نوا بنایا۔

میڈیا اور ذرائع ابلاغ کی پیش کش اہم موضوع کے طور پر گی گئی ہے اس کے علاوہ سائبر ورلڈ جس سے مراد کمپیوٹر کی دنیا ہے اس میں موبائل فون، کیبل ٹی وی نیٹ ورکنگ، سیٹلائیٹ، انٹرنیٹ، نشریات وغیرہ شامل ہیں۔ سائبر ورلڈ نے بہت کم عرصے میں ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ تمام کرہ ارض پر ادب سمیت کسی بھی شعبے اور فرد کے لیے سائبر ورلڈ میں اطلاعات کے سب سے بڑے خداوند کے وجود سے انکار

ممکن نہیں۔ اردو میں سائبر کا موضوع نسبتاً نیا ہے لیکن انگریزی میں اس کی تاریخ کئی دہائیوں تک پھیلی ہوئی ہے لیکن ہمارے ہاں کمپیوٹر ۹۰ کی دہائی میں متعارف ہوا اور جوں جوں زندگی میں اس کا استعمال بڑھتا گیا ویسے ہی ادب میں بھی اس کا ورود ہوتا چلا گیا۔ یہ موضوع عالمگیریت ہی کے زیر اثر ادب کا حصہ بنا ہے۔ مرزا اطہر بیگ کا ناول 'صفر سے ایک تک' سائبر ورلڈ کی داستان ہے اس کا ضمنی عنوان "سائیبر سپیس منشی کی سرگزشت" اشارہ کرتا ہے کہ ناول کا تعلق کمپیوٹر کی دنیا سے ہے۔ اس میں ایک منشی جو جدی پشتی منشی ہے اس کے ایک خاندان کے فرد "ذکی کی زبانی" اس کی آپ بیتی کو بیان کیا گیا ہے۔ وہ ایک جاگیر دار کے بیٹے فیضان سالار کے ساتھ پڑھنے آتا ہے لاہور میں ایچی سن کالج میں داخل ہوتا ہے اور ذکی کو ایک معمولی قسم کے کمپیوٹر کے کالج میں داخلہ لینا پڑتا ہے۔ وہ اپنی صلاحیتوں سے کمپیوٹر میں مہارت حاصل کرتا ہے اور اس معاملے میں فیضان سالار کی ضرورت بن جاتا ہے۔ اس عمل سے وہ بہت پر اعتماد ہو جاتا ہے اور فیضان کے لیے معلومات حاصل کرنے کے لیے پاکستانی بزنس مین کی فرانسیسی عورت سے پیدا ہونے والی بیٹی زلیخا خلیجی سے متعارف ہوا ہے۔ زلیخا خلیجی اپنی مغربی تربیت کی وجہ سے سالاروں کی روایتی طور طریقوں اور ان کے بھولے پن کو پسند نہیں کرتی اور اس سے غیر سالار ہونے کی وجہ سے اہمیت دیتی ہے اور باتوں باتوں میں وہ اس سے سالاروں کی اصلیت دریافت کرتی ہے۔ یہی سوالات ان دونوں کے درمیان تعلق کی وجہ بن جاتے ہیں اور زلیخا کے فرانس چلے جانے کے بعد بھی ان کا تعلق قائم رہتا ہے۔ ان کا رابطہ ای میل اور چیٹ کے ذریعے ہوتا ہے۔ یہی وہ ذریعہ ہے جو ناول کو سائبر کی طلسماتی دنیا سے جوڑتا ہے اس بات پر سالار اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور اسے پرانے کمپیوٹر ٹھیک کروانے پر لگا دیتا ہے۔ اس دوران وہ اپنے گاؤں میں کمپیوٹر لے جاتا ہے اور اپنے والد کو بھی کمپیوٹر سکھا دیتا ہے اور آہستہ آہستہ وہ سال ہا سال کے حساب کتاب کو کمپیوٹر کی سائبر سپیس میں فیڈ کر لیتا ہے۔ اس کی وجہ سے نیا منشی آنے پر وہ تمام بستے اسے دینے کو باوجود بھی اپنی خاندانی میراث کی حفاظت کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ مرزا اطہر بیگ ولیم گبسن کی متعین کردہ تعریف کی توسیع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

سائبر سپیس جو دنیا بھر کے کمپیوٹروں کے ادغام سے جنم لینے والا لامکاں ہے اور جس میں سفر کا آغاز کرنے کے لیے آپ انٹرنیٹ کے برقیاتی دروازے پر اپنے ماؤس کی کلک سے دستک دیتے ہیں اور پھر digital pulse کی گاڑی پر سوار ہو کر منزلیں طے کرتے جاتے ہیں۔ [۶۰]

ملٹی نیشنل کمپنیاں عالمگیریت کی آڑ میں جو کھیل کھیل رہی ہیں اس کو مرزا اطہر بیگ نے کھل کر بیان کر دیا ہے ان کا سب سے مقصد منافع ہے۔ اس منافع کے مقصد کو فیضان سالار کے کردار کے ذریعے اپنے خیالات کو بیان کیا ہے۔ اس ناول کا لسانی مطالعہ بھی عالمگیریت کے اثرات کو بیان کرتا ہے۔ کمپیوٹر سے متعلق اصطلاحات، الفاظ عبارت میں عام ملتے ہیں۔ عالمگیریت کے معاشی، لسانی اور سماجی اثرات اکیسویں صدی کے دیگر ناول نگاروں کے مقابلے میں واضح طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ یہ ناول عالمگیریت کے مطالعے میں معاون ہے اور عالمگیریت کے پس پردہ مقاصد کو بھی واضح کرتا ہے۔

مغربی ادب کے تتبع میں اردو ادب میں بھی اب سائبر کا موضوع تیزی سے داخل ہو رہا ہے اور جزوی اور کلی طور پر جدید تخلیقات کا حصہ بن رہا ہے۔ اس کی وجہ سے نئی نئی اصطلاحات، الفاظ اور اس کے متعلقات سامنے آئے ہیں اور ادب میں بھی ان کا استعمال ممکن ہوا ہے۔ مرزا اطہر بیگ کے علاوہ "حاصل گھاٹ" میں بانو قدسیہ کمپیوٹر کے حوالے سے لکھتی ہیں۔

آج ترقی کے عہد میں بہت سے نئے الفاظ در آئے ہیں۔ کمپیوٹر، فون، کریڈٹ کارڈ، سی ڈی، ٹیلی ویژن، ای میل، مائیکرو اون لیکن ان اشیاء کے در پردہ جو الجھنیں، تاویلیں، نظریے، جو از پیدا ہو رہے ہیں اور زندگی میں نئے ایجادات و آلات کے باعث جو دھارا بہہ رہا ہے اس کی اصلاحات ابھی مکمل اور عام نہیں۔ افقی سوچ، منفی زاویے، ڈیزائن، ورلڈ آرڈر، ہیومن رائٹس سسٹم، گڈ گورنس، ڈیموکریسی، ڈیزائنز، کپڑے ایسی بے شمار اصلاحات نئی ہیں۔ [۶۱]

عالمگیریت کا اہم مظہر کمپیوٹر ہے۔ انٹرنیٹ بھی کمپیوٹر کی شاخ ہے۔ عالمگیریت کے تناظر میں موجودہ زندگی کا سارا نظام کمپیوٹر پر منحصر ہے۔ ادب میں بھی اس کا ورود سے انکار ممکن نہیں۔ موجودہ دور میں لکھے

جانے والے ادب میں کمپیوٹر اور اس کے متعلقات کا ذکر شد و مد سے ہو رہا ہے اور اس کا استعمال بڑھنے کی وجہ سے ادب میں بھی اس کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے اس کے فوائد بھی ہیں لیکن ساتھ ساتھ نقصانات بھی ہیں۔

عالمگیریت کے تحت جدید لکھے جانے والے ناولوں کے اہم موضوعات میں ایک اہم موضوع تارکین وطن کی ثقافت کا ہے۔ مختلف ممالک میں کام کرنے والے لوگ یا کسی بھی وجہ سے مقیم لوگ جب اپنے ملک واپس جاتے ہیں تو وہ اس ملک کی ثقافت کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور ثقافت کے لیے بطور آلہ کے طور پر کام کرتے ہیں۔ ایک مخصوص جگہ پر کسی نہ کسی وجہ سے اکٹھے ہونے کی وجہ سے عالمگیر معاشرہ وجود میں آ جاتا ہے۔ اس میں مقامی ثقافتیں مل کر ایک بڑی عالمگیر ثقافت میں ضم ہو کر بین الاقوامی معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں۔ اردو کے نثری ادب میں یہ ایک اہم موضوع ہے۔ حسن منظر نے اپنے ناول "دھنی بخش کے بیٹے" میں اس کا اظہار کیا ہے۔ بانو قدسیہ نے بھی اپنے ناولوں میں اس کا اظہار کیا ہے۔

تارکین وطن کے موضوع کے علاوہ دیگر معاشروں کو بھی اردو ادب میں پیش کیا جا رہا ہے۔ عالمگیریت کے باعث ادب میں آنے والے پھیلاؤ نے دنیا کو ادب کے قارئین کے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔ دیگر معاشروں اور ملکوں کی معاشرت، رسوم و رواج، تہوار، طرز حیات کا ذکر اب ناولوں میں ملتا ہے۔ اب بین الاقوامی آمد و رفت بڑھ جانے کے باعث ادب میں دیگر معاشروں کے بارے میں معلومات اور وہاں بسنے والوں کی زندگی کی پیش کش بڑھ گئی ہے۔ اردو ادب کے ناولوں میں دیگر معاشروں اور علاقوں کا احوال درج ہے اور مقامی لوگ بین الاقوامی تہذیبوں سے روشناس ہو رہے ہیں علاوہ ازیں جو مصنف دوسرے ممالک کا دورہ کرتے ہیں وہاں کی تہذیب و معاشرت کا براہ راست مشاہدہ کرنے کے بعد اپنی تخلیقات کا حصہ بناتے ہیں۔

> جان ایف کینیڈی انٹرنیشنل ایئر پورٹ کے ماتھے میں نصب شیشے کے شفاف ان دروازوں کے پار جو نیو پارک پر کھلتے تھے۔ ایک اجنبی شہر خاموشاں تیزی سے حرکت کرتا دکھائی دیتا تھا۔۔ وہ آخری مسافر تھا جو امیگرشن کا کاونٹر کسٹم سے فارغ ہو کر اپنے سیاہ بیگ میں دفن کر بائیو گرافی آف اے باسٹرز کی جلدوں کا بوجھ محسوس کرتے ابھی تک ایک سہمے ہوئے بچے کی مانند چمکیلے فرش پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ [۶۲]

حسن منظر کے ناولوں کا منظر نامہ بھی بین الاقوامی ہے۔ انہوں نے اپنے ناول "العاصفہ" میں عربوں کی زندگی کو موضوع بنایا۔ حسن منظر ملازمت کے سلسلے میں مختلف ممالک میں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ وہاں کے رہن سہن سے واقفیت رکھتے ہیں اور ان کو اپنی تخلیقات کا حصہ بناتے ہیں۔ دھنی بخش کے بیٹے میں انہوں نے سندھ کی معاشرت کے ساتھ ساتھ امریکہ کی تہذیب و معاشرت کو بھی بیان کیا ہے۔ ان کے ناولوں میں دیگر معاشروں کی پیش کش نہایت موثر انداز میں ہوئی ہے جس سے قاری کو ان معاشروں سے آگاہی ملتی ہے اور عالمگیریت کی وجہ سے ان معاشروں میں جو تبدیلی آئی ہے ساتھ ہی ساتھ ان معاشروں کی پیش کش اور ان سے شناسائی کے بجائے خود عالم گیریت کی طرف پیش قدمی ہے۔

عالمگیریت کے سب سے اہم مظہر جدید طرز حیات ہے جو دنیا بھر میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ موجود ہے۔ جدید طرز حیات میں بہت سے پہلو یکساں ہیں جس کے باعث کسی معاشرے یا ملک کی تفریق نہیں کی جا سکتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک اس نظام کی باگ دوڑ سنبھالے ہوئے ہیں اور ان کا اثر جدید زندگی پر بہت زیادہ ہے۔ دور حاضر میں امریکہ سپر پاور ہے اسی وجہ سے امریکہ کی معاشرت کا اثر جدید دور میں تمام معاشروں پر پڑ رہا ہے اس بات کا اظہار جدید ادب میں کیا جا رہا ہے۔ جو عالمگیریت کے زیر اثر جو ادب لکھا جا رہا ہے۔ بانو قدسیہ لکھتی ہیں۔

> امریکہ کی جدیدیت پرانے کلچروں کو کھا گئی۔ امریکہ کی ہسٹری ان کی سڑکیں اور بازار ہیں۔
> ان کی امریکن زبان ساری زبانوں کو اکھڑے میں پچھاڑ چکی ہے۔ (۶۳)

عالمگیریت کے نام پر جو ترقی پذیر ممالک کا استحصال کیا جا رہا ہے۔ وہی استحصال "مٹی آدم کھاتی ہے" میں بیان ہوا ہے۔ یہ اکیسویں صدی میں لکھا جانے والے اہم ناول ہے اس میں بنگالیوں کا جو استحصال کیا گیا اس کو بیان کیا گیا ہے۔ اس استحصال نے بنگالیوں کے اندر محرومی اور بغاوت کا جذبہ پیدا کیا۔ عالمگیریت کے باعث ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر یا غریب ممالک کا استحصال کر رہے ہیں۔ استحصال، عالمگیریت اور اس ناول کی قدر مشترک ہے۔ اسی طرح مرزا اطہر بیگ کا ناول "غلام باغ" کا بنیادی موضوع استحصال اور تسلط ہے۔ اس کے ضمنی موضوع میں مابعد نو آبادیاتی مطالعہ بھی ہے۔ انگریز حکمرانوں نے اپنا تسلط برقرار رکھنے کے لیے جس

طرح مقامی لوگوں کا استحصال کیا اس استحصال نے مقامی لوگوں کی نفسیات میں الجھنوں کو جنم دیا۔ مقامی لوگ انگریزوں سے متاثر بھی تھے لیکن اس کے پیچھے کہیں نفرت بھی تھی۔ اس ناول کا موضوع اور عالمگیریت میں تسلط اور معاشی استحصال مشترک ہیں۔ ایک طرف استحصال نے جہاں لوگوں میں نفرت کو جنم دیا وہاں پر امیر طبقے نے جو انگریزوں کے تابعدار تھے اس تابعداری کے باعث ان پر دولت کے دروازے کھول دیے گئے۔ یہ وہی لوگ تھے جنھیں نذیر احمد نے ابن الوقت کا نام دیا جو انگریزوں کی تقلید کو اپنی کامیابی سمجھتے تھے۔ آج عالمگیریت کے اس دور میں بھی مغربی تہذیب کی تقلید ماڈرن اور لبرل ہونے کی علامت ہے اور لوگ بڑے فخر سے مغربی تہذیب کے مظاہر کو اپنا رہے ہیں اور اس کی پیروی میں فلاح دنیا پاتے ہیں۔

عالمگیریت کے باعث ہی اب اسی انگریزوں کی نقالی پر فخر محسوس کیا جا رہا ہے۔ انگریزی بولنا، مغربی لباس پہننا ماڈرن ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے اس کے علاوہ سرمائے کے غیر مساوی بہاؤ کے باعث معاشرے میں مختلف طبقات پیدا ہو گئے ہیں۔ زمینداری معاشرہ اب رفتہ رفتہ سرمایہ دار معاشرے میں تبدیل ہو رہا ہے اور اپنی قدیم روایات کو ترک کر کے جدید دنیا سے ہم قدم ہونے کے لیے کوشاں ہے۔ اس حوالے سے خالدہ حسین اپنے ناول کاغذی گھاٹ میں لکھتی ہیں۔

> یہ گویا اعلیٰ طبقہ تھا جو چیونگم چبا چبا کر انگریزی سلینگ بولتا تھا اور دوسروں پر حقارت کی نظر ڈالتا تھا۔ عام طور پر یہ لڑکیاں کالج کی بجائے اپنی لمبی لمبی گاڑیوں میں آتی جاتیں ان میں سے زیادہ کا تعلق زمینداری گھرانوں سے تھا یہ یہاں کے قدیم لوگ تھے جو اپنے بیٹوں کو یورپ، برطانیہ اور بیٹیوں کو انگریزی اداروں میں تعلیم دلواتے تھے۔ (۶۴)

عالمگیریت کے باعث دنیا کی عادات خوراک کو بھی تبدیل کر دیا ہے۔ فاسٹ فوڈ اب دنیا بھر میں یکساں طور پر مروج ہے نہ صرف ترقی یافتہ ممالک بلکہ غریب ترین ممالک میں بھی خوراک کے عالمی برانڈ میسر ہیں۔ پیپسی، کوکا کولا کی مثال اس حوالے سے اہم ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ملکوں کی مقامی ڈشز اب دنیا بھر میں متعارف کروائی جا رہی ہیں۔ نظریات اور معاشیات کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کی عادات بھی عالمگیریت کا شکار ہو گئی ہیں۔ ہماری نئی نسل بہت سے مغربی کھانوں کی طرف رجوع کر رہی ہے اور اس دلچسپی کے باعث

روایتی کھانوں میں کمی آرہی ہے۔ ہمارے کھانے کا طریقہ بھی مغربی طریقے سے مختلف ہے۔ ہم صبح، دوپہر اور رات کے اوقات میں کھانا کھاتے ہیں جب کہ یورپی اور دیگر ممالک کے کھانوں اور وہاں کے انداز کا ذکر جو اردو ادب میں کیا جاتا ہے اور جس طرح اس کی تصویر کشی کی جاتی ہے وہ مختلف ہے۔ اس کے علاوہ ان کے ریستورانوں اور اشیائے خوردونوش کی عالمی سطح پر متعارف دکانوں اور برانڈ کا حوالہ بھی کھانوں کے ساتھ ساتھ ملتا ہے۔ جس طرح بانو قدسیہ کے ناول "حاصل گھاٹ" میں اس کا ذکر ہے۔

> بچے بھی کارن فلیکس ہنی فلیکس اور قسم قسم کے cereals کو چباتے پھرتے ہیں۔ فاسٹ فوڈ پر امریکی زندہ رہتے ہیں۔ میکڈونلڈ، کے ایف سی، کنگ برگر اور ایسی ہی کئی فوڈ chains آپ کو جگہ جگہ نظر آئیں گی۔۔۔ کام کرنے والے کے پاس پکانے کا وقت نہیں ہوتا اسی لیے وہ فاسٹ کھانے ہی کھا سکتا ہے۔ (۶۵)

عالمگیریت کے باعث یہ خوراک اب ہر جگہ پہنچ گئی ہے اور مقامی کھانوں پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ حتیٰ کہ کھانے پینے کے بارے میں محاورے اور روزمرہ بھی تشکیل پا کر عالمگیریت کو اپنے اندر سمیٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس طرح کھانے پینے کی پارٹیاں، جشن اور تقریبات بھی مغربی انداز میں کی جانے لگی ہیں اور ان پارٹیوں میں صرف انداز اور طریقہ کار ہی مغربی نہیں اپنایا جاتا بلکہ اس کا مینیو Menu بھی وہی رکھا جاتا ہے۔ جیسا دیگر ممالک میں رکھا جاتا ہے پارٹیوں کے علاوہ ہمارے گھروں میں بھی اب عالمگیریت کے باعث بہت تبدیلیاں آگئی ہیں اب گھروں میں ڈائننگ روم کا اہتمام ضروری سمجھا جانے لگا ہے کیونکہ کھانے کا مغربی انداز اپناتے ہوئے اب ٹیبل پر کھانا کھانے کی عادت ڈال چکے ہیں یہ اب ادب میں بھی اپنی جھلک دکھاتا ہے کیونکہ ادب میں بھی معاشرے کی ہی عکاسی کی جاتی ہے۔

اردو ادب نے دیگر زبانوں اور ان کے ادب سے بہت کچھ قبول کیا ہے۔ عالمگیریت کے باعث اب دیگر زبانوں کے ادب تک رسائی آسان ہو گئی ہے خاص طور پر تراجم کی وساطت سے دیگر زبانوں کا ادب ہم تک پہنچا ہے اور یہ عالمگیریت ہی کا اثر ہے کہ انگریزی، چینی، روسی، لاطینی، فرانسی اور شاید ہی کسی زبان کا ادب ہو جو ہم تک نہ پہنچا ہو۔ مغربی ادب کے تراجم نے اردو ادب میں خاطر خواہ اضافہ کیا ہے اور یہ عالمگیریت ہی کا

اثر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اردو ادب کے بہت سے فن پاروں کو ترجمہ کر کے دیگر زبانوں میں متعارف کروایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بیرون ملک مقیم پاکستانی ادیبوں کو دیکھا جائے تو ان کے موضوعات بھی وہی ہیں جو ہمارے مقامی ہیں۔ مثلاً ایم اسلم جو برطانیہ میں مقیم ہیں ان کا ناول Maps for last lovers میں غیرت کے نام پر قتل ہونے پر مبنی ہے۔

دانیال محی الدین کا ناول Wasted vigil اور محمد حنیف کا ناول A case of Exploding mangoes. صدر ضیاء الحق کے طیارے کی تباہی کے موضوع اور کراچی کی پر تشدد کاروائیوں کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔

اردو میں "کئی چاند تھے سر آسمان" جو شمس الرحمن فاروقی کا ایک اہم ناول ہے۔ یہ ناول اسلامی تہذیب کے پس منظر کو خوبصورتی سے بیان کرتا ہے۔ اس میں موجودہ عالمگیریت کے اثرات موجود نہیں ہیں لیکن قدیم عالمگیریت جو نو آبادیات کی صورت میں تھی وہ پورے ناول میں موجود ہے اور اس عالمگیریت کا اطلاق اس وقت فوج کشی کے ذریعے ہوتا تھا۔ اس عالمگیریت کا مقصد بھی دولت کا حصول تھا اور اس کے لیے فوج کشی کی جاتی تھی جبکہ موجودہ دور میں دولت کے حصول کے دیگر طریقے مثلاً تہذیب و ثقافت اور جمہوریت ہیں ان کے ذریعے دنیا کے وسائل لوٹ کر اپنی تجوریاں بھری جا رہی ہیں۔

اکیسویں صدی کے ایک اور ناول نگار اختر رضا سلیمی ہیں۔ ان کا ناول جندر جو بنیادی طور پر سوانحی ناول ہے اس میں انہوں نے دیہی معاشرے کی خوب صورتی کو بیان کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ ناول ایک المیہ ہے مٹتی ہوئی تہذیبی اقدار اور روایات کا جنہیں ٹیکنالوجی کے نام پر عالمگیر تہذیب نگلتی جا رہی ہے اور ان تہذیب اور اقدار سے وابستہ افراد بھی خاموشی سے معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس ٹیکنالوجی کی آمد سے قبل لوگ کس طرح مل جل کر رہتے تھے اور ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے تھے اس ناول میں اس کی عمدہ مثالیں پیش ہوئی ہیں۔ صنعتی ترقی کے باعث مشینوں کی آمد نے کسانوں اور دیہاتی معاشرت میں مل جل کر زندگی بسر کرنے والوں کے باہمی رشتوں کو کمزور کر دیا ہے۔ ان کی آمد سے قبل تنہائی انسان کا مقدر نہیں تھی بلکہ سب لوگ اکھٹے زندگی گزارتے تھے لیکن چونکہ اب پرانی تہذیب ختم ہوتی جا رہی ہے اور اس کی جگہ نئی

تہذیب بلکہ مغربی تہذیب نے لے لی ہیں اور اس دور میں قدیم تہذیب سے وابستہ لوگوں کی جگہ نہیں ہے۔ نئی تہذیب خود مختار اور سنگدل ہے۔ اس دور میں ایک باپ بیٹا بھی ایک دوسرے سے بے خبر اپنی زندگی میں مگن ہیں جبکہ ان مشینوں کی آمد سے قبل ایسے حالات نہیں تھے۔ اس حوالے سے اختر رضا سلیمی اپنے ناول میں لکھتے ہیں۔

> ٹریکٹر اور اس سے وابستہ مشینوں نے آدمی کو پہلے زمین کی اور بالآخر آپس کی جڑت سے آزاد کر دیا۔ اب ہر آدمی آزاد اور خود مختار ہے۔ یہ خود مختاری غیر محسوس طریقے سے لوگوں کی رگوں میں دوڑنے لگی اور لوگ ایک دوسرے سے کٹتے چلے گئے۔ اگلے چند سالوں میں شادی بیاہ اور ماتم وغیرہ کے لیے برتن بھی، جو پہلے تمام گاؤں کے گھروں سے اکٹھے کیے جاتے تھے ٹینٹ سروس سے آنے لگے اور قبریں مزدوری پر کھودی جانے لگی۔ (۶۶)

اختر رضا سلیمی کو اس بات کا احساس ہے کہ یہ محض ٹیکنالوجی کی آمد نہیں ہے بلکہ یہ ایک طرح سے تہذیب کا خاتمہ ہے۔

اکیسویں صدی کے تمام ناول نگاروں کے ہاں عالمگیریت کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے ۔عالمگیریت کا عمل ہمارے معاشرے میں تیزی سے سرایت کر گیا ہے۔ ادیب چونکہ معاشرے کا ہی حصہ ہوتے ہیں اور معاشرے میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو یہ اپنا موضوع بناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عالمگیریت کے اس عمل کو بھی ہمارے ناول نگاروں نے محسوس کیا اور ان کو اپنی تخلیقات میں پیش کیا۔ انہوں نے مغربی دنیا سے انداز فکر، فلسفہ، دیگر انسانی اور سماجی و ادبی مظاہر کو قبول کیا ہے اور اردو کے قارئین کو اس سے روشناس کرایا ہے جو دنیا بھر کو قریب لا کر ان میں یکسانیت پیدا کر رہی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر عرفان احسن پاشا لکھتے ہیں۔

> ہمارے تخلیق کار اور ناقدین عالمگیریت کی روایت سے پوری طرح مربوط ہیں اور وہ عالمگیریت کے ماتحت ہونے والی تبدیلیوں کو اردو ادب اور تنقید میں سمو کر اہم عصری تقاضے

نبھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔۔۔۔اس کے علاوہ دیگر زبانوں کے ادب سے ہونے والے اردو تراجم نے بھی اردو نثر کا کینوس وسیع کیا ہے۔ (۶۷)

عالمگیریت کے اس دور میں ہمارے ادیبوں نے ان موضوعات کو اپنے ناولوں میں پیش کیا ہے جن کا تعلق بین الاقوامی فکر اور عالمی طرز احساس سے ہے۔ ان موضوعات کی وجہ سے ادب میں عالمگیریت کی صورت گری ہوتی ہے۔

دنیائے ادب کی ہر تحریک اور رجحان کو سنجیدہ ادب نے اپنی تحریروں میں سمویا ہے۔ اس طرح عالمگیریت کا تصور ہمیشہ سے ادب میں موجود تھا اور ہمیشہ موجود رہے گا لیکن عالمگیریت کے باعث موجودہ دور میں جو تبدیلیاں آرہی ہیں ان کو ہمارے ادیبوں نے اپنی تحریروں میں پیش کیا ہے اور موضوعاتی حوالے ایسے موضوعات کا انتخاب کیا ہے جن کا تعلق عالمگیر معاشروں سے ہے ۔ جس طرح ہر نظام فکر کے اثرات معاشرے پر اور پھر ادب پر پڑتے ہیں اسی طرح عالمگیریت کے اثرات بھی ادب میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ہمارے جدید دور کے ناول نگاروں کے موضوعات عالمگیری ہیں۔ عالمگیریت کوئی فکری تحریک یا رجحان نہیں ہے لیکن اس نے زندگی کے ہر شعبے پر اپنے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس حوالے سے رخسانہ بلوچ اپنے ایک مضمون ”عالمگیریت مشرق و مغرب میں تفاوت“ میں لکھتی ہیں۔

> ہر نظام فکر و سیاست کے اثرات زندگی کے تمام شعبوں پر پڑتے ہیں۔ اس طرح عالمگیریت کے اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ یہ اثرات ادب میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ ادب میں زندگی کے تمام دھارے آکر سمٹ جاتے ہیں۔ ادب میں عالمگیریت کا مفہوم بدل جاتا ہے آفاقیت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اگرچہ آج جو عالمگیریت کا مفہوم لیا جاتا ہے وہ ادب کے ذریعے پیدا نہیں ہوئی لیکن اس کا ادب پر اثر ضرور پڑا ہے۔ (۶۸)

جدید ناولوں پر نہ صرف فکری اور موضوعاتی حوالے سے بھی عالمگیریت کے اثرات مرتب ہوتے ہیں بلکہ جدید ناولوں میں ہیئت اور تکنیک کے نت نئے تجربات ہو رہے ہیں۔ ادب میں تجربات اور ادب کی نئی بنت کا سلسلہ مغرب میں کافی عرصے سے جاری ہے لیکن جدید دور میں اس عمل میں بہت تیزی آئی ہے اور

اردو ادیب اس سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ اس کے باعث اردو ادب میں بھی تکنیک اور اسلوب کے نت نئے تجربات ہو رہے ہیں۔ اردو ادیبوں نے عالمگیریت کے باعث مغربی ادیبوں سے اثرات قبول کیے ہیں۔ اردو زبان میں دیگر زبانوں کے الفاظ کے شامل ہونے کا سلسلہ بہت پرانا ہے لیکن عالمگیریت کے باعث اس عمل میں بہت تیزی آگئی ہے۔ نئے نئے الفاظ و تراکیب اب اردو زبان کا حصہ بن رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مقامی بولیوں کے الفاظ بھی شعوری اور لاشعوری طور پر شامل ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹر رشید امجد کے بقول

> تبدیلی تو دنیا بھر میں ہو رہی ہے لیکن بجائے خوفزدہ ہونے کے خود کو اس کے مطابق تیار کرنا چاہیے۔ اب تو ادب انٹرنیٹ پر فیڈ ہو رہا ہے۔ اصل بات تو اظہار اور قاری یا ناظر تک پہنچنے کی ہے۔ کتاب بجائے سکرین یا کمپیوٹر کا نیٹ ورک کر رہا ہے تو ٹھیک ہے۔ (۶۹)

اردو ناولوں کو اگر دیکھا جائے تو وہ یورپی اور امریکی ناول اور ناول نگاروں کے اثرات پہنچے ہیں اور اردو کے ناول نگاروں نے جدید ناولوں میں ہیت، اسلوب اور تکنیک اور دیگر فنی لوازم کو اپنی تحریروں کا حصہ بنایا ہے جس کی وجہ سے اردو کے جدید ناولوں میں مغرب کے ناولوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ عالمگیریت کے باعث اور تراجم کی سہولیات کے پیش نظر ان تجربات سے استفادہ کرنا آسان ہو گیا ہے اور فکری اور فنی حوالے سے اردو ناولوں نے استفادہ کر کے اردو ناولوں کو ترتیب و تنظیم سے آراستہ کیا ہے۔ بقول ڈاکٹر ممتاز احمد خان:

> کچھ تو خارجی حالات اور کچھ یورپی اور امریکی ناول کی یلغار نے جہاں ہمارے ناول کو ہیئتی، تکنیکی، اسلوبیاتی انتشار سے دوچار کیا وہاں اس کو تربیت و تنظیم اور فنی سلیقے سے بھی آراستہ کیا ہے۔ (۷۰)

عالمگیریت کے باعث اردو زبان میں بیرونی ممالک کی زبانوں کے الفاظ کا استعمال بہت بڑھ گیا ہے۔ ہر ادیب کے ہاں یہ عمل پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر معاشروں اور ممالک کی جو چیزیں آتی ہیں وہ اپنے اسی نام کے ساتھ آتی ہیں جو اس ملک یا معاشرے میں تھا یہی وجہ ہے کہ مغرب سے درآمد ہونے والی اشیاء کے نام بھی اردو میں شامل ہو رہے ہیں۔ ان اشیاء کو اردو کا نیا نام دینے کے بجائے انہی ناموں سے پکارا جا رہا ہے جو ان ممالک میں دیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اردو میں بیشتر یورپی اشیاء اور ان کے برانڈز کے نام موجود ہیں۔ اس کی

بدولت ہمارے اور دیگر ممالک کے درمیان ایک جزوی سا اشتراک پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے اور یہ اشتراک ادب میں بھی جلوہ گر ہو رہا ہے۔ بانو قدسیہ اپنے ناول "حاصل گھاٹ" میں لکھتی ہیں

امریکہ میں شکل کو مغربی معیار پر ڈھالنے کے لیے بال اور رنگ بدلنے کے لیے کریم، لوشن، ہیر ڈائی کی پوری انڈسٹری اٹھ کھڑی ہوتی ہے[۷۱]

عالمگیریت کے تحت اب ایک ایسی زبان بن چکی ہے جس میں دیگر زبانوں کے کلیوں اور قاعدوں کو ادھر کے کلیوں اور قاعدوں کو دیگر زبانوں کے قواعد کے ساتھ غلط ملط کیا جا رہا ہے۔ مثلاً مرزا اطہر بیگ "صفر سے ایک تک" میں لکھتے ہیں۔ "ایک اور مخفف NPP نظر آیا اور ایسے ہی فضول تجسس میں کہ یہ کیا بلا ہے میں نے کلک کیا اور اصل الفاظ سامنے آ گئے۔"[۷۲]

Naceisstice Personality Disorder اردو ناول نگاروں نے یورپ اور امریکہ کی دیکھا دیکھی ادب میں مقامی لب و لہجہ، سلین، جارگن، کلوکیل لینگویج وغیرہ کا استعمال شروع کیا۔ مغرب میں اس کے تجربات ہوئے اور وہ کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ اردو ناول نگاروں نے ان کی دیکھا دیکھی مقامی انداز و اطوار اور گفتگو اور تحریر کو بھی اسی سانچے میں ڈالا جن کو قارئین پیش کرتے ہیں۔ اردو میں غیر اردو الفاظ کا کثرت سے استعمال ہو رہا ہے۔ یہ مقامی، صوبائی اور ہر سطح پر موجود ہے اور اس کی وجہ سے ایک مخلوط زبان موجودہ دور میں سامنے آ رہی ہے۔ اردو میں پنجابی، سندھی، پشتو، بلوچی وغیرہ کے الفاظ شامل ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی انداز بھی بہت تیزی سے داخل ہو رہا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے اردو کا بیانیہ بہت حد تک پنجابی کے قریب کر دیا ہے۔ وہ پنجابی الفاظ کے استعمال کے ساتھ ساتھ ناولوں اور افسانوں کا پس منظر بھی پنجاب کی مقامی معاشرت ہی ہے۔

ان سب عوامل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادیب ایک ایسی زبان سامنے لا رہے ہیں جو عالمگیر معاشرے میں مروج ہے جس طرح مختلف زبانیں تبدیل ہو رہی ہیں اردو کی تخلیقی زبان بھی تبدیل ہو جائے۔ مغرب

میں اٹھنے والی ہر ادبی تحریک نے اردو ادب کو متاثر کیا ہے جو بھی نئی تکنیک دیگر ممالک میں اختراع ہوئی اردو کے ادیبوں نے بھی اس کو استعمال کیا ہے۔

عالمگیریت کے عمل نے روایتی معاشروں میں جو تبدیلیاں پیدا کی ہیں ان کے باعث وہ تہذیبی اور ثقافتی سطح پر بحران کا شکار ہو گئے اور بنیادی ڈھانچے میں ہونی والی ٹوٹ پھوٹ کا اثر ادب پر بھی پڑا اور ادب کو پیش کیے جانے والے اسلوب پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اردو کے تمام بڑے اور نئے دور کے لکھنے والے ادیبوں کے اسلوب پر عالمگیریت کے اور اس سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں نے اثرات چھوڑے ہیں۔ ان ناول نگاروں میں ایک نام قرۃ العین حیدر کا ہے۔ قرۃ العین حیدر کے ہاں جدید علوم اور جدید تکنیک دونوں مل جاتے ہیں۔ انہوں نے اسلوب کی بناوٹ میں وسعت علمی اور اخلاقانہ اپج کا ثبوت دیا جو تاریخی شعور سے ممکن ہے۔ ان کے اسلوب کی خاص بات عہد گزشتہ کا نوحہ ہے جس نے مکمل اور ترقی یافتہ تہذیب کے وجود کو ختم کر دیا۔ ان اسلوب کے حوالے سے رفعت رفیق لکھتی ہیں۔

> ریفارم، ڈی مورلائز، لیڈیز کانفرنس لٹریچر، پریس سوسائٹی، کلب ممبر شپ، کلچر، آئیڈل، ٹیسی، ارسٹو کریٹ، پیٹرن انچیف جیسے وہ الفاظ ہیں جو مصنفہ نے نوک قلم سے روانی سے نکلتے ہیں۔۔ ان میں سے بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو مروج نہیں اور اردو مترادفات مثلاً زوال پذیر، مخمور اور پرست اعلیٰ جیسے موجود ہیں لیکن کچھ الفاظ ایسے ہیں جن کا چلن سماج میں عام ہو چکا ہے مثلاً لٹریچر، پریس، کلب، کانفرنس وغیرہ لیکن بطور ناول نگار انہوں نے زبان کے سلسلے میں زیادہ احتیاط نہیں برتی یا یہ انگریزی کے ساتھ وابستہ احساس برتری ہے جو انھیں اردو لکھتے ہوئے بھی انگریزی الفاظ و محاورات کے استعمال پر اکساتا ہے۔ انہوں نے ایک ایسا اسلوب تیار کیا جسے اردو انگریزی زبان کا ایک مرکب کہا جاسکتا ہے۔ (۷۳)

شمس الرحمن فاروقی نے ''کئی چاند تھے سر آسمان'' میں اپنے اسلوب کے ذریعے قدیم اور پرانی زبان کو بھی زندہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنے ناول میں قدیم لغات میں خوابیدہ الفاظ کو از سر نو استعمال کیا ہے۔ الفاظ کے ساتھ ساتھ انہوں نے اصطلاحات بھی وہی استعمال کی ہے جو اس خاص زمانے اور علاقے میں رائج تھیں۔

ان اصطلاحات میں وہ اصطلاحات خاص طور پر شامل ہے۔ جو مختلف ہنروں اور افراد کی زبان سے ہیں۔ شمس الرحمن فاروقی نے بہت تحقیق کی ہے اور زبان استعمال کر کے ایسے اسلوب بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں جس میں قدیم زبان بھی زندگی کی حرارت سے مملو ہے اور ہندوستان کی ثقافتی اور تہذیبی زندگی بھی موجود ہے۔

> قلعے کی مردانگی حویلی کے صدر پھاٹک پر گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ آنے والے نے گھوڑے سے اتر کر اس کی باگ محافظ خانے کے ایک سونٹا بردار کے ہاتھ میں دی، کمر میں بندھے ہوئے طپنچے کو سیدھا کیا، گھوڑوں کے قربوس پر سے ایک ململی دستمال لے کر اپنے منھ پونچھا، پھر جوتیوں کے جھاڑا، محافظوں کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ (۷۴)

شمس الرحمن فاروقی کے علاوہ مرزا اطہر بیگ بھی اہم ناول نگار ہیں۔ مرزا اطہر بیگ کا اسلوب نہ صرف نئی تکنیکوں اور تجربات سے مملو ہے۔ بلکہ ان کے ہاں جدید علوم بالخصوص، کمپیوٹر، انٹرنیٹ وغیرہ ایک مسلسل موضوع کی طرح موجود ہیں۔ ''صفر سے ایک تک'' کا موضوع کمپیوٹر اور انٹرنیٹ ہے اور ان کے متعلقات کو انہوں اپنے اسلوب میں ڈھالا ہے۔ ''غلام باغ'' میں انہوں نے استعماری نظام چھوٹ جانے کے باوجود اسی جال میں پھنسی قوم کی بے بسی کو بیان کیا ہے جو عالمگیریت کی صورت میں ایک نیا نظام اپنے اوپر مسلط کیے ہوئے ہیں اور مابعد آبادیاتی عہد میں بھی ذہنی، فکری اور قومی سطح پر تذبذب اور انتشار کا شکار ہیں اردو زبان کے لکھنے والوں کے نہ صرف موضوعات نئے ہیں بلکہ ان کا اسلوب بھی جدید ہے۔

انٹرنیٹ پر کی جانے والی برقی پیغام رسانی جو پیغامات بھیجنے کی جدید اور تیز ترین صورت ہے ای میل اور برقی تحریری گفتگو یا Chat کہلاتی ہے۔ ای میل اور چیٹ جہاں ہمارے بہت سے سماجی عوامل میں مستعمل ہے ادب میں بھی اس کو بطور متن شامل کیا گیا ہے۔ تکنیکی ترقی کی وجہ سے دنیا بھر کا ادب اب انٹرنیٹ پر موجود ہے اور ہر آدمی کی پہنچ میں آ گیا ہے۔ انٹرنیٹ پر دستیاب کتابوں کی وجہ سے اردو کے نثری ادب میں ان مظاہر کی شمولیت ہوئی ہے جس کی وجہ سے کمپیوٹر سے متعلق نشانات، ای میل، علامات اور چیٹ وغیرہ ادب کا حصہ بن گئے ہیں۔

اردو ادب میں مرزا اطہر بیگ نے ”صفر سے ایک تک“ میں ای میل اور انٹرنیٹ دونوں کو ادبی متن میں بیان کیا ہے وہ ای میل کی ماہیت، افادیت، طریقہ کار، اور ترسیل کے بارے میں بھی تفصیل سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> چٹ میرے سامنے پڑی تھی zulekha-khiljee@hotmail.com میں اسے کیا جا سکتا ہوں؟ ایڈریس اس نے دیا تھا کیوں؟ اس لیے کہ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی میں یہی کر سکتا ہوں کہ اسے اپنی موجودگی سے باخبر کر دوں اور اس طرح زلیخا خلیجی اور میرے درمیان برقیاتی تحریروں کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو دنیا بھر میں کاغذی پیغام رسانی کو متروک کرتا چلا جا رہا ہے۔ (۷۵)

شعور کی رو کی تکنیک کو مغرب میں کامیابی سے برتا گیا ہے اور اسی کو دیکھتے ہوئے قرۃ العین حیدر نے سب سے پہلے اردو میں اس تکنیک کو استعمال کیا ہے۔ شعور کی رو سے مراد انسانی ذہن میں گزرنے والے خیالات اور افکار کو بلا کم و کاست بیان کرنا ہے۔ انسان کی سوچ کا دھار حال، ماضی اور مستقبل سے بے نیاز لیکن مسلسل بہتا جا رہا ہے۔ کسی وقت کوئی وقت یاد آتی ہے تو ساتھ مستقبل کا کوئی ارادہ بھی ذہن میں آجاتا ہے اور ذہن مسلسل کسی نہ کسی سمت کچھ نہ کچھ سوچ رہا ہوتا ہے اسی کو شعور کی تکنیک کہا جاتا ہے۔ ممتاز شیریں کے بقول اردو میں اس تکنیک کو سب سے پہلے حسن عسکری نے استعمال کیا ہے۔ اردو کے جدید ادب میں اس تکنیک کو کامیابی سے برتا جا رہا ہے۔ انیس ناگی کا ناول ”سکریپ بک“ بھی شعور کی تکنیک میں لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حسن منظر کا ناول ”انسان اے انسان“ بھی شعور کی رو کی تکنیک میں لکھا گیا ہے۔ انیس ناگی کے ناول ”اسکریپ بک کے دیباچے“ میں زاہد مسعود لکھتے ہیں۔

> اس ناول کا ڈیزائن بھی کچھ غیر معمولی ہے۔ اس کا عمل صبح نو بجے شروع ہوتا ہے اور چار بجے سہ پہر ختم ہو جاتا ہے۔ سات گھنٹوں کے دورانیے میں بہت سی شکلیں بنتی اور بگڑتی ہیں جو ایک عہد انتشار کی علامتیں ہیں۔ (۷۶)

جدید ناولوں میں زندگی کے ساتھ اس کے تمام متعلقات بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ عالمگیریت کے باعث کمپیوٹر، انٹرنیٹ اب ہماری زندگی کا حصہ بن گئے ہیں اس کے علاوہ دیگر تمام چیزیں جن کا تعلق ہماری زندگی سے ہے ادب میں در آئی ہیں۔ اس کے علاوہ میڈیا ایک ایسی طاقت ہے جو رائے عامہ کی رائے کو تبدیل کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ آج کے دور میں انسان کے دکھ، درد اور جذبات کو سمجھنے کے لیے تیز رفتار دنیا کے حالات اور مسائل کو پیش نظر رکھنا ہو گا اور اس کی بدولت ادب کی اصناف میں اضافہ ہوا ہے۔

بحیثیت مجموعی کہا جا سکتا ہے کہ عالمگیریت کے عمل نے مختلف معاشروں، زبانوں اور تخلیق ہونے والے ادب میں یکسانیت پیدا کرنے کی غرض سے جو اثر ڈالا ہے اس سے ادب نہ صرف موضوعات سطح پر بلکہ فکری حوالے سے بھی بہت متاثر ہوا ہے۔ موضوعات میں عالمگیر موضوعات اب اردو ناول کا حصہ بن رہے ہیں۔ نائن الیون، میڈیا، سائبر ورلڈ، تارکین وطن وغیرہ اہم موضوعات ہیں۔ عرفان احسن پاشا اردو ناولوں کے موضوعات کے حوالے سے اپنے مقالے میں لکھتے ہیں۔

> ہمارے تخلیق کار اور ناقدین عالمگیریت کی روایت سے پوری طرح مربوط ہیں اور وہ عالمگیریت کے ماتحت ہونے والی تبدیلیوں کو اردو ادب اور تنقید میں سمو کر اہم عصری تقاضے نبھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے ان موضوعات کو کھل کر اپنی تحریروں میں بیان کیا ہے جن کا تعلق بین الاقوامی فکر اور عالمی طرز احساس سے ہے۔۔ ان موضوعات کی صورت میں ادب میں عالمی معاشرے اور عالمگیریت کی صورت گری ہوتی ہے۔ ساتھ ساتھ دیگر زبانوں کے ادب سے ہونے والے اردو تراجم نے بھی اردو نثر کا کینوس وسیع کیا ہے۔(۷۷)

فکری اثرات کے ساتھ ساتھ فنی اثرات نے ان ناولوں کی زیادہ کایا کلپ کی ہے اور ان کو بلکل نیا لبادہ فراہم کیا ہے۔ عالمگیریت نے جہاں دنیا بھر کے ادب پر اثرات مرتب کیے اور اظہار و بیان کے نئے سانچے اور اسلوب و انداز فراہم کیے ہیں اردو ادب بھی اس سے مبرا نہیں ہے۔ اردو ادب میں عالمگیرت کے زیر اثر دیگر ممالک سے نئی نئی تکنیکیں آئی ہیں۔ جن میں سرئیلزم، ابہام، آزاد تلازمہ، تجرید شامل ہیں۔ مغربی ادیبوں کے زبان و بیان اور ادبی اظہار کے تجربات کو دیکھتے ہوئے اردو ادیبوں نے نت نئے تجربات بھی کیے ہیں اور

ادبی جمود کو توڑنے کی کوشش کی ہے۔ نئے ادب کا مقصد دراصل ناول میں انسان کے اندر چھپے ہوئے انسان کو سامنے لانا اور اس کو تہذیبی، سماجی اور نفسیاتی پیچیدگیوں سمیت ظاہر کرنا ہے۔

نئے اسالیب اور تکنیک نے وقت کے تقاضوں اور ضرورتوں کے تحت جنم لیا ہے۔ کچھ تکنیک مثلاً آزاد تلازمہ اور شعور کی رو ترقی پسندوں کے ہاں بھی استعمال ہوئی لیکن جدید تقاضوں کے مطابق اس کا استعمال زیادہ خوبصورت طریقے سے ہوا ہے کیونکہ اب مغربی ادب تک رسائی آسانی سے ممکن ہو گئی ہے جبکہ پہلے لکھنے والے مغربی ادب سے آشنا نہیں تھے۔ اردو ادب کا دامن ادبی اصناف اور تکنیکوں کے حوالے سے عالمگیریت کے دور میں وسیع ہوا ہے اور عالمگیریت کے باعث اب اردو ادب میں نئے اسلوبیاتی اور لسانی تجربے ہو رہے ہیں جن کی وجہ سے اردو ادب ثروت مند ہو رہا ہے اور اس کا تعلق ادبی دھارے سے ہے۔ عالمگیریت کے زیر اثر اردو کے ادیبوں نے اپنے اسالیب کو اس قدر منقلب کیا ہے کہ ان کا موازنہ بین الاقوامی ادیبوں سے کیا جا سکتا ہے۔ اب کوئی بھی ادب مقامی نہیں رہا ہے بلکہ مقامی حدوں سے نکل کر عالمی حدوں کو چھو رہا ہے یہی وجہ ہے کہ اردو ادب بھی تنہا نہیں اور نہ ہی مقامی رہا ہے بلکہ یہ اپنی ایک الگ بین الاقوامی شناخت رکھتا ہے اور یہ عمل عالمگیریت ہی کا مرہون منت ہے۔ اکیسویں صدی کے تمام ناول نگاروں کی تحریروں میں عالمگیریت کے گہرے نقش موجود ہیں۔ اس سے قبل کے ادیبوں میں عالمگیریت کی قدیم شکل موجود ہی ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اردو ناول شروع ہی سے عالمگیریت کے زیر اثر رہا ہے اگرچہ عالمگیریت کی شکلیں مختلف تھیں لیکن کسی نہ کسی شکل میں یہ ادب پر اثر انداز ہوتی رہی ہے۔

اردو افسانے پر عالمگیریت کے اثرات:

اردو افسانے کی تاریخ سو سال سے زیادہ عرصے پر محیط ہے اردو افسانہ بھی ناول کی طرح مغرب سے درآمد شدہ ہے یہ خالصتاً مغربی صنف ادب ہے۔ اردو ادب میں یہ عالمگیریت کے اثرات مرتب ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ عالمگیریت کے باعث ہی نئی نئی اصناف اردو ادب میں داخل ہوئی ہیں۔ موجودہ دور میں جو افسانے لکھے جا رہے ہیں ان کے نام دیکھ کر ہی موضوعات اور پیش کش کے عالمی تناظر کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

جدید اردو افسانوں میں جن موضوعات کو پیش کیا جاتا ہے ان کا تعلق عالمگیریت کے باعث بین الاقوامی معاشرے سے ہے۔ اردو افسانہ عالمی افسانے کے ہم پلہ کھڑا ہے۔ عالمگیریت کے اثرات سے عالمی ادیب بھی متاثر ہو رہے ہیں اور اردو افسانے پر بھی ڈاکٹر انیس ناگی کا کہنا ہے۔

> ادب میں جدیدیت کی لہر صرف پاکستان کے اردو ادب ہی نہیں چلی تھی۔ فرانس، انگلستان اور لاطینی امریکہ کا ادب بھی ایک نئے سوشل آرڈر اور ایک نئے ادب کی ضرورت کے لیے اصرار کر رہا تھا۔ اردو ادب کی تاریخ میں یہ دوسرا موقع تھا کہ اردو کے ادیب بین الاقوامی ادبی رجحانات سے ہم رکاب ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔(۷۸)

جدید دور میں جو افسانے لکھے جا رہے ہیں ان کے عنوان انگریزی میں لکھے جا رہے ہیں جو عالمگیریت کے اثرات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان عنوانات کو دیکھ کر ان کے موضوعات کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ اس میں جو مسائل پیش کیے گئے ہیں ان کا تعلق عالمی برادری سے ہے۔ مثلاً

ٹیلی فون افسانہ عرفان پاشا کا ہے جو ان کے مجموعہ لاگ لگاؤ میں شامل ہے۔ اس طرح ''روشنی'' محمد سراج کا افسانہ ہے۔ ''گلوبل ویلج'' حامد سراج، ہنی مون، فیصل عجمی، لیبر روم، سمیع آہوجا، مائی فٹ، منشا یاد، اولڈ ہاؤس، ممتاز مفتی وغیرہ اس طرح کے اور بھی بہت سے افسانے ہیں جن کے نام اس طرح کے ہیں۔

اردو افسانے پر اکیسویں صدی کے واقعات کا بہت اثر ہے۔ اکیسویں صدی کے آغاز پر جو ۹/۱۱ کا واقعہ ہوا اور دو تہذیبوں کا تصادم ہوا اس کی جھلک ہمیں اردو افسانہ نگاروں کے ہاں نظر آتی ہے۔ نائن الیون کا واقعہ اگرچہ پاکستان سے بہست دور ہوا مگر عالمگیریت کے باعث اس کے اثرات پاکستان کی سیاست معیشت، معاشرت، امن وسکون پر شدت سے اور منفی انداز میں مرتب ہوئے۔ ''اردو کے ادیبوں نے اس حوالے سے بدلتی ہوئی عالمگیر صورتحال کا جائزہ لیا اور اپنی ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے اپنی تحریروں میں پیش کیا ہے۔''

جدید افسانہ جو اکیسویں صدی میں لکھا جا رہا ہے ان میں سب سے اہم موضوع نائن الیون ہے۔ اگرچہ یہ واقعہ اچانک ہوا لیکن اس کے اثرات مختلف صورتوں میں دیکھے جا رہے ہیں۔ جدید دور کے سبھی افسانہ

نگاروں نے اس واقعے اور اس کے نتائج کو کسی نہ کسی طور پر اپنا موضوع بنایا ہے۔ جس طرح میڈیا پر اس واقعے کو دیکھا گیا اردو افسانے میں بھی یہ اسی طرح تفصیل سے موجود ہے۔ محمد حمید شاہد اپنے افسانے یوتھ میں لکھتے ہیں۔

> اس کا بیٹا ٹی وی کے سامنے بیٹھا تھا۔ پہلے ایک طیارہ آیا۔ قوس بناتا ہوا اور۔۔۔۔۔ ایک فلک بوس عمارت سے ٹکرا گیا۔ شعلے بھڑک اٹھے۔۔۔۔ اور ابھی آنکھیں پوری طرح چوپٹ ہو کر حیرت کی وسعت کو سمیٹ ہی رہی تھیں کہ منظر میں ایک اور طیارہ نمودار ہوا۔ پہلے طیارے کی طرح۔۔۔ اور پہلی عمارت کے پہلو میں اسی شان سے کھڑی دوسری عمارت کے بیچ گھس کر شعلے اچھال گیا۔(۷۹)

نائن الیون کے واقعہ کے بعد امریکہ کا رویہ توہین آمیز ہو گیا اور وہاں رہنے والے تارکین پر دہشت گردوں سے تعلق اور ان کی امداد کا شبہ کرنے لگے اور ان کے کپڑے اتروا کر تلاشی لی جانے لگی۔ وہاں پر رہنے والے تارکین وطن کی زندگی بہت مشکل کر دی گئی یہاں تک کہ اسلامی ممالک کے سفیر اور حکومتی افراد تک کے ساتھ بھی یہی اسلوب روا رکھا گیا۔ دنیا بھر کے انسان امریکہ کے اس اقدام کو پسند نہیں کرتے تھے جس کے تحت وہ دہشت گردی کا خاتمہ کرنے کے لیے خود یہی طریقہ اپنایا یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں احتجاجی مظاہرے کیے گئے۔ تحریروں اور تقریروں اور دیگر مواصلاتی ذرائع کے ذریعے امریکہ سے جنگ بندی اور انسانی خون کو روکنے کی اپیلیں کی گئی مگر امریکہ نے کسی کی نہیں سنی۔ نیئر اقبال علوی "کنارہ دجلہ" میں اس صورت حال کی عکاسی بڑی خوبی سے کرتے ہیں۔ بعض افسانوں میں ان کا قلم اور لہجہ تلخ بھی ہو جاتا ہے جب وہ امریکہ کی بے حسی کو بیان کرتے ہیں۔

> سب نے اس فرعون نو سے استدعائیں کیں، اپیلیں کیں، منتیں کیں، سماجتیں کیں کہ جناب صدر انسانی خون سے مت ہولی کھیلیں۔ خدا کے لیے۔۔۔ باز رہیں آپ طاقت ور ہیں۔ قوموں کی باہمی مسائل، ان کے آپس کے اختلافات فقط عدل و ایمان داری کے تحت حل کروا دیں تو خود بخود دنیا سے فتنہ و فساد، شر و بدامنی اختتام پذیر ہو جائے گی اور دنیا امن و آشتی

سلامتی و محبت کا گہوارہ بن جائے گی لیکن مسٹر پریذیڈنٹ نے ساری التجائیں اور تمام اپیلیں حقارت کے ساتھ مسترد کر ڈالیں۔[۸۰]

بعض افسانہ نگار جب سپر پاور کی بے حسی کو بیان کرتے ہیں تو وہ اپنے جذبات کو قابو نہیں رکھ سکتے اور ان کی تحریروں میں مجموعی عوامی سوچ اور اس کی تلخی کا رنگ زیادہ گہرا ہو کر سامنے آتا ہے اوران کے اسلوب میں سخت الفاظ بھی آجاتے ہیں۔

جدید اردو افسانہ نگاروں کے ہاں اس واقعے کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ تقریباً اکیسویں صدی کے تمام افسانہ نگاروں نے اس کے مختلف پہلوؤں کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ اکیسویں صدی کے اہم موضوع ادب کے طور پر یہ واقعہ سامنے آیا۔

عالمگیریت کو پھیلانے میں میڈیا نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کی وجہ سے نظریات، خیالات، افکار ایک جگہ سے دوسری جگہ آسانی سے پہنچ جاتے ہیں۔ میڈیا عوام کی ذہن سازی میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے اور غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط ثابت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ محمد حمید شاہد اپنے افسانے گانٹھ میں اس بات کو موضوع بناتے ہیں کہ امریکی میڈیا نائن الیون کے واقعے کے بعد سب مسلمانوں کو مجرم قرار دے کر منافرت کی فضا پیدا کر رہا ہے حالانکہ کسی ایک آدمی کے فعل کو مذہب کے ماننے والوں پر ڈال دینا قرین انصاف نہیں ہے۔ وہ افسانے میں لکھتے ہیں۔

> دنیا بھر کے میڈیا والے سب کی تصویریں اور ٹیلی رپورٹس بنا رہے تھے۔ وہ سب مجرم ثابت نہیں ہوئے تھے مگر ان کو امریکا سے نکالا جا رہا تھا۔ یوں کہ جیسے وہ مجرم تھے۔ ساری رپورٹس براہ راست چلائی گئیں۔[۸۱]

میڈیا کا روشن پہلو یہ ہے کہ وہ دنیا بھر میں ہونے والے تازہ ترین واقعات سے باخبر رکھتا ہے لیکن جب انہی خبروں کو سنسنی بنا کر پیش کیا جاتا ہے تو عام آدمی ذہنی تناؤ کا شکار ہو جاتا ہے اور ان کی عمومی زندگی بھی متاثر ہوتی ہے۔ ہمارے اخبارات قتل و غارت، بم دھماکوں اور خودکش حملوں کی خبروں سے بھرے

ہوئے ہوتے ہیں اور انھیں پڑھ کر آدمی دنیا کے حالات معلوم کرنے کے بجائے ٹینشن اور فرسٹریشن کا شکار ہو جاتا ہے۔ دور حاضر میں زندگی کا کوئی بھی شعبہ حتیٰ کہ ادب بھی میڈیا کا مرہون منت ہے۔ ادیب اور شاعر جن کو لوگ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات میں دیکھتے اور پڑتے ہیں عام لوگ انہی کو جانتے اور بڑا ادیب کہتے ہیں۔ جو شاعر یا ادیب میڈیا سے دور ہو وہ قصر گم نامی میں چلا جاتا ہے۔ آج کل اداکاروں کی طرح ادیبوں کو بھی میڈیا میں رہ کر مقبولیت قائم رکھنا پڑتی ہے۔ اس کے لیے انہیں کیا کوشش کرنا پڑتی ہے اس کا اظہار عماد مسعود نے اپنے افسانے ''مٹی تلے دبے بیس سال'' میں یوں کیا ہے۔

> کس کس کو دکھانے کھلا کر فرنٹ پیج پر تصویر کے ساتھ ادب کی زبوں حالی کے قصے چھپوائے۔ لوگوں کو کیا معلوم کہ اتنے چیلنجز کوریج کے لیے خود بخود نہیں آتے بلانے پڑتے ہیں، تعلقات بنانے پڑتے ہیں۔ تب جا کر شہرت کا ہما سر پر بیٹھتا ہے۔(۸۲)

میڈیا کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ نے بھی عالمگیریت کے پھیلاؤ میں اہم وسائل کے طور پر کردار ادا کیا ہے۔ جدید دور میں زندگی کمپیوٹر کے بغیر تیز چل ہی نہیں سکتی ہے کیونکہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ رابطے کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ ہم نے روزمرہ زندگی اور اس کے معاملات میں کمپیوٹر اور اس کے متعلقات کو شامل کر لیا ہے۔، یہی وجہ ہے کہ ادب میں بھی کمپیوٹر اور اس کے متعلقات موضوع بنایا جا رہا ہے کہ کس طرح یہ ہماری زندگی میں سرایت کر گئے ہیں۔ ہم زندگی کے ہر معاملے میں خاص کر دوسرے مقامات پر اپنے گھر والوں اور رشتے داروں سے رابطے کے لیے بھی یہی ذریعہ استعمال کرتے ہیں۔ محمد حمید شاہد نے اپنے افسانے میں کمپیوٹر سے پہلے اور بعد کی زندگی کو موضوع بنایا ہے۔ ان کے بقول پرانی نسل کا تعلق کتاب سے تھا جبکہ نئے نسل کا تعلق سائبر سے ہے۔ تیز رفتار معلومات ہونے کے باوجود تخلیقی عنصر کی کمی ہے۔ کمپیوٹر اور انٹر نیٹ کے باعث اب نئی نسل تحقیق کی طرف مائل ہوتی ہے۔ جدید دور میں کمپیوٹر کا استعمال بہت بڑھ گیا ہے یہاں تک کہ کائناتی نظام کو بھی کمپیوٹرائزڈ نظام کی شکل میں دیکھا جا رہا ہے۔ رشید امجد نے اپنے افسانے ''دیدہ بے ربطی عنوان'' میں اس کا اظہار کیا ہے۔

اوپر نیلے آسمانوں سے میرے کنٹرول روم میں جہاں ان گنت سکرینیں لگی ہوئی تھیں۔ ایک سکرین پر سی ڈی کے ختم ہونے کی آخری گنتی شروع ہوئی ایک زیرو کلک کی آواز سے سکرین سیاہ ہوگئی اور سی ڈی کمپیوٹر سے باہر آگئی۔ ایک ہیولے نے سی ڈی اٹھائی اسے کور سے نکالا اور کمپیوٹر میں رکھ کر آن کیا لمحہ بھر میں سکرین روشن ہوگئی ساتھ والے وارڈز میں ایک نومولود نے چیخ مار کر اپنے آنے کا اعلان کیا۔(۸۳)

سائنسی شعور نے لوگوں کو بہت خود آگاہی دی ہے جس کی وجہ سے توہمات کا خاتمہ ہوا ہے۔ جدید دور میں دنیامیں سائنسی معلومات اور ایجادات نے لوگوں کی زندگیوں میں تبدیلیاں پیدا کیں ہیں۔ عالمگیریت کے باعث اب سائنسی معلومات اور ایجادات دنیا کے ہر کونے میں پہنچ جاتی ہیں۔ ادب میں بھی سائنسی شعور کو کامیابی سے برتا جا رہا ہے۔ اردو افسانوں میں ایسے بے شمار موضوعات ہیں جن کا تعلق سائنسی شعور سے ہے۔ نیر اقبال علوی نے اپنے افسانے ''دھند'' میں خاوند کی وفات کے چار سال بعد اس کے منجمد نطفے سے ماں بننے والی ایک عورت کو بیان کیا ہے جو بیرون ملک مقیم ہے اس کے سسرال والے پاکستان میں رہتے ہیں اور سائنس کی اس ایجاد کو تسلیم کرنے سے قاصر ہیں اور عورت کی آوارگی کہہ کر اس بچے کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ سجاد تبسم نے کروموسومز کی بحث کو اپنے افسانے میں خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سائنس بچے کی جنس کی ذمہ داری مرد پر ڈالتی ہے جبکہ معاشرے میں عورت کو قصوروار ٹھہرایا جاتا ہے۔ اب سائنسی علوم کے باعث تبدیلیاں آرہی ہیں۔ سجاد تبسم نے اس کو اپنے افسانے میں بیان کیا ہے۔

مرد وزن کے کروموسومز تو برابر ہیں لیکن ایک باریک فرق کروموسوم کی شکل کا ہے۔ مرد میں ایکس وائی XY جب کہ عورت میں XX کروموسومز پائے جاتے ہیں۔ مرد کا ایک کروموسوم Y کمزور یا دوسرے معنی میں مکمل نہیں ہوتا جبکہ عورت کے تمام کروموسوم مکمل ہوتے ہیں۔ (۸۴)

سائنس اور ٹیکنالوجی وہ عمل اور فنون ہیں جن کے ذریعے عالمگیریت کا عمل بھی ممکن ہوا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے باعث ہی فاصلے مٹ گئے ہیں اور لوگ ایک دوسرے تک آسانی سے رسائی

حاصل کر لیتے ہیں۔ ہر علم شاخ در شاخ تقسیم ہوتا جاتا ہے اور ہر شعبے میں سپیشلائزیشن کا رجحان ترقی کر رہا ہے۔ بین الاقوامی ادب کے مطالعے نے ہر آدمی کے لیے تمام علوم کی شدھ بدھ کو ضروری قرار دیا ہے۔ اس دور میں لکھاری صرف لکھاری نہیں بلکہ اسے جدید علوم سے بھی آگاہ ہونا چاہیے تاکہ جب وہ تحریر لکھے تو جس علم کی ضرورت پڑے اسے مناسب طور پر استعمال کرے۔ یہی شرط قاری پر بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ جدید علوم و فنون سے واقفیت حاصل کرے تاکہ وہ جدید دور میں لکھے جانے والے ادب کی تفہیم کر سکے۔ کیونکہ عالمگیریت کے باعث اب عالمگیر ادب کا استعمال ادب میں بہت بڑھ گیا ہے۔ نیئر اقبال علوی اپنے افسانے ”ٹوٹا ہوا کھلونا“ میں طب کی ٹیکنالوجی اور اس کی اصطلاحات کو استعمال کرتے ہیں۔

> لفافہ کھولا تو آٹھ سال قبل کار کے حادثے میں شدید زخمی ہونے والی صائمہ کے سر کا سی۔ ٹی۔ سکین، کمپیوٹر مونوگرافی اور ڈاکٹری رپورٹ تھی جس میں نیورو سرجن نے حادثے کے بعد مریض کی مجموعی شخصیت میں آنے والی تبدیلی، اس کے رویے کے بدلنے کے آثار اور مستقبل میں ذہن پر مرتب ہونے والے غیر صحت مندانہ اثرات کی نشاندہی کی تھی۔(۸۵)

فیصل عجمی نے اپنے افسانے ”آفرینش“ میں سائنسی نظریے IHC کو بیان کیا ہے۔

> یعنی I.H.C سب کچھ ممکن ہے۔ نیل! یہ دنیا پر اسرار چیزوں سے بھری پڑی ہے جسے ”Instant Human Combustion“ اس میں تو انسان ہڈیوں سمیت کسی اندرونی بے پایاں آگ سے دھوئیں میں تبدیل ہو جاتا ہے اور اس کا نشان بھی نہیں رہتا۔(۸۶)

سائنسی ایجادات اور نظریات صرف ہماری زندگی کا حصہ نہیں بلکہ دنیا بھر کے ادب میں اس کا اظہار سائنس فکشن کی صورت میں کیا گیا ہے اور عام فکشن میں بھی۔ اردو ادب میں بھی ان کی کمی نہیں یہی وجہ ہے کہ ان موضوعات کی وجہ سے اردو ادب اب عالمی ادب سے مربوط نظر آتا ہے۔

عالمگیریت کا مقصد مختلف معاشروں کو قریب لانا اور ان میں یکسانیت پیدا کرنا ہے لیکن وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم، مالی اور تجارتی اجارہ داری، عالمی لیڈروں کی عاقبت نااندیشی کی وجہ سے تہذیبی تصادم شروع

ہو گیا ہے اور اس تہذیبی تصادم کو بہت سے ادیبوں نے اپنا موضوع بنایا ہے۔ امریکہ اپنی تہذیب و ثقافت کو دنیا بھر میں مسلط کرنا چاہتا ہے۔ تہذیبوں کے ٹکراؤ کا موضوع دنیا بھر کے ادب کا حصہ ہے۔ اردو میں تقریباً ہر مصنف نے تہذیبی تصادم کو بیان کیا ہے۔ یہ تہذیبی تصادم اس وقت نمایاں ہوتا ہے جب ہمارے معاشروں سے لوگ ترک وطن کر کے یا روزگار کے سلسلے میں دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں تو وہ نہ اپنی تہذیب کو چھوڑنا چاہتے ہیں لیکن مجبوراً نہیں وہ بھی کرنا پڑتا ہے جو ان کی اپنی تہذیب و ثقافت کے منافی ہوتا ہے اور وہ تہذیبی تصادم کا شکار ہو جاتے ہیں اور اسی طرح جب صورت حال اس کے برعکس ہوتی ہے یعنی مغربی ممالک کا کلچر ان کے انداز و اطوار ہمارے ہاں آتے ہیں تو وہ بھی روایت کے دلدادہ لوگوں کے لیے پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ وہ ان چیزوں سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔

سائنسی ترقی کے باعث پرانی تہذیب ختم ہوتی جا رہی ہے اور اس کی جگہ عالمگیریت کی تہذیب دوسرے لفظوں میں امریکہ کی تہذیب جگہ لے رہی ہے۔ ایسی کئی چیزیں جو ہماری مشرقی تہذیب کا خاصہ تھیں اب قصہ پارینہ بن چکی ہیں۔ فاصلے سمٹنے کے باعث دیہات کی فطرت نگاری اب ختم ہوتی جا رہی ہے اور اس کی جگہ مصنوعی زندگی نے لے لی ہے۔ مقامی تہذیبوں اور شناختوں پر عالمگیریت کے در پردہ مغربی تہذیب اور امریکیت غالب آ رہی ہے اور مقامی تہذیبیں معدوم ہوتی جا رہی ہیں۔ انور زاہدی کا افسانہ ''زحال ستی'' میں اس کی خوب صورتی سے وضاحت کی گئی ہے۔

> آپریشن کا سن کر سارے خاندان میں شور مچ گیا تھا۔ اس زمانے میں آپریشن کا ہونا آخری بات سمجھا جاتا تھا۔ ان دنوں میں بیماریاں عام نہ تھیں۔ پھر لوگ علاج ولاج کے چکر میں نہیں پڑتے تھے بڑا ہوا تو کسی سیانے سے دم درود کروا لیا یا حکیم سے شربت خمیرہ اور معجون وغیرہ اللہ اللہ خیر صلے۔(۸۷)

عالمگیریت کے باعث اب نقل مکانی کا رجحان بھی بہت بڑھ گیا ہے۔ اس نقل مکانی کے باعث کئی مسائل جنم لے رہے ہیں۔ شہروں میں ایک گھر میں لوگ ایک دوسرے کی خبر نہیں رکھتے جبکہ گاؤں میں پورا گاؤں ایک خاندان کی طرح ہوتا ہے جہاں لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ شہری کلچر

دیہاتی کلچر پر غالب آ چکا ہے۔ عالمگیریت نے پوری زندگی کو ہی تبدیل کر دیا ہے۔ سائنسی ترقی نے گاؤں کی پر سکون فضاء کو بہت متاثر کیا ہے۔ اب گاؤں میں بھی جدید اشیاء کا استعمال نظر آتا ہے۔ عالمگیریت کے باعث اب دور دراز کے علاقوں تک بھی ٹیکنالوجی پہنچ گئی ہے۔ موبائل کا استعمال دور افتادہ گاؤں میں بھی عام ہو چکا ہے۔ ہر ٹیکنالوجی سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ وہ بھی اب عالمی گاؤں کا حصہ بن گئے ہیں۔ اس حوالے سے نذیر تبسم لکھتے ہیں۔

> پوری دنیا مواصلاتی ترقی کے باعث ایک چھوٹی سی بستی کی صورت اختیار کر گئی ہے اس لیے اب ثقافت اور تمدن بھی یکساں ہونا چاہیے۔ دنیا میں پائے جانے والی تہذیبوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا جائے۔ ہر تہذیب کے ماننے والے دوسری تہذیبوں سے بھی باتیں اخذ کریں اور انہیں اپنی زندگی میں جگہ دیں۔ (۸۸)

دور حاضر میں جو مقامی تہذیبیں اور ان کی اقدار مٹ رہی ہیں۔ نئی اقدار ان کی جگہ لے رہی ہیں اس صورت حال کو اردو افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ مغربی کلچر ہمارے معاشرے میں فروغ پا رہا ہے۔ اس حوالے سے خالد فتح محمد اپنے افسانے "دل کو دل سے راہ میں" لکھتے ہیں۔

> امی نے میرے ابو کے ساتھ زندگی گزارنا شروع کر دی لیکن تمہارے والد کے ساتھ تعلق ختم نہیں کیا۔ امی کے دو خاوند تھے جن کے ساتھ وہ رشتہ رکھے ہوئے تھیں۔ تمہارے ڈیڈی کے ساتھ انھیں محبت تھی اور میرے والد کے ساتھ ہمدردی اور وہ ایک عرصے تک ان کا حق دیتیں رہیں۔ (۸۹)

بیسویں صدی کے نصف اول میں جنس نگاری کا بھر پور اظہار اردو میں ہوا۔ منٹو اور عصمت چغتائی وغیرہ نے جنس کے موضوع پر لکھا لیکن ان کو اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ پڑھنے والے انھیں چھپ کر پڑھتے تھے اور انہیں بچوں کی پہنچ سے دور رکھا جاتا تھا لیکن دور حاضر میں عالمگیریت کے باعث بیان الاقوامی اثر اور فرد اور لوگوں کی جنس کے بارے میں بدلتی سوچ کی وجہ سے ادیب بھی جنس کا کھل کر اظہار کرنے لگے ہیں۔ مغربی ممالک میں جنس کا آزادانہ استعمال ہوتا ہے اس لیے جب کوئی تخلیق کار یورپ، امریکہ یا دیگر آزاد

ملکوں کا ذکر کرتا ہے یا ان معاشروں کے حوالوں سے کوئی افسانہ لکھتا ہے تو وہ جنس کو بھی بیان کرتا ہے کیونکہ اب اردو ادب میں دیگر معاشروں کی پیشکس اہم موضوع بن چکا ہے۔

مغربی ممالک میں جنس ایک اہم مسئلہ ہے اور یہ اب اردو میں بھی پیش کیا جانے لگا ہے۔ انور سجاد اجنبی میں ایک نو آموز طوائف کا رویہ یوں دکھاتے ہیں۔

> لڑکی نے نوٹ پکڑنے کی بجائے اس کا ہاتھ اپنے نقاب کے پیچھے لے گئی اور اس کے ہاتھ سے نوٹ انگیا کے پیچھے اڑس کے اس کا ہاتھ چھوم لیا۔ کاروباری اعتبار سے ہٹ کر وہ اس نئی تکنیک سے بڑا امتاثر ہوا۔ [۹۰]

موجودہ دور کے عالمگیر معاشرے کا بڑا مسئلہ جنس ہے جو انسانی رشتوں کی پائیداری کو ختم کر رہا ہے۔ دنیا بھر میں نائیٹ کلب، ناچ، گھر، بار، ریپ، گلی محلوں اور سڑکوں پر قائم شراب خانے اخلاقی طور پر انسانیت کو دیوالیہ کر رہے ہیں۔ نیر اقبال علوی نے اپنے افسانے ''سرکش شیطان'' میں ہنگری کے بارے میں لکھا کہ وہاں طالب علم لڑکیاں اپنی فیس پوری کرنے کے لیے جسم فروشی پر مجبور ہیں اور ان کے والدین ان کو خود یہ کام کرواتے ہیں۔ اسی طرح جب وہاں جنس کی سستی دستیابی کی وجہ سے عریاں فلمیں بنانے والے ان لڑکیوں کا استحصال کرتے ہیں تو والدین ان کے احسان مند ہوتے ہیں کہ ان کے لیے خوراک کا بندوبست ہو جائے گا۔ اس حوالے سے وہ اپنے افسانے میں لکھتے ہیں۔

> مغربی ممالک کے آوارہ مزاج اور جنس پرست معاشرے نے اس نو آزاد ملک میں یہ جراثیم اس طرح پھیلا دیے ہیں کہ ہنگری اس وقت دنیا میں پورنوگرافی کی سب سے بڑی انڈسٹری بن چکا ہے اور بلیو پرنٹ بنانے والے فلمی ادارے چند ڈالروں کے عوض اس ملک کی غریب اور مجبور خواتین کو خرید لیتے ہیں۔ [۹۱]

عالمگیریت کے باعث ایک اہم مسئلہ جو غریب ممالک کو درپیش ہے وہ تیسری دنیا میں پایا جانے والا اضطراب ہے جو ترقی یافتہ ممالک کے ادب میں نہیں ہوتا ہے لیکن غریب ممالک کے لیے یہ مسئلہ یکساں ہے

جو ان کے ادب میں بھی نظر آتا ہے۔ اردو ادب میں بھی یہ ایک اہم موضوع ہے۔ تیسری دنیا کے لوگ امریکہ کی بدمعاشی کو پسند نہیں کرتے لیکن وہ اس کے زیرنگین بھی ہیں اس وجہ سے وہ اضطراب کا شکار ہیں۔ عالمگیریت کے تحت ملٹی نیشنل کاروبار اور اقتصادیات کے موجودہ عالمی نظام میں دنیا کے امیر ممالک تو خوشحال ہیں جبکہ غریب ممالک اپنے مسائل میں الجھ کر دیوالیہ ہونے کے قریب ہیں۔ اسی بے یقینی اور غیر یقینی صورت حال سے بغاوت، بدلہ لینے کے لیے مزاحمت کے جنم لینے کو انیس ناگی ۳۱۳ بریگیڈ میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔ ”واقعات تو تیسری دنیا میں پیش آتے ہیں جہاں پیہم اضطراب ہے۔“ (۹۲)

دنیا بھر کے مالیاتی ادارے جن کا کام دنیا سے غربت کا خاتمہ ہے وہ ترقی یافتہ ممالک کے ہاتھوں آلہ کار بن گئے ہیں اور وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں جس کی بدولت غربت اور بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے اور معاشرے میں دو طبقے وجود میں آرہے ہیں۔ اس معاشرتی تضاد کو اردو افسانہ نگاروں نے موضوع بنایا ہے۔ وہ دنیا بھر کے مختلف ملکوں میں امیر اور غریب ملکوں اور پہلے، دوسری اور تیسری دنیا کی تقسیم کے خلاف احتجاج کرتے دکھائی دیتے ہیں ان افسانہ نگاروں کا یہ عقیدہ ہے کہ مغرب کا تسلط ختم ہونے والا ہے اور اس کی ترقی کا سورج ڈھلنے والا ہے اور آنے والا زمانہ ان قوموں اور ملکوں کا ہوگا جنہیں تیسری دنیا کہہ کر دھتکارا جاتا ہے۔

غریب ممالک اور امیر ممالک کے درمیان فرق دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ تیسری دنیا کے لیے وقت ٹھہر گیا ہے۔ وہ زندگی کے ہر معاملے میں ترقی یافتہ ممالک سے پیچھے ہی رہتے ہیں۔ ان کی تمام تر ترقی ان کے اور پہلی دنیا کے درمیان فاصلے ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی اور وہ جھنجھلاہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ غازیہ شاہد نے اس صورت حال کو اپنے افسانے بیک ورڈ میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

> یہ پاکستان اب وہ نہیں جیسے تم اپنے بابا کے ہمراہ بیس برس پہلے چھوڑ گئی تھی۔ تم اپنے ذہن میں جس ملک کا تصور لیے جی رہی ہو وہ تو پچھلی صدی کا مالک تھا۔ اس صدی کے لوگ تو اس صدی میں داخل ہی نہیں ہوئے۔ (۹۳)

تیسری دنیا کے رہنے والوں کے لیے معاش اہم مسئلہ ہے۔اس معاش کے حصول کے لیے لوگوں نے دنیا کے مختلف خطوں کی طرف ہجرت کی اور وہاں سکونت اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ حصول معاش بھی عالمگیر موضوع ہے کیوں کہ بیشتر موضوعات اسی کے گرد گھومتے ہیں۔ حصول معاش کے سلسلے میں جب گھر بار چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں تو یہ عمل لوگوں میں میل جول بڑھا کر ایک عالمگیر معاشرے کے قیام کی تحریک کو تیزی سے آگے بڑھاتا ہے۔

اکیسویں صدی کی معیشت کا مرکز امریکی ڈالر ہے۔ڈالر کی کشش کمزور ملکوں کے لالچی حکمرانوں کو امریکہ کے آگے دم ہلانے پر مجبور کرتی ہے اس کے ساتھ ساتھ حصول معاش کے لیے تارکین وطن کو کھینچ کر وہاں لے جاتی ہے۔ڈالر کی اس بالادستی اور استحصال نے اسے غاصب کے طور پر پیش کیا ہے۔ نئیر اقبال علوی اس کا بیان ”سرکش شیطان“ میں ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> جاوید ملک کو امریکی ڈالروں سے شدید نفرت تھی۔ یہ کاغذی نوٹ اس کی نظر میں دنیا میں استحصال کی سب سے بڑی علامت ہے۔ آج ڈالر قوموں کی معیشت کے لیے "بل ڈوزر" بن گیا ہے۔ جس غریب ملک کی معیشت نے ذرا سا سر اونچا کیا یہ فوراً وہاں کی کرنسی کو کچل کر رکھ دیتا ہے۔ اس پر لکھی ہوئی عبارت ہے ہمیں خدا پر مکمل یقین ہے بقول ملک دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ (۹۴)

کشور ناہید کے خیال میں حصول معاش کی ناکام کوشش نے ہمارے سماجی نظام میں جو خلا پیدا کی ہے اسی خلاء کو پر کرنے کے لیے خواتین گھر سے باہر نکلی ہیں حالانکہ ان کا گھر سے نکلنا برا سمجھا جاتا تھا لیکن معاش سے مجبور ہو کر وہ نوکریاں کرنے نکلتی ہیں۔ عالمگیریت کا اثر جس طرح زندگی کے ہر شعبے پر پڑا ہے۔ عالمگیر نظام نے سماج کی ساخت پر بھی اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس نظام نے سماجی تفاعل کو ہی متاثر نہیں کیا بلکہ سماجی تنظیم کے بنیادی عناصر مثلاً خوراک، لباس، فنون لطیفہ اور طرز حیات پر بھی اثرات مرتب کیے ہیں۔ مختلف معاشروں میں لینے دینے کا نظام ہمیشہ سے جاری ہے مگر گزشتہ کچھ عرصے سے اس میں بہت تیزی آگئی ہے۔ اس تقلیب کے مثبت اور منفی دونوں اثرات ہے۔ ادب میں ان دونوں اثرات کو بیان کیا جاتا ہے۔ اردو افسانہ

نگاروں نے معاشرتی تقلیب اور آویزش کو بڑے پیمانے پر موضوع بنایا ہے۔ مبین مرزا کا کہنا ہے کہ معاشرتی تقلیب کے اس عمل میں رشتوں کی اہمیت نہیں رہی بلکہ ضرورت ہی وہ واحد رشتہ بن گئی ہے جس کے تحت لوگ ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں وہ اپنے افسانے "گم شدہ لوگ" میں یوں رقم طراز ہیں۔ "ضرورتیں اور تقاضے ہٹا دیے جائیں تو رشتہ نہیں رہتا۔ اس کا مطلب ہے اصل چیز رشتہ تو نہ ہوا۔ اصل چیز تو ضرورت ہوئی۔" (۹۵)

عالمگیریت کے باعث معاشرتی تقلیب کا عمل معاشرے میں سرایت کر گیا ہے۔ اسی طرح اسی کی بدولت ہی ہمارے ادیب عالمی ادب سے استفادہ حاصل کر رہے ہیں۔ اردو ادب کے جدید افسانہ نگار عالمگیریت ہی کی بدولت عالمی ادب سے واقف ہوئے اور اس کے مطالعے کے بعد انہوں نے اردو افسانے کو بھی عالمی ادب کے دھارے میں شامل کیا۔ اردو زبان میں چھپنے والا ہر نیا افسانوی مجموعہ اور مختلف رسائل میں چھپنے والے افسانے ایسے بہت سے حوالے اپنے اندر رکھتے ہیں جن کا تعلق دوسری زبانوں کے ادب سے ہے۔ ایسے افسانوں کو تب تک نہیں سمجھا جا سکتا ہے جب تک قاری اس زبان اور اس کے ادب اور روایت سے واقف نہ ہو جس سے افسانہ نگار متاثر ہوا اور اپنے افسانے کا حصہ بنایا۔ عالمی ادب کا استعمال اب اردو ادب میں کثرت سے ہو رہا ہے۔ بعض اوقات افسانہ نگار قلم کی روانی میں بہت معمولی سا حوالہ دے کر آگے نکل جاتا ہے لیکن یہ حوالہ دیگر زبان کے ادب میں اہم سمجھا جاتا ہے۔ مبین مرزا نے ولیم شکسپئر کے ڈراموں اور میگبتھ کا ذکر اپنے افسانوں "سفید پھولوں کے اس طرف" میں اس طرح کیا ہے۔

ہاں ہیملٹ ٹھیک تو کہتا ہے ! What a piece of work man is

ہاں بس اب تم ہیملٹ کا راگ الاپنے لگو گے وہ ہنسی

اوہ نو لیڈی میگبتھ وہ بھی اس کے ساتھ کھلکھلایا۔ (۹۶)

اسی طرح محمد حمید شاہد نے اپنے افسانے "گانٹھ" میں معروف روسی افسانہ نگار گوگول کے کردار پادری کا ذکر کیا ہے۔

"تصور ایک جگہ ٹھہر گیا تو اسے گو کول کے افسانے کا وہ پادری یاد آیا جس نے سب کا دھیان شیطانی تاثرات والی آنکھوں کی جانب موڑ دیا تھا۔" (۹۷)

عالمگیریت کے باعث جہاں صنعتی ترقی ہوئی ہے اور موجودہ دور میں زندگی مشینوں کی مرہون منت ہے لیکن اس صنعتی ترقی کے باعث بین الاقوامی سطح پر موسمیاتی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ ان تبدیلیوں میں گلوبل وارمنگ سر فہرست ہے جس کے باعث آب و ہوا کا توازن بگڑ گیا ہے۔ صنعتوں کے باعث دھوئیں اور زہریلی گیسوں کی شکل میں فضا میں پھیلنے والی فضائی آلودگی بہت بڑھ گئی ہے۔ عالمگیریت کے باعث ماحولیات ایک عالمی مسئلہ بن گیا ہے۔ عالمگیریت کی لہر کے زیر اثر ماحولیاتی آلودگی کم کرنے اور ماحول صاف رکھنے کے لیے انفرادی شعور میں اضافہ ہوا ہے اور ماحول کو بچانے کی کوشش کی جارہی ہیں۔ اردو افسانے میں بھی ماحول کے بارے میں بہت سے حوالے مل جاتے ہیں۔ نیرّ اقبال علوی اپنے افسانے میں لکھتے ہیں۔

پاکستان کے دریا۔۔۔ مدت ہوئی وہ تو مر چکے ہیں۔۔ یہ کار آمد آبی گزر گاہیں نہیں رہی بلکہ بے آب و گیاہ ایک زاد بن گئے ہیں۔ ان میں پہلے سا کر و فر، روانی، آب، حسن و رعنائی سب کچھ مفقود ہو چکا ہے۔ اس کے برعکس کناروں پر آباد شہروں کے مضر صحت کیمیائی فضلوں، پلاسٹک شاپروں اور کوڑے کرکٹ نے ان صاف و شفاف محمد حیات مطرتی آب کاہوں کو آلودہ غلیظ و معفن بنا کر ان کی خوب صورتی کو گہنا ڈالا۔ (۹۸)

ترقی پذیر ممالک میں یہی ناگفتہ با حال ماحولیات کا ہے۔ دیہاتوں سے شہروں کی طرف نقل مکانی زیادہ ہو رہی ہے اور اس نے بڑے شہروں کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔ شہروں کے مضافات بھی اب شہروں میں ضم ہو رہے ہیں۔ درخت کٹ رہے ہیں۔ ایٹمی تجربات، صنعتی فضلے کے باعث عالمی ماحول خراب ہو رہا ہے اور یہ صحت اور ماحول کے لیے بھی مہلک ثابت ہو رہا ہے۔

معاصر افسانے میں جب عالمگیریت کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اس میں ایک اہم عملی مظہر مغربی کلچر میں دکھائی دیتا ہے۔ مغربی کلچر اب پوری دنیا میں پھیل رہا ہے۔ ماڈرن کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ دراصل ایک جال ہے۔ جس میں پھنسا کر مقامی کلچر کو جو کسی علاقے کی پہچان ہوتا ہے اسے ختم کیا جا رہا ہے اس خاص بات کو

ہمارے افسانہ نگاروں نے پیش کیا ہے کہ ہم یورپ سے آنے والے نئے افکار کو ماڈرن سمجھ کر اپنا لیتے ہیں لیکن ان افکار کے مثبت اثرات کم اور منفی اثرات زیادہ ہیں۔ خالد فتح محمد اس مغرب پرستی کو اپنے افسانے" بے جان و جاندار"میں ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں کہ مشرقی عورت نے اب مغربی عورت کی طرح زندگی گزارنی شروع کر دی ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

> تقسیم کے بعد ہمارے یہاں بھی حالات ایسی ہی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ معاشی بدحالی، معارف زیست میں اضافہ اور موزوں رشتوں کی کمیابی کے باعث لڑکیاں اب تعلیم سے زیور کا کام نہیں لے رہیں بلکہ زنانہ پیشوں سے ہٹ کر زیادہ تنخواہوں کے لیے بینکوں، فرموں، دفتروں اور دکانوں میں پہنچ چکی ہیں اب وہ برقعہ میں بند چلنا پھرنا پسند نہیں کرتیں۔ (۹۹)

ہمارے جدید دور کے افسانہ نگاروں نے اس عہد کے نوجوانوں کے اس رجحان کو بھی موضوع بنایا ہے جو اچھی تعلیم اور روزگار کے لیے مغربی ممالک کا رخ کرتے ہیں اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہمارے جدید دور کے افسانہ نگاروں میں حسن منظر ایسے افسانہ نگار ہیں جنہوں نے ملازمت کے سلسلے میں اور تعلیم کے سلسلے میں بیرون ملک سکونت اختیار کی ہیں اور وہاں کے حالات و واقعات کو اپنے ناولوں اور افسانوں میں پیش کیا ہے۔ان کے حوالے سے ڈاکٹر انوار احمد کہتے ہیں۔

> انہوں نے ممالک اور لوگوں کو سیاح کی نظر سے نہیں دیکھا بلکہ انہی کے بیچ بسنے والے ایک ذہنی معالج اور ان کے خوش خیال ساتھی کی طرح محسوس کیا یہی وجہ ہے کہ ان کے پاس تفاصیل اور بیانات وافر ہیں۔ (۱۰۰)

عالمگیریت کے باعث اب لباس، خوراک سب کچھ عالمی ہو گیا ہے۔ کھانے پینے، لباس، خوراک اور علاج معالجہ تک سب کچھ عالمگیریت سے متاثر ہے۔ علاج معالجہ کی بہتر سہولیات اپنے ملک میں ہونے کے باوجود ہمارے حکمران ذرا سی بیماری میں مبتلا ہو جائیں تو وہ بیرون ملک کا رخ کرتے ہیں۔ بیورو کریٹ حکومتی خرچے پر باہر علاج کے بہانے جاتے ہے اور وہاں پر عیاشی کرتے ہیں۔

ان تمام بحث سے واضح ہوتا ہے کہ عالمگیریت نے زندگی کے ہر شعبے کی طرح ادب پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ لوگوں کے رویوں میں پہلے سے بہت زیادہ فرق آ چکا ہے۔ مشرقی تہذیب کی خوبصورت اقدام شرم وحیا جو کہ ہماری تہذیب کا خاصا ہے وہ ختم ہو چکا ہے۔ حامد سراج نے اپنے افسانوں میں عالمگیریت کے اثرات بیان کیے ہیں۔ انہوں نے نت نئے کہانیوں کے ذریعے عالمی طاقتوں کی وحشت سے روشناس کرایا ہے۔

> یہ نئی صدی ہے نئے تقاضے ہیں۔ اب افسانہ بھی داستان کی طرح متروک ہونے والا ہے اور صرف دوسطری افسانچہ ہے تراشا جائے گا کیونکہ آج کے انسان کو برق رفتار مصروفیات اتنا وقت ہی نہیں دیتیں کہ وہ مطالعہ کرے۔ بستر پر گر کر صرف اتنا یاد رہتا ہے کہ مجھے سلیپنگ پلز لینی ہیں اور صبح ہونے پر پھر انسانوں کے جنگل میں کم ہو جانا ہے۔ رزق تلاشنا ہے۔ عجیب عہد ہے یہاں توقیر کا معیار دولت ہے۔ (۱۰۱)

عالمگیریت کے تحت اردو ادب میں نہ صرف فکری حوالے سے بلکہ فنی حوالے سے بھی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ہیئت اور تکنیک کے تجربات دنیا کی ہر زبان کے ادب میں ہو رہے ہیں۔ ان تجربات کا سلسلہ مغرب میں طویل عرصے سے جاری ہے لیکن گزشتہ چند سالوں میں اس عمل میں بہت تیزی آئی ہے۔ بیسویں صدی خلائی ترقی اور اکیسویں صدی کمپیوٹر کے فروغ کی صدی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے متعلقات اور سائنسی تحقیقات اب ادب کا حصہ بن گئی ہیں۔ ان اشیاء اور آلات کا ذکر بھی اب ادب میں ہو رہا ہے اور ان کے ذریعے ادب کو پڑھا بھی جا رہا ہے۔

ادب پر ان اثرات کو اردو ادیبوں نے بھی قبول کیا۔ عالمگیریت نے اردو کے نثری ادب کو نئی اصناف اظہار، ادبی تکنیکی اور زبان وبیان کے دیگر فنی لوازم عطا کیے ہیں۔ عالمگیریت کے باعث اردو میں دیگر زبانوں کے الفاظ کا ورود بڑھ گیا ہے۔ پہلے اردو میں عربی فارسی سے الفاظ وتراکیب آتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مقامی بولیوں کے الفاظ بھی شعوری یا لاشعوری طور پر داخل ہو رہے تھے لیکن اب یہ سلسلہ مقامیت سے نکل کر مختلف براعظموں تک پھیل گیا ہے۔ اردو میں بالخصوص یورپی زبانوں کے الفاظ، اصطلاحات اور تراکیب

بہت تیزی سے اور زیادہ مقدار میں داخل ہو رہی ہیں۔ اس کے علاوہ تمام تنقیدی بحثیں اور نظریات امریکہ اور یورپ سے درآمد ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے متعلقات بھی ساتھ چلے آتے ہیں۔ حسن الدین احمد کے بقول کہ اس کا سب سے زیادہ فائدہ افسانے کی صنف کو پہنچا ہے۔ یہ سلسلہ ترجموں کے ذریعے زیادہ وسعت اختیار کر رہا ہے۔ بعض ترجموں کی حیثیت ایسے ہے کہ پڑھنے والا ایک لمحے کے لیے بھی یہ محسوس نہیں کرتا کہ وہ کسی دوسری زبان سے ترجمہ کیا ہوا افسانہ پڑھ رہا ہے۔ اردو افسانے کے ساتھ دیگر نثری ادب میں بھی ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسن اس حوالے سے لکھتے ہیں۔ " مختصر افسانے میں نئی جہات پیدا ہوئی ہیں۔ موضوعات اور انداز بیان کے اعتبار سے بھی اس کا دامن وسیع تر ہوا ہے اور اس نے نئی تہ داریوں تک رسائی حاصل کی ہے۔" (۱۰۲)

عالمگیریت کے زیر اثر اردو زبان کے ادب میں بیرونی ممالک کی زبانوں کے الفاظ کا استعمال بہت بڑھ گیا ہے اور سب ہی ادباء کے ہاں یہ پایا جاتا ہے۔ محسنہ جیلانی کے افسانے "مٹیمز میں پھول" کا ایک اقتباس جس میں بیرونی الفاظ و اسماء کے استعمال نے اردو فقرے کا لہجہ ہی تبدیل کر دیا۔ "جب تک سلیپنگ پلز نہ ہوں سو نہیں پاتی۔ دماغ ماؤف رہتا ہے۔ کتنی دفعہ اس کے موبائل پر میسج چھوڑا، پلٹ کر نہیں پوچھتا کہ ماں کیسی ہے۔"(۱۰۳)

جدید دور میں دیگر زبانوں کے الفاظ و تراکیب کے ساتھ ساتھ الفاظ کی اندرونی ساخت بھی تبدیل ہو رہی ہے۔ زبان کی اس تبدیلی نے جدید ناولوں اور افسانوں میں الفاظ کا محل استعمال تبدیل ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہجے اور املا بھی تبدیل کیے گئے ہیں۔ یورپ میں ادیب کو یہ آزادی ہے کہ وہ لفظ کو کسی بھی طریقے سے استعمال کر سکتا ہے اور اس کے معانی بھی متعین کر سکتا ہے۔ یورپ کے یہ اثرات ہمارے ادیبوں نے بھی قبول کیے لیکن یہ پاکستان کی نسبت ہندوستان میں زیادہ ہوئے ہیں۔

اردو کے ادیب شعوری طور پر زبان کا ڈھانچہ اور اس کی اندرونی ساخت کو تبدیل کرنے کے درپے ہیں اور وہ عالمگیریت کے زیر اثر سامنے آنے والی زبان کو سامنے لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ زبانیں اب تبدیلی کے عمل سے گزر رہی ہیں۔ اس لیے اردو کی تخلیقی زبان کی بھی تجدید نو کی جائے۔

عالمگیریت کے اثرات جدید دور کے تمام بڑے بڑے ادیبوں پر پڑے ہیں اور ان کے اسلوب میں عالمگیریت کے مظاہر اوران اثرات سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں نے گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ تیز رفتار زندگی میں انسان کے پاس اب وقت نہیں رہا اس لیے وہ ہر معاملے میں شارٹ کٹ کی تلاش میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب بھی اب اختصار پسندی کی طرف مائل ہے۔ ڈاکٹر فوزیہ اسلم کے بقول

> جدید افسانے کے اسلوب میں جزئیات نگاری کے لیے جگہ کم ہے بلکہ اختصار نویسی اور ادھورے پن کو پسند کیا جاتا ہے۔ بالعموم افسانہ کسی تعارفی یا تمہیدی پیرائے کو اختیار کیے بغیر اچانک پھوٹتا ہے اور اپنی سوچ کو مرکز مان کر ماضی، حال اور مستقبل میں گردش کرنے لگتا ہے۔ (۱۰۴)

افسانہ نگاری میں اہم نام قرۃ العین حیدر کا ہے انھوں نے ناول بھی لکھے ہیں اور افسانے بھی۔ انہوں نے جدید علوم اور تکنیک کا استعمال کیا ہے اور اپنے اسلوب کی بناوٹ میں وسعت علمی اور خلاقانہ اپج کا ثبوت دیا ہے جو تاریخی شعور سے مملو ہے۔ ان کے افسانوں کی زبان عمیق، فلسفیانہ، پیچیدہ اور مابعد الطبیعاتی، علاقی انداز فکر اور تاریخی شعور کو جذب کرنے کے قابل ہوتی ہے۔ انہوں نے بین الا قوامی تحریکوں اور رجحانات سے بھی استفادہ حاصل کیا ہے۔

ڈاکٹر انور سجاد نے بھی شعوری طور اپنے اسلوب میں جدید مظاہر کو شامل کیا ہے۔ ان کے ہاں بین الا قوامی ادب اور اساطیر کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ بیرونی ممالک کے ادب سے انہوں نے کرداری علامتیں مثلاً سنڈریلا، دیو جانسن اور پرومیتھس وغیرہ اخذ کی ہیں جو ان کے عالمگیری رجحان کی عکاسی کرتی ہیں۔ انور سجاد کا مغربی ادب کا مطالعہ وسیع ہے۔ انہوں نے عالمگیریت کی لہر کو اپنے اندر جذب کیا ہے اور یہی لہر ان کے اسلوب میں بھی نمایاں ہوتی ہے۔ انہوں نے مغربی تحریکوں سرریئلزم، تجدید، علامت، شعور کی رو وغیرہ سے بھی اثر قبول کیا ہے اور ان تکنیکوں کو اردو ادب میں جزوی طور پر استعمال کیا ہے۔ انور سجاد کے اسلوب کے حوالے سے ان کے افسانے پرومیتھس کا اقتباس

چھوٹا سا بچہ، جو ابھی پوری طرح بنا نہیں، فلش کموڈ کے کنارے پر ٹنگا ہے اس میں جان نہیں، یہ صرف پانچ ماہ رحم میں رہا۔ دو نازک نازک زردی مائل گندمی ہاتھ، دروازے کی اوٹ سے کانپتے بڑھتے ہیں اور سبزی کاٹنے والی چھری سے اس بچے کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں، قیمہ بناتے ہیں، کموڈ میں ڈالتے ہیں اور فلش کی زنجیر کھینچ دیتے ہیں۔ (۱۰۵)

رشید امجد اردو افسانے کا ایک بڑا نام ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں جدید تکنیک استعمال کی ہیں۔ ان کا اسلوب تہہ داری کی خصوصیت کا حامل ہے۔ وہ اپنے افسانوں کو بہت سی پرتوں میں ملفوف کر کے پیش کرتے ہیں اور ہر پرت میں کوئی تہذیبی، سماجی مظہر یا کوئی جدید تکنیک رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں تجریدی اور سرائیلی عناصر کو شامل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے عام بیانیہ سطح سے بہت بلند ہوتے ہیں۔ ان کے افسانے اپنے اندر ایک جہاں سمیٹے ہوئے ہیں۔ روحانیت ان کے ہاں ایک مستقل موضوع ہے۔ ان کا افسانہ ”ہے نہیں ہے“ کا اقتباس جو ان کے اسلوب کا نمائندہ ہے۔ ”سلو موشن میں چلے جانے کا احساس بھی عجیب تھا، جس میں کوئی دکھ تھا نہ لذت، کچھ باقی تھا، کچھ نہیں تھا، اس کا افسوس نہیں تھا جو بچا تھا اس کی خوشی بھی نہیں تھی۔“ (۱۰۶)

سمیع آہوجہ جدید افسانہ نگاروں میں ایک اہم نام ہے۔ ان کا اسلوب بے حد پیچ دار گنجلک ہے جیسے پڑھ کر سمجھنا عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ زبان میں تجربات کرنا اور مروج انداز سے ہٹ کر الفاظ استعمال کرنا یا لفظوں کو الگ مفاہیم عطا کرنا ان کے اسلوب کی خصوصیت ہیں۔ وہ اپنے افسانوں میں بے شمار رموز و اوقاف اور نامختتم جملوں سے ایسی فضا تخلیق کرتے ہیں جس میں مجسم اشیاء میں ہیولوں، سایوں اور پرچھائیوں کی مانند لگنے لگتی ہیں۔ ان کی زبان میں عربی، فارسی، ہندی، انگریزی اور بہت سی دیگر زبانوں کے الفاظ شامل ہیں جو عالمگیریت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ انھوں نے مروج الفاظ میں توڑ پھوڑ کر کے ان کی کایا کلپ کی ہے۔

گردن توڑ جلاد اب پہنچتے ہی ہوں گے، اگر ہو سکے تو کوئی نزدیکی راہ ہی بتادو۔۔۔ دل منی ہشت که دے منا بازیں وشی، من تنی بانوراں بیا مری مکھا۔ اور وہ چمک اٹھی۔۔۔ نزدیک راستہ۔۔۔ تو آؤ، راستہ تو بہت ہی نزدیک ہے۔ (۱۰۷)

ان کے افسانوں کے اسلوب کے ساتھ ساتھ موضوعات بھی عوامی اور عمومی نہیں بلکہ ان کو سمجھنے کے لیے بہت کوشش کرنا پڑتی ہے۔

جدید اردو افسانہ نگاروں کے ہاں موضوعات اور اسلوب بھی جدید ہے۔ ہر ادیب کا اسلوب متنوع خصوصیات کا حامل ہے۔ ہر لکھنے والے کے ہاں ایک سے زیادہ عناصر موجود ہیں۔ وہ ان عناصر تکنیکوں اور ہیتوں کو ملا کر ایک نیا اسلوب تخلیق کرتے ہیں جو عالمگیری لوازم سے مزین ہوتا ہے۔ جدید اسلوب کو درجہ بندی میں لاکر سلیم آغا قزلباس نے اس کی چار قسمیں متعین کی ہیں۔

اردو افسانوں میں عالمگیریت کے اثرات کے تحت تجرید کی تکنیک کو بھی افسانوں میں استعمال کیا گیا۔ تجرید بنیادی طور پر آرٹ یعنی پینٹنگز کی ایک تکنیک ہے جو ادب میں بھی استعمال کی گئی۔ اس کا آغاز فرانس کے مصنفوں نے کیا جن کا تعلق تاثراتی تحریک سے تھا۔ تجرید انگریزی اصطلاح ایبسٹریکٹ (Abstrat) کا اردو روپ ہے۔ جس سے مراد کسی چیز کا مجسم نہ ہونا اور مجرد یا خیالی ہونا ہے۔ ادب میں اس کا معنی ہے کہ لکھاری اپنی کہانی کو مسلسل یا منضبط حیط تحریر میں لانے کے بجائے مختلف اجزاء میں تقسیم کر کے پیش کرے جن میں بظاہر کوئی ربط نہ ہو لیکن ان اجزاء کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اس تحریر کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے۔ یہ صورت معروضی نہیں بلکہ موضوعی ہوتی ہے۔ ہر قاری الگ مطلب نکالنے کی کوشش کرتا ہے اور جتنے کاری ہوتے ہیں اتنے ہی اس کہانی کے روپ ہوتے ہیں۔ مغرب میں تجرید کی تکنیک کو کامیابی سے برتا گیا جس کے بعد عالمگیریت کے پھیلاؤ کے زیر اثر اردو کے لکھنے والوں نے بھی اپنے افسانوں میں اس کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ رشید امجد کے افسانے اس کی عمدہ مثال ہیں جن میں عام اشیاء اور مظاہر کے ساتھ باطنی اور جذباتی واردات شامل کر کے نئی معنویت عطا کی گئی ہے۔ رشید امجد کے علاوہ مظہر الاسلام، انور سجاد اور دیگر

افسانہ نگاروں نے بھی اس تکنیک کا استعمال کر کے خوب نام کمایا۔ رشید امجد کے افسانے "بچی ہوئی پہچان" کا اقتباس

کمرے میں نم آلود خاموشی پر پھیلائے بیٹھی تھی۔ سب اپنی اپنی جگہ میز کی چکنی سطح کو گھور رہے تھے جس پر گرے ساتویں کے دو آنسو اب بکھر کر لکیروں میں بدل گئے تھے۔ (۱۰۸)

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اردو میں تجریدیت کی جڑیں مغربی مصوری سے جا ملتی ہیں لیکن سلیم آغا قزلباش اس غلط فہمی کا ازالہ ان کے الفاظ کرتے ہیں۔ "اردو افسانے میں تجریدیت کا میدان مغرب کی مصوری کے اثرات کے نتیجے میں نہیں بلکہ مغربی فکشن کے مطالعے کی وجہ سے پروان چڑھا ہے۔" (۱۰۹)

اردو ادیبوں نے یورپ کی مصوری نہیں بلکہ ادب سے اثر لیا ہے۔ اس طرح وہ اس طریقہ کار کی عالمگیریت پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ عالمگیریت کے تحت دیگر زبانوں کے ادب سے استفادہ حاصل کرنا آسان ہو گیا ہے اور ادیب ان سے استفادہ حاصل کر کے اپنی تخلیقات میں پیش کرتے ہیں۔ دیگر معاشروں نے جو اپنے سماجی ڈھانچے میں تبدیلی کو پیش کرنے کے لیے نئی تکنیکیں ایجاد کیں تو ویسی تبدیلیاں اردو میں بھی کی گئیں جو یورپ سے مستعار کی گئیں۔

عالمگیریت کے باعث جدید دور میں علامتیں اور اساطیر بھی مغربی ادبی سے لی جا رہی ہیں۔ علامت سے مراد وہ نشان ہے جو ادب میں کسی ایک لفظ یا چیز کو زندگی کی ایک خاص روش کا متبادل قرار دینے کا نام ہے۔

آج کے دور میں کہانی کی معنویت اور نوعیت بدل گئی ہے اس لیے دور حاضر میں لکھنے والے اپنے افسانوں میں بالکل نئی علامتیں استعمال کر رہے ہیں یا پرانی علامتوں کو بھی نیا پیراہن عطا کیا جا رہا ہے۔ اب افسانہ نگار ایسی علامتوں کا استعمال کر رہے ہیں جن کا تعلق یورپ، امریکہ اور دیگر معاشروں سے ہے۔ یہ عالمگیریت کا واضح اثر ہے۔ ڈاکٹر انور سجاد نے مغربی ادب سے "سنڈریلا" کا کردار لے کر اسے مشرقی تناظر میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح فرحت پروین کے افسانوں میں سکنگ اور جنک یارڈ وغیرہ ایسی علامتیں ہیں جن کا تعلق امریکی معاشرے سے ہے سکنگ ایک امریکی گلہری نما جانور کا نام ہے جو انسانوں کو نقصان نہیں دیتا لیکن اس کی بدبو

بہت زیادہ ہوتی ہے جس سے ماحول تعفن ہو جاتا ہے۔ فرحت پروین نے اسے انا اور تفاخر کی علامت کہا ہے۔ اسی طرح جنک یارڈ میں ایک کردار کو جنک یارڈ دیکھ کر اپنی ماں کا سر یاد آتا ہے۔

مگر آج جنک یارڈ میں جگہ جگہ پرانی چیزوں کی زنگ خوردہ ڈھیروں کو دیکھ کر مجھے یوں لگا جیسے اماں کا الجھے بالوں والا کانپتا ہوا سر اور بجھی بجھی آنکھیں ابھر آئی ہوں اور میں ان کا سامنا نہیں کر پا رہا۔ (۱۱۰)

جدید علامتوں کے ساتھ ساتھ قدیم علامتیں بھی اردو افسانے میں استعمال کی جا رہی ہیں اور گزشتہ تین چار دہائیوں سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ اسی عرصے میں عالمگیریت کو بھی فروغ ملا اور اس کی بدولت علامتی افسانے میں مغرب اور مشرق کا ادغام ہو گیا ہے۔ فکری اور فنی حوالوں سے یہ ادغام ہوا ہے اور نئی تکنیکوں اور اسلوب نے مل کر اپنی ایک نئی صورت متعین کی ہے۔

عالمگیریت کے باعث تخلیق کیے جانے والے ادب کی مختلف اصناف میں ربط وضبط بڑھ رہا ہے جس کے باعث ایک صنف میں دوسری صنف کے عناصر در آتے ہیں۔ اس عمل کو عالمگیریت کے عمل کی توسیع سمجھا جا سکتا ہے جس کے تحت معاشرے ایک دوسرے کے قریب آرہے ہیں اور دوسرے عناصر کو قبول کر کے اپنے اندر ضم کر رہے ہیں اس کی وجہ سے ایک امتزاجی معاشرے کا ظہور ہو رہا ہے۔ اسی طرح مختلف اصناف کو آمیخت کر کے ایک نئی صنف بنانا اپنے بیانیے کو منفرد بنانے کا انداز ہے اور ان حالات کو پیش کرنا ہے جن کا سامنا عالمگیر معاشرے کے فرد کو کرنا پڑتا ہے۔ انگریزی میں اس کوشش کو پیسٹیشے (Pastiche) کہتے ہیں۔ اردو ادب میں یہ تجربات کیے گئے جن کا سرا مغربی ادب سے جا ملتا ہے۔

جدید دور میں ایک اور اسلوب نگارش جو اختیار کیا جا رہا ہے وہ فنتاسیا ہے۔ اس سے مراد خیالی اور غیر حقیقی واقعات کی پیشکش ہے۔ جدید دور میں اور قدیم دور کی فنتاسیا میں بنیادی فرق فکر، سوچ اور تخیل کا ہے۔ سائنس فکشن بھی اسی منطقہ ادب سے تعلق رکھتی ہے۔ آج کی سائنس فکشن آنے والے دنوں میں حقیقت کے طور پر سامنے آئے گی کیونکہ سائنس بہر حال انسان کے تخیل کو عملی صورت دینے کا عمل ہے۔ جدید دور کی فنتاسیا کی مثال ڈاکٹر فردوس انور قاضی کا افسانہ ''ماڈرن تہذیب'' کا اقتباس

شاید تمہیں یقین نہ آئے مگر یہ حقیقت ہے کہ اس کمپیوٹرائزڈ دور نے عجیب قسم کے بندر تخلیق کیے ہیں جو اپنی تہذیب و تمدن میں انسانوں سے حیرت انگیز مماثلت رکھتے ہیں۔ (۱۱۱)

موجودہ دور میں ایک اور رجحان بین المتونیت کا ہے۔ یعنی ایک متن کو اس وقت تک نہیں سمجھا جا سکتا ہے جب تک اس سے وابستہ دوسرا متن نظر سے نہ گزرے یعنی کسی تحریر میں ایسے حوالے دیے گئے ہوں جن کا تعلق کسی دوسرے ادب پارے یا اس سے قدیم تر ادب پارے میں ہو۔ یہ ایک جدید انداز ہے جو عالمگیریت کے تحت پوری دنیا میں پھیل رہا ہے۔ یہ حوالے دیگر زبانوں کے ادب سے بھی آتے ہیں اور اپنی زبان کے ادب سے بھی۔ بین العلومیت اور بین المتونیت اس عہد کے اہم ترین پہلو ہیں۔ جس طرح ذرائع ابلاغ اور عالمگیریت نے قومی حکومتوں کے جغرافیائی تصور پر ضرب لگائی ہے اسی طرح علوم کی سرحدیں بھی ٹوٹی ہیں۔ ایک شعبہ علم کی دانش سے دوسرے علوم میں بے دھڑک مدد لی جارہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید ادب پاروں کو سمجھنا مشکل ہے۔ قاری کو دوسرے علوم سے بھی کچھ نہ کچھ واقفیت ہونی چاہیے نہیں تو قاری ادب پارے کو سمجھ نہیں سکے گا۔ فرحت پروین نے اپنے افسانے ”ہاٹ میل ڈاٹ کام“ میں اوفیلیا کا ذکر کیا ہے لیکن اوفیلیا کے بارے میں قاری اس وقت تک نہیں جان سکتا جب تک اس نے شکسپیئر کو نہ پڑھا ہو۔

اس نے اپنی ساری ذلت وسیم حبیب کو لکھ دی خود کو عیاں بلکہ عریاں کر دیا۔
اس نے جواب میں لکھا

Cry ophelia cry

Until the ocean flour from your eyes

Teach the world what it mean

to feel you emptiness inside

ceyophelia, cry (۱۱۲)

اردو ادب میں جہاں عالمگیریت کے تحت دیگر تبدیلیاں آتی ہیں وہیں نئی نئی ادبی اصناف بھی متعارف ہو رہی ہیں اور ساتھ ساتھ وہیں رائج ہو جانے والی اصناف میں داخلی تبدیلیاں بھی وقوع پذیر ہو رہی ہیں اور نئے طرز احساس کے اظہار کے لیے نئی نئی تکنیکیں بھی استعمال کی جا رہی ہیں۔ ان میں سے ایک نثر کا نظمیہ انداز ہے۔ اردو کے نثری ادب میں یہ تکنیک بڑی خوب صورتی اور کثرت سے استعمال کی جا رہی ہے۔ جہاں لمبے اور طویل فقروں کا کام چھوٹے چھوٹے آزاد نظم کے مصرعوں سے ملتے جلتے جملوں سے لیا جاتا ہے۔ ایسی چند سطری کہانیاں فرانز کافکا کے ہاں ملتی ہیں اس اثر کو اردو ادیبوں نے بھی قبول کیا ہے۔

مظہر الاسلام کے علاوہ منشا یاد نے بھی " جنگل کا قانون" نامی افسانہ آزاد نظم کی صورت میں تحریر کیا ہے اس کے علاوہ ڈاکٹر فردوس انور قاضی نے اردو افسانے کو نئی ہیئت عطا کی ہے اور انسان کے داخلی محسوسات اور سوچ پر مبنی افسانوں یعنی خیالیہ کی بنیاد رکھی۔ جب شاعری میں عالمگیریت کے زیر اثر ہیئتی تجربات ہو رہے ہیں تو افسانے میں کیوں نہیں۔ افسانوں میں جس طرح پیراگراف ہوتے ہیں منظوم افسانوں میں انہوں نے ایک غیر مسلسل خط سے کام لیا ہے۔ ڈاکٹر فردوس انور قاضی نے پروین شاکر کو موضوع بنا کر اس قسم کا ایک افسانہ لکھا ہے۔

وہ تھی عورت مگر خوشبوؤں میں بسی ایک خوشبو ہی تھی

زندگی کے حسین راز سے باخبر

لالہ سا مگر، ایک خوشبو ہی تھی

اس کے لہجے میں تھا

شوق کی پر خطر، وادی جان فزا کا سہانہ سفر

منزلوں کے نشاں

خواب بنتی سی آنکھیں

نظر کا فسوں

وہ تھی عورت مگر خوشبوؤں میں بسی [۱۱۳]

اس نے تہذیب کے جھوٹے رنگوں میں لیے ہوئے فیصلے

سب ہی رد کر دیے

جس میں تفریق تھی مرد وزن کے لیے [۱۱۴]

فطری جذبات کی مضطرب مہر سے

پھر بنایا تھا گل رنگ حسین ایک محل [۱۱۵]

اسی طرح انور سجاد کے ہاں بھی نظمیہ نثری کی مثالیں مل جاتی ہیں۔ جو اپنے سیاق وسباق سے الگ مکمل نظم کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

ستارے آسمان کی کیاری کے پھول ہیں

چاند ان کیاریوں کا مالک ہے

جو ان پھولوں کے کھلنے تک ان کی حفاظت کرتا ہے

اور جب یہ کھل جاتے ہیں تو انہیں نوچ کر

سورج کے ڈرائنگ روم میں سجا دیتا ہے۔ [۱۱۶]

ہماری دنیا کی طرح دوسری دنیائیں ہیں جن کی آنکھیں زیادہ تر روشنی میں چندھیا جاتی ہے۔ جب زیادہ روشنی نہیں ہو گی اور میں ایک ہزار سال کا ہو جاؤں گا تو میں ان دنیا کی سیر کروں گا۔[۱۱۷]

بحیثیت مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں کہ عالمگیریت نے جس طرح زندگی کے ہر میدان سیاست، معیشت، ثقافت سب پر اثرات مرتب کیے وہاں ادب پر بھی عالمگیریت کے گہرے اثرات ہیں۔ عالمگیریت کے تحت نئے افسانہ نگاروں کے ہاں بے شمار ایسے موضوعات ہیں جن کا تعلق عالمگیریت سے ہے۔ خاص طور پر نائن الیون، میڈیا، تارکین وطن، دیگر معاشروں کی پیشکش، دہشت گردی، سائنسی شعور، تہذیبوں کا تصادم، عالمی خوراک وغیرہ اہم موضوعات ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر زبانوں کے ادب سے ہونے والے تراجم نے بھی اردو ادب کے دائرے کو وسیع کیا۔ اردو ادب کے شاعر اور ادیب مغربی ادب کے رجحانات اور تکنیکوں سے متاثر ہو کر انہیں اختیار کرتے ہیں۔ عالمگیریت کی وجہ سے پھیلنے والے نظریات کے علاوہ مختلف زبانوں کے ادب نے جدید اردو ادب کو متشکل کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

حوالہ جات

(۱) نذر عابد، ڈاکٹر، عالمگیریت اور اردو زبان و ادب: اثرات و امکانات، مشمولہ، اردو سکالرز کی دنیا، فروری ۲۰۱۵ء، صفحہ ۹۳

(۲) ناصر عباس نئیر، ڈاکٹر، گلوبلائزیشن اور اردو مشمولہ، پاکستانی اردو، مرتبہ عطش درانی، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۰۸ء، صفحہ ۳۰۳۔

(۳) نذر عابد، ڈاکٹر، عالمگیریت اور اردو زبان و ادب: اثرات و امکانات، مشمولہ، اردو سکالرز کی دنیا، فروری ۲۰۱۵ء، صفحہ ۹۳

(۴) ناصر عباس نئیر، ڈاکٹر، مابعد جدیدیت، نظر مباحث، پاکستانی اردو اکیڈمی لاہور، ص ۳۲۱۔

(۵) https://dailypakistan.com.pk

(٦) سبین علی، دیدبان، اداریہ مابعد جدید ادب نمبر

(۷) سبین علی، دیدبان، اداریہ مابعد جدید ادب نمبر

(۸) نجیبہ عارف، عالمگیریت اور ادب، www.sangatacademy.net

(۹) خالد اقبال یاسر، عالمگیریت اور جدید ادبی رجحانات، غیر مطبوعہ مضمون، صفحہ ٦

(۱۰) عرفان احسن پاشا، اردو ادب پر عالمگیریت کے اثرات، تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس لاہور، صفحہ ۴۹

(۱۱) مبین مرزا، عالمگیریت اور ہمارا عصری و ادبی تناظر، (مضمون) Express.pk ۲۰۱۹ء

(۱۲) بشیر بدر، کلیات بشیر بدر، ناصر پبلی کیشنز کراچی، ۲۰۰۱ء، صفحہ ۲۲۴

(۱۳) منیر نیازی، ایک اور دریا کا سامنا، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، صفحہ ۴٦۱

(۱۴) سعود عثمانی، قوس، دعا پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۹ء، صفحہ ۱۲٦

(۱۵) افتخار نسیم، آبدوز، ٹی اینڈ ٹی پبلشرز لاہور، ۲۰۰۳ء، صفحہ ۸۸

(۱٦) طارق ہاشمی، دستک دیا دل، مثال پبلی کیشنز فیصل آباد، ۲۰۱۰ء، صفحہ ۲۱

(۱۷) شبنم شکیل، اضطراب، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۴ء، صفحہ ۱۰

(۱۸) فہمیدہ ریاض، دھوپ، مکتبہ دانیال کراچی، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۵۴

(۱۹) کشور ناہید، خیالی شخص سے مقابلہ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۴۰

(۲۰) نوشی گیلانی، اداس ہونے کے دن نہیں، گیلانی پبلشرز لاہور، ۱۹۹۸ء، صفحہ ۲۹

(۲۱) کشور ناہید، لب گویا، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۱ء، صفحہ ۴۸

(۲۲) افتخار نسیم، آبدوز، ٹی اینڈ ٹی پبلشرز لاہور، ۲۰۰۳ء، صفحہ ۱۶۵

(۲۳) منیر نیازی، ایک اور دریا کا سامنا، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ۲۰۰۸ء، صفحہ ۳۷۵

(۲۴) خورشید رضوری، امکان، الحمد پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۴ء، صفحہ ۲۷

(۲۵) محمد شہزاد نئیر، چاک سے اترے وجود، جہانگیر بکس لاہور، صفحہ ۲۰

(۲۶) کشور ناہید، خیالی شخص سے مقابلہ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۵۸

(۲۷) شمیم ظفر رانا، صرف تیرے لیے، اکائی، فیصل آباد، ۲۰۱۲ء، صفحہ ۶۶

(۲۸) محمد شہزاد نئیر، برفاب، کاغذی پریس لاہور، ۲۰۰۲ء، صفحہ ۶۷

(۲۹) آسیہ رانی، میرا زاویہ، سخن ور فوم ملتان، ۲۰۰۹ء، صفحہ ۱۴۸

(۳۰) ضیاء الحسن، بار مسلسل، کتاب نما لاہور، ۱۹۹۵ء، صفحہ ۲۴

(۳۱) سعادت سعید، ڈاکٹر، شناخت، شاہد سلیم لاہور، ۲۰۰۷ء، صفحہ ۶۳

(۳۲) رفیق سندیلوی، غار میں بیٹھا شخص، کاغذی پیرہن لاہور، صفحہ ۵۱

(۳۳) حماد، ترے خیال کا چاند، جہانگیر بکس لاہور، س ن، صفحہ ۸۰

(۳۴) شہزاد نئیر، برفاب، صفحہ ۸۶

(۳۵) امجد اسلام امجد، کالے لوگوں کی روشن نظمیں، جنگ پبلشرز لاہور، ۱۹۹۱ء، صفحہ ۴۹

(۳۶) انیس ناگی، پابلو نیرودا، نظمیں، جمالیات لاہور، صفحہ ۶۲

(۳۷) https//www.oxfordbibliographies.com

(۳۸) نجیبہ عارف، ڈاکٹر، عالمگیریت اور اردو ادب، www.sangatacademy.com

(۳۹) احتشام حسین سید، اردو ادب اور انقلاب، ۱۸۵۶ء، مشمولہ ۱۸۵۷ء، تاریخی، علمی اور ادبی پہلو، مرتبہ (محمد اکرام چغتائی)، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۷ء، صفحہ ۵۲۷

(۴۰) سلیم اختر، ڈاکٹر، عالمگیریت اور جدید ادبی رجحانات، مشمولہ خیابان پشاور، ۲۰۰۶ء، صفحہ ۳

(۴۱) ضیاءالحسن، ڈاکٹر، جدید اردو نظم میں ہیت کے تنوعات، مشمولہ اور نیٹل کالج میگزین، ۲۰۰۹ء، صفحہ ۱۵۱

(۴۲) مجید امجد، کلیات مجید امجد (مرتب) خواجہ محمد زکریا، الحمد پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۶ء، صفحہ ۲۷۷

(۴۳) مجید امجد، کلیات مجید امجد (مرتب) خواجہ محمد زکریا، صفحہ ۲۷۷

(۴۴) تبسم کاشمیری، پرندے پھول تالاب، سنگ میل پبلشرز لاہور، ۱۹۹۴ء، صفحہ ۵۰۲

(۴۵) افضال احمد سید، مٹی کی کان، آج کراچی، ۲۰۰۹ء، صفحہ ۲۶

(۴۶) جاپان ثقافتی مرکز، اردو ہائیکو، تیسرا مشاعرہ، قونصل خانہ جاپان کراچی، ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۲اور ۱۳

(۴۷) جاپان ثقافتی مرکز، مہک گل داؤدی، کراچی قونصل خانہ جاپان کراچی، ۱۹۸۵ء، صفحہ ۵۷

(۴۸) طارق ہاشمی، دستک دیا دل، مثال پبلشرز فیصل آباد، ۲۰۱۰ء، صفحہ ۲۷

(۴۹) ناصر زیدی (مرتب) پاکستانی ادب ۲۰۰۰ء، اکادمی ادبیات اسلام آباد ۲۰۰۱ء، صفحہ ۶۱

(۵۰) تبسم کاشمیری، پرندے پھول تالاب، سنگ میل پبلی کشنز لاہور، ۱۹۹۶ء، صفحہ ۶۱۱

(۵۱) عبدالعزیز خالد، ارداغ دل، مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۷۴

(۵۲) اسلم کولسری، ویرانہ، القمر انٹر پرائزز ۱۹۹۰ء، صفحہ ۱۲۷

(۵۳) میلان کنڈیرا، ناول کا فن، مکالے اور دیگر نگارشات (ترجم) محمد عمیر میمن، شہر زاد کراچی ۲۰۱۳، ص ۲۵

(۵۴) رشید احمد گوریچہ، ڈاکٹر، اردو میں تاریخی ناول، ابلاغ لاہور ۱۹۹۴، ص ۳۱۹

(۵۵) ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے بدلتے تناظر، اردو اکیڈمی لاہور ۲۰۰۷، ص ۱۱

(۵۶) ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے چند اہم زاویے، انجمن ترقی اردو کراچی ۲۰۰۲، ص ۳۹

(۵۷) ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اردو ناول انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۹۶، ص ۳۲

(۵۸) Tony schirto and jen webb,2003 understading Globalization, Sage Publication, Landon, P.4

(۵۹) رفعت رفیق، عالمگیریت اور اردو ناول، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، صفحہ ۲۹۴

(۶۰) مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، سانجھ پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۸ء ص ۱۸

(۶۱) بانو قدسیہ، حاصل گھاٹ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۵ء ص ۱۵۵

(۶۲) مستنصر حسین تارڑ، خس، خاشاک زمانہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۴ء ص ۱۸

(۶۳) بانو قدسیہ، حاصل گھاٹ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۱۰، ص ۲۳ تا ۱۲۴

(۶۴) خالد حسین، کاغذی گھاٹ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۵، ص ۱۵۵

(۶۵) بانو قدسیہ، حاصل گھاٹ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ص ۲۲۰

(۶۶) اختر رضا سلیمی، جندر، رمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز راولپنڈی ۲۰۱۱، ص ۱۰۳

(۶۷) عرفان احسن پاشا، اردو ادب پر عالمگیریت کے اثرات، مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن لوئر مال کیمپس لاہور، ص ۴۴۱

(۶۸) رخسانہ بلوچ، عالمگیریت مشرق و مغرب میں تفاوت، تحقیق نامہ، شمارہ ۲۸۰-۲۰۲۱، ص ۲۲

(۶۹) رشید امجد، ڈاکٹر، عام آدمی کے خواب، پورب اکادمی اسلام آباد، ۲۰۰ء، ص ۴۲

(۷۰) ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اردو ناول، انجمن ترقی اردو کراچی، ۱۹۹۰ء، ص ۳۱

(۷۱) بانو قدسیہ، حاصل گھاٹ، ص ۱۹

(۷۲) مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، سانجھ پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۹ء، ص ۲۴

(۷۳) رفعت رفیق، عالمگیریت اور اردو ناول، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، صفحہ ۲۹۴

(۷۴) شمس الرحمن فاروقی، کئی چاند تھے سر آسمان، شہر زاد کراچی، ۷۴۴، ۲۰۰۶

(۷۵) مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، ص ۴۰

(۷۶)　انیس ناگی، ڈاکٹر، سکریب بک، جمالیات لاہور، ۲۰۰۹، ص ۴

(۷۷)　عرفان احسن پاشا، اردو ادب پر عالمگیریت کے اثرات، ص ۳۱۰

(۷۸)　انیس ناگی، ڈاکٹر: ۳۱۳ بریگیڈ: جمالیات لاہور ۲۰۰۶، ص ۱۰۸

(۷۹)　محمد حمید شاہد، مرگ زار، اکادمی بازیافت کراچی ۲۰۰۴، ص ۴۰، ۴۱

(۸۰)　نیر اقبال علوی، سلسلہ روز و شب، ملٹی میڈیا افیئرز لاہور ۲۰۰۵، ص ۲۱

(۸۱)　محمد حمید شاہد، مرگ زار، اکادمی بازیافت کراچی ۲۰۰۴، ص ۸۴

(۸۲)　عمار مسعود، مٹی تلے بیس سال، مشمولہ خواتین میگزین روزنامہ نئی بات لاہور ۲ ہ ۱۲، ص ۱۲

(۸۳)　رشید امجد، عام آدمی کے خواب، پورب اکادمی الام آباد ۲۰۰۷، ص ۲۲۳

(۸۴)　سجاد تبسم، لو تھڑا، خزینہ، علم و ادب لاہور، ۲۰۰۳، ص ۱۰۱

(۸۵)　نئیر اقبال علوی، سلسلہ روز و شب، ملٹی افئیرز لاہور ۲۰۰۵، ص ۲۵

(۸۶)　فیصل عجمی، سونامی، اشار اکادمی اسلام آباد ۲۰۰۹، ص ۲۰۶

(۸۷)　انور زاہدی، زحال مستی، سہ ماہی ادبیات، شمارہ ۹۸، ۲۰۱۳ء، ص ۴۰

(۸۸)　نذیر تبسم، ڈاکٹر، عالمگیریت اور جدید ادبی رجحانات (مضمون) مطبوعہ ششماہی خیابان ص ۴۳

(۸۹)　خالد فتح محمد، دل کو دل سے راہ (افسانہ) مطبوعہ، سہ ماہی ادبیات شمارہ ۵۰، ۲۰۵، ص ۲۹

(۹۰)　انور سجاد، مجموعہ ڈاکٹر انور سجاد، سنگ میل پبلیشر لاہور ۲۰۰۳، ص ۴۸۹

(۹۱)　نئیر اقبال علوی، عالم سوز و ساز، ملٹی میڈیا افئیرز لاہور ۲۰۰۵، ص ۱۳۹

(۹۲)　انیس ناگی، ڈاکٹر، ۳۱۳ بریگیڈ، جمالیات لاہور ۲۰۰۶، ص ۱۱۲

(۹۳)　غازیہ شاہد، گھن لگے دریچے، المازسنز لاہور ۲۰۰۶، ص ۱۱۲

(۹۴) نئیر اقبال علوی، عالم سوز و ساز، ملٹی میڈیا افیئر لاہور ۲۰۰۵، ص ۱۴۰

(۹۵) مبین مرزا، خوف کے آسمان تلے، اکادمی بازیافت کراچی ۲۰۰۴ء، ص ۳۷

(۹۶) ایضا، ص ۱۶۴

(۹۷) محمد حمید شاہد، مرگ زار، اکادمی بازیافت کراچی ۲۰۰۴، ص ۱۱۹

(۹۸) نئیر اقبال علوی، سلسلہ روز و شب، ص ۵۶

(۹۹) سلیم اختر، افسانہ حقیقت سے علامت تک، مکتبہ عالیہ لاہور ۲۰۰۶، ص ۴۲

(۱۰۰) انور احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، مثال پبلیشرز فیصل آباد، ۲۰۰۰، ص ۴۹۱

(۱۰۱) حامد سراج، برائے فروخت، پورب اکادمی، ۲۰۰۹، ص ۷

(۱۰۲) محمد حسن، ڈاکٹر، اردو ادب کی سماجیاتی تاریخ، اقوامی کونسل فروغ زبان و ادب ۱۹۹۸، ص ۱۸۵۔

(۱۰۳) محسنہ جیلانی، بکھرے ہوئے لوگ، اکادمی بازیافت کراچی ۲۰۰۳، ص ۱۹

(۱۰۴) فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، پورب اکیڈمی اسلام آباد

(۱۰۵) انور سجاد، ڈاکٹر، مجموعہ ڈاکٹر انور سجاد، سنگ میل پبلشرز لاہور ۲۰۰۴ء ص ۱۴۹

(۱۰۶) رشید امجد، عام آدمی کے خواب، پورب اکادمی اسلام آباد، ص ۷۴۸، ۷۴۹

(۱۰۷) سمیع آہوجا، طلسم دہشت، ملٹی میڈیا افیئر ص ۱۶

(۱۰۸) رشید امجد، عام آدمی کے خواب، ص ۹۸

(۱۰۹) سلیم آغا قزلباش، جدید اردو افسانے کے رجحانات، انجمن ترقی اردو کراچی، ص ۳۷۸

(۱۱۰) فرحت پروین، منجمد، اساطیر لاہور ۱۹۹۲ء ص ۴۴

(۱۱۱) فردوس انور قاضی، ڈاکٹر، آخری ٹرین، ابلاغ پبلشرز لاہور ۲۰۰۱، ص ۱۲۹

(۱۱۲) فرحت پروین، کانچ کی چٹان، جہانگیر بکس لاہور سن ن، ص ۱۴۷

(۱۱۳) فردوس انور قاضی، ڈاکٹر، آخری ٹرین، ص۳۱۷

(۱۱۴) ایضاً، ص۳۱۸

(۱۱۵) ایضاً، ص۳۱۹

(۱۱۶) انور سجاد، ڈاکٹر، مجموعہ ڈاکٹر انور سجاد، ص۵۵۵

(۱۱۷) انیس ناگی، ڈاکٹر، بدگمانیاں، جمالیات لاہور ۲۰۰۱، ص ۱۷

باب سوم:

حسن منظر کے ناولوں میں عالمگیریت کے عمرانی پہلو کے اثرات کا فنی و فکری تجزیہ

معاصر ناول نگاروں میں حسن منظر ایک اہم نام ہے۔ ۱۹۸۰ کے بعد ناول نگاری کے میدان میں قدم رکھنے والوں کو معاصر ناول نگار کہا جاتا ہے۔ اس ناول نگاروں نے اپنے ناولوں کے ذریعے اردو ناول نگاری کے افق کو وسعت عطا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے ناول فکری و موضوعی اعتبار سے اپنے پیش رووں سے مختلف اور عصری تناظر سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاں ماضی کے بجائے حال کا سیاق غالب ہے۔ انہوں نے اردو ناول کو عصری زندگی کے بعض ایسے گوشوں سے آشنا کیا جو اب تک توجہ کا مرکز نہیں بن پائے تھے۔

موجودہ ادبی منظر نامے پر جن تخلیق کاروں نے ادبی حلقوں میں نمایاں پذیرائی حاصل کی ان میں ایک اہم نام حسن منظر کا ہے۔ حسن منظر ۴ مارچ ۱۹۳۴ کو اتر پر دیش میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام سید مظہر حسن تھا۔ جو ریلوے میں ملازم تھے۔ حسن منظر کا شمار پاکستان کے بڑے ماہرین نفسیات اور تخلیق کاروں میں ہوتا ہے۔ حسن منظر نے اپنا بچپن اتر پر دیش میں گزارا۔ ابتدائی تعلیم بیونٹ مسلم ہائی سکول مراد آباد سے حاصل کی۔ ایف ایس سی فارمین کرسچین کالج لاہور سے کی اور بی۔ ایس۔ سی کے لیے اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ ایس۔ سی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ایم۔ ایس کی ڈگری کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے حاصل کی۔ ادبیات سے شغف بچپن سے ہی رہا اور زمانہ طالب علمی سے ہی نظریاتی جھکاؤ ترقی پسند تحریک کی جانب رہا۔ ایم۔ ایس۔ سی کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بیرون ملک چلے گئے اور یونیورسٹی آف لیڈ میرا سے ڈی۔ پی۔ ایم کی ڈگری حاصل کی۔ رائل کالج آف فزشیز اینڈ سرجنز ایڈ مبر اگلاسکو سے ڈی۔ پی۔ ایم کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد وطن واپس آکر طب کے شعبے سے منسلک ہوئے۔

وطن واپس آنے کے بعد کراچی میں رہائش اختیار کی اور وہیں ملازمت کا اغاز کیا۔ بعد ازاں وہ دوسرے ممالک میں رہے۔ ان ممالک میں یونیورسٹی آف ملایا، ایڈمبرا، ویسٹ لورین اسکاٹ لینڈ، شمالی نائجیریا، لیگوس، روئل ڈچ مرچنٹ نیوزی لینڈ اور سعودی عرب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں بھی بین الاقوامیت جھلکتی ہے۔

انہوں نے ادبی سفر کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا۔ اور پہلا افسانہ " دہقان "لکھا جو استقلال لاہور میں شائع ہوا۔ اگلا افسانہ " دوسڑکیں دو کنارے تھے "جو انجمن ترقی پسند مصنفین کی نشست میں پڑھا گیا۔ یہ افسانہ ہمارے وطن لاہور میں شائع ہوا۔ انہوں نے تعلیم اور ملازمت کے ساتھ ساتھ لکھنے کا کام بھی جاری رکھا اگرچہ مصروفیت کے باعث اس میں وقفے آتے رہے لیکن جو بھی افسانے لکھے وہ سویرا، ادب لطیف، افکار اور دیگر جرائد میں چھپتے رہے۔ حیدرآباد میں رہتے ہوئے ان کے ملاقات صفدر میر اور صبا لکھنوی سے زیادہ رہی۔ وہیں ان کی ملاقات الیاس عشقی سے ہوئی جس کے بعد ان کا تعلق مجلس مصنفین سے بھی قائم ہو گیا۔ جمہوری لائبریری میں مصنفین کی مجلس ہوتی تھی۔ بعد میں جب ادراک نامی تنظیم قائم ہوئی تو اس کی مجلس حسن منظر اور الیاس عشقی کے گھر ہوا کرتی تھیں۔ حسن منظر کو موسیقی اور فلم سے بہت لگاؤ تھا۔ اپنے ایک انٹرویو میں وہ فلم انڈسٹری سے شغف کے بارے میں بتاتے ہیں

> انگریزی ادب کا ذوق والد صاحب کا پیدا کیا ہوا ہے۔ فلم وہ بس کبھی کبھار لے جاتے تھے۔ انہی کے ساتھ جا کر میں نے پریم چند کی رنگ بھومی "چوگان ہستی" دیکھی تھی۔۔ اس کے بعد چند فلمیں والدہ کے ساتھ دیکھی تھیں۔۔۔ فلم دیکھتا تھا اور اس طرح محفوظ ہو جاتی تھی جیسے میں نے شوٹنگ کا اسکرپٹ پڑھا ہے۔ بعد میں مطالعے سے پتا چلا ان شوٹس کے نام کیا کیا ہیں۔ میں اس فلم کی گرام کہتا ہوں اور ان ہستیوں کے لیے میرے دل میں عقیدت ہے جنھوں نے فلم انڈسٹری کے بچپن ہی میں یہ گرامر وضع کی تھی۔ (1)

روسی ادب میں حسن منظر ٹالسٹائی کے مداح ہیں۔ اس کے علاوہ John Steinbecko، ہیمنگ وے، تھیکرے اور تھامسن کو بھی سراہتے ہیں۔ اردو افسانہ نگاروں میں منٹو، بیدی، کرشن چندر اور عصمت

چغتائی کو پسند کرتے ہیں۔ حسن منظر نے ۱۹۶۲ء میں شادی کی۔ ان کی بیوی طاہرہ منظر حسن چائلڈ اسپیشلسٹ ہیں۔ حسن منظر کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں۔ بیٹا حسن منظر کے ساتھ ہی پریکٹس کر رہا ہے جبکہ بیٹیاں لندن اور نیو یارک میں ہیں۔

حسن منظر نے ادبی سفر کا آغاز کہانیوں سے کیا۔ پھر افسانے لکھے۔ اس کے بعد ناول نگاری کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت ان کے جو افسانوی مجموعے منظر عام آ چکے ہیں وہ یہ ہیں:

پہلا افسانوی مجموعہ ''رہائی'' ہے۔ جو ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔

دوسرا افسانوی مجموعہ ''ندیدی'' ہے جو ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔

تیسرا مجموعہ ''انسان کا دیس'' ہے جو ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔

چوتھا افسانوی مجموعہ ''سوئی بھوک'' ہے جو ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا۔

پانچواں افسانوی مجموعہ ''ایک اور آدمی'' ہے جو ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔

افسانوں کے علاوہ حسن منظر نے پریم چند کے ناول ''منگل سوتر'' اور ''شہورانی دیوی'' کی کتاب ''پریم چند گھر میں'' کا ہندی سے اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ اس کے علاوہ انھیں بچوں کی نفسیات کا گہرا علم ہے۔ انہوں نے بچوں کے لیے بھی تحریریں لکھیں مثلاً ''سمندر میں جنگ'' جو ۲۰۰۱ء میں لکھی گئی۔ ''جان کے دشمن'' جو ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔

حسن منظر نے ناول نگاری میں بھی اپنا نام پیدا کیا۔ ان کا پہلا ناول ''العاصفہ'' ہے۔ ''العاصفہ'' انہوں نے بہت پہلے لکھنا شروع کیا تھا لیکن مکمل انہوں نے ۲۰۰۶ء میں کیا۔ اس کو شہر زاد کراچی نے شائع کیا۔ اس کو مکمل نہ کرنے کی وجہ وہ وقت کی عدم دستیابی بتاتے ہیں۔ دوسرا ناول ''دھنی بخش کے بیٹے''۔ یہ ۲۰۰۸ء میں شہر زاد کراچی سے شائع ہوا۔ تیسرا ناول ''وبا'' ہے جو ۲۰۰۹ء میں شہر زاد کراچی سے شائع ہوا۔ چوتھا ناول ''دو مختصر ناول بیر شیبا کی لڑکی، ماں بیٹی'' ہے جو ۲۰۱۰ میں شہر زاد کراچی سے شائع ہوا۔ پانچواں ناول ''انسان اے

انسان" ہے جو ۲۰۱۳ء میں شہر زاد کراچی سے شائع ہوا۔ چھٹا ناول "حبس" ہے جو ۲۰۲۰ء میں منظر عام پر آیا اور اس کو بھی شہر زاد کراچی سے شائع کیا۔

ان کی تحریروں پر مختلف ادیبوں نے اپنی آرا کا اظہار کیا ہے۔

اردو افسانے کو نئی جہت عطا کرنے پر انور سدید نے مبارک دی۔

"نیا ورق" ممبئی کے مدیر ساجد رشید کہتے ہیں کہ میں نے ان کا ناول "وبا" پڑھا تو کہا اس نے تو مجھے پاگل کر دیا۔

"افتخار عارف نے انھیں صاحب منزلت افسانہ نگاروں میں شمار کیا ہے۔" (۲)

حسن منظر نے حیدر آباد میں ملازمت کی۔ ۲۰۱۲ء میں طبیعت کی خرابی کے باعث انہوں نے ملازمت کو خیر آباد کہہ دیا اور کراچی میں رہائش پذیر ہیں۔ حسن منظر کی تحریروں میں ہمیں موجودہ دور کے حالات کی عکاسی خوب صورت انداز میں ملتی ہے۔ وہ ایک باشعور ادیب ہیں۔ وہ اپنے ایک انٹرویو میں با مقصد ادب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ

> با مقصد ادب کا تقاضا ہے کہ وہ حالات کے ساتھ چلے۔ منفی قوتوں کی نشاندہی اور مثبت اقدار کے بارے میں لکھے۔ دنیا کا بہترین ادب یا آرٹ انتشار کے دور میں سامنے آیا۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے ادیبوں کے پاس ایک واضح مقصد تھا۔ چاہے وہ اس کا ادراک نہ رکھتے ہوں۔ مگر اس مقصد نے ان کی تخلیقات کو متاثر کیا۔ اسی طرح دوسری عالمی جنگ کے موقع پر سامنے آنے والے ادب کی بھی مثال دی جاسکتی ہے۔ (۳)

حسن منظر کے ہم عصر ناول نگاروں میں مرزا اطہر بیگ، شمس الرحمان فاروقی، مستنصر حسین تارڑ، خالدہ حسین، عاصم بٹ، بانو قدسیہ، محمد حمید شاہد وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان ناول نگاروں کے ہاں موضوعات اور اسلوب کے نت نئے تجربات ہو رہے ہیں۔ موجودہ دور عالمگیریت کا دور ہے۔ عالمگیریت کے باعث اردو زبان وادب کے نت نئے روپ سامنے آرہے ہیں۔ ہمار ادیب مغربی تحریروں سے استفادہ حاصل کرکے ان کو اپنی

تحریروں میں بھی نئے تجربات پیش کر رہے ہیں۔ ناول نگار جدید ادب سے استفادہ کرتے ہوئے پلاٹ، کردار اور مکالمے میں جدید تکنیک کا استعمال کر رہے ہیں۔ بامقصد ادب وہی ہوتا ہے جو حالات کے مطابق چلے۔ سنجیدہ ادب ہمیشہ بامقصد ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں ادب کا یہ فریضہ ہے کہ وہ عدم مساوات اور عالمگیریت کے منفی اثرات کے خلاف اپنے تحفظات کا اظہار کرے۔ کیونکہ موجودہ دور میں جہاں دوسرے مسائل ہیں وہاں عالمگیریت بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ جو ہماری زبان، تہذیب و ثقافت، سیاست، معیشت غرض ہر شعبے پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ ایسے میں ایک ادیب جو معاشرے کا حساس فرد ہوتا ہے اور معاشرے کا ترجمان بھی اس دور میں اس کی ذمہ داری بہت پیچیدہ نوعیت کی ہو چکی ہیں۔

حسن منظر کی ناول نگاری بیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں سے لے کر اکیسویں صدی کے دوسرے عشرے تک محیط ہے۔ ان دہائیوں میں بدلا ہوا سیاسی، سماجی، ثقافتی اور لسانی منظر نامہ متعدد سوالات پیش کرتا ہے ان میں سے ایک سوال عالمگیریت کا بھی ہے۔ بیسویں صدی کے آخر میں کچھ اہم واقعات اور ایجادات نے انسان کے تہذیبی سفر کو نئی جدت دی۔ نت نئی ایجادات نے انسان کی زندگی میں جہاں آسانیاں پیدا کیں وہاں پیچیدہ سوالات کو بھی جنم دیا۔ جس کا سامنا انسان کو اس سے پہلے کی قرنوں میں نہیں کرنا پڑتا تھا۔ مثلاً ۱۹۷۹ء میں آپٹیکل فائبر کی ایجاد نے معلومات کی ترسیل کو تیز تر، کم لاگت اور زیادہ ممکن بنایا۔ ۱۹۷۹ء میں روسی افواج کا افغانستان میں داخلہ جس نے آگے چل کر متحدہ سوویت یونین کو تقسیم کر کے دنیا کی یونی بولر بنا کر طاقت کا توازن بگاڑ دیا۔ اسی طرح ۱۹۸۸ میں ایران اور عراق کے درمیان جنگ کا خاتمہ ہوا۔ ۱۹۸۸ء میں جب بے نظیر بھٹو وزیر اعظم بنیں اس وقت پاکستان کی سیاست میں بھی بہت ہلچل پیدا ہوئی۔ ۱۹۸۹ء میں دیوار برلن منہدم ہوئی۔ ۱۹۹۰ء میں مشرقی جرمنی و مغربی جرمنی کا ادغام ہوا۔ ۲۰۰۱ء میں یورو کرنسی کا اجراء ہوا۔ ۲۰۰۱ء میں ہی نیویارک ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر دہشت گرد حملہ ہوا۔ حملوں کے بعد ان کا ذمہ دار عرب کے شہری اسامہ بن لادن اور ان کی تنظیم القاعدہ کو ٹھہرایا گیا۔ افغانستان میں روپوش اسامہ بن لادن کی حوالگی سے انکار پر امریکا نے ۲۰۰۱ء میں افغانستان میں طالبان کی حکومت ختم کر دی اور افغانستان ایک طویل خانہ جنگی کی لپیٹ میں آگیا۔ جنوری ۲۰۰۴ء میں سیرٹ رودورولوٹ کو امریکی خلائی ادارے ناسا نے کامیابی سے مریخ پر

اتارا اور اس کی مدد سے معلومات کی ترسیل شروع کر دی اور بہت سی تصاویر اور مشاہدات زمین پر بھیجے۔ ۲۰۰۴ء میں انڈونیشیاء میں خوفناک زلزلہ آیا۔ اس زلزلے سے لاکھوں افراد ہلاک اور بے گھر ہوئے۔ ۲۰۰۷ء میں عالمی مالیاتی بحران عروج کو پہنچ گیا اور دنیا کو عالمی مالیاتی بحران اور کساد بازاری کا سامنا کرنا پڑا۔ امریکہ جیسی مضبوط معیشت کی بنیادیں بھی اس مالیاتی بحران نے ہلا کر رکھ دیں۔ اس بحران کا نتیجہ بے روزگاری، مہنگائی، افراط زر کی شکل میں ساری دنیا میں پھیل گیا۔

انہی سالوں میں عالمگیریت نے بھی پوری دنیا کو متاثر کیا۔ عالمگیریت نو آبادیت اور سامراجیت سے زیادہ طاقت ور ہے کیونکہ یہ فوجی قوت سے بڑھ کر سرمائے اور ٹیکنالوجی کے نفیس حربوں سے لیس ہے۔ یہ عالمگیریت مختلف صورتوں میں پہلے سے موجود تھی لیکن اپنے اس روپ میں یہ سرمایہ دارانہ نظام کی کامرانی اور امریکی انداز اور طرز حیات سے نمو ہے۔ عالمگیریت کی ایک اہم خصوصیت تیز رفتاری ہے لیکن یہ تیز رفتاری معاشرتی بے چینی، علاقائی اور نسلی کشمکش، تشدد کا باعث بن گئی۔ معلومات کا سیل رواں، گھروں، تعلیمی اداروں اور اب خواب گاہوں تک پہنچ چکا ہے۔ اس سیلاب نے پرانی دنیا اور اس کی اقدار کو ختم کر دیا ہے۔ شروع میں عالمگیریت کو ایک منصوبہ سمجھا گیا جو بے ضرر اور مثبت تھا لیکن جلد ہی یہ حقیقت سامنے آگئی کہ یہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے جس کے تحت مقتدر اقوام دنیا کو تبدیل کرنا چاہتی ہیں۔ اس کا ایجنڈا نسلوں، رنگوں، عقیدوں کی نئی تشکیل سے عبارت ہے جس میں دنیا کی ساری اقوام ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے زندگی گزاریں۔ انسان کی انفرادی شناخت مٹائی جارہی ہے۔ عالمگیریت کوئی رجحان یا تحریک نہیں بلکہ یہ ایک طرز حکمرانی ہے۔

موجودہ دور میں تہذیبیں مٹ رہی ہیں اور ثقافتوں کے امتیازی نشانات پر کاری ضرب لگائی جارہی ہے۔ یہ دنیا کوکا کولا، فیس بک، جینز، کے ایف سی، میکرونیز اور ورچوئل رئیلٹی کی دنیا ہے انسانی زندگی ربوٹ کی مانند ہو چکی ہے۔ عالمگیریت کی مخفی یکسانیت اور معیاریت اقوام کے تہذیبی تشخص اور انفرادیت کو ختم کر رہی ہے۔ اس کے باعث دنیا بھر کی بہت سی زبانیں ہیں جو اپنا وجود کھو رہی ہیں اور برباد ہو رہی ہیں۔ غیر محسوس طریقے سے ہم اپنی زبانیں چھوڑ کر انگریزی کی طرف جارہے ہیں۔ انگریزی کی توقیر میں اضافہ ہو رہا ہے جبکہ دیگر

اقوام میں اپنے لسانی ورثے کے حوالے سے احساس کمتری پروان چڑھایا جارہا ہے۔ معاشی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو دنیا کی معیشت آج بہت زیادہ مربوط ہوگئی ہے لیکن پیدائش اور استفادہ غیر مساوی ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کا دائرہ اثر پوری دنیا میں پھیل رہا ہے۔ معیشت کی اس توسیع کے اہم اسباب ہیں ان میں ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ ۱۹۴۵ء کے بعد بڑی تجارتی اقوام نے ایک نظام قائم کیا اور اس نظام کا مقصد معاشی استحکام کو یقینی بنانا تھا۔ جنگ عظیم دوم کے مداوے کے لیے صنعتی پیداوار کی شرح زیادہ ہوگئی۔ ۱۹۵۳ءیا۱۹۵۷ء مجموعی پیداوار میں ۶ فیصد سالانہ کی شاندار شرح سے اضافہ ہوا ہے جبکہ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۰ء تک یہ شرح ۶ء۴ فیصد کے حساب سے زیادہ ہوئی۔

ملٹی نیشنل کمپنیوں اور دنیا میں خوشحالی کی لہر کا جنم ایک ہی دور میں ہوا اور دونوں نے ایک دوسرے کو متاثر کیا۔ اپنے وطن کے مفاد اور اقدار سے ان کمپنیوں کی وابستگی تیزی سے کم ہوئی۔ مالیاتی ٹیکنالوجیز اور انقلابی مواصلات کے ذریعے ایک ملک دوسرے ملک میں سرمایہ کاری اور پیداوار کی منتقلی ایک لیٹر یسیٹی کے ذریعے ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے خدمات کی ایک منڈی وجود میں آگئی۔ یہ کمپنیاں نئی نہیں ہیں بلکہ یہ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی میں بھی غیر ملکی پرائیویٹ بینکوں کی صورت میں موجود تھیں۔

دنیا ایک عہد میں داخل ہو رہی ہے جس میں کوئی بھی چیز قومی نہیں ہوگی۔ کوئی مصنوعات، کوئی ٹیکنالوجی، کوئی صنعت، کوئی کارپوریشن قومی نہیں ہوگی۔ عالمگیریت کے حامی چاہتے ہیں کہ ملکی حکومتیں اور ایجنسیاں منڈیوں کو کنٹرول نہیں کریں لیکن یہ بہتر نہیں ہے۔ آج کے دور میں غریب اور امیر کا فرق پڑھ رہا ہے۔ عالمگیریت کے اس عمل کی بہت تشہیر ہوچکی ہے اور اس کے مختلف نتائج سامنے آرہے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ واضح ہو رہا ہے کہ اس سے کتنے لوگ مستفید ہو رہے ہیں اور کن کے مفادات پر زد پڑی ہے۔

عالمگیریت کے حوالے سے بہت سا ادب آچکا ہے اور اس بدلے ہوئے تناظر میں اردو ادیب کی بھی ذمہ داری بڑھ گئی ہے اور ادب کو بھی اہم سوال درپیش ہیں کہ عالمگیریت کے اس دور میں جو کہ اپنی اصل میں سرمایہ دارانہ ہے۔ ادب بھی بکاؤ مال اور جنس بازار تو نہیں بن جائے گا۔ وہ کون سی زبان ادب ہوگی جو عالمگیر کی قوتوں سے پذیرائی حاصل کرسکے گی۔ ادب میں ان قدروں اور موضوعات کا فروغ ہوگا جو یا تو عالم گیر قوتوں کو

مرغوب ہو گا یا جس کا تقاضا عالمگیر قوتیں کریں گی اور اگر ادیب نے ان کے بر خلاف تخلیق کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟اس صورت میں رسد اور طلب کے اصولوں کا اطلاق ہو گا؟ ان جوابات کے لیے اردو ادب کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔

سماج:

عالمگیریت کے مشہور رجحان کے بنیادی اجزاء میں سے ایک جز سماجی عالمگیریت ہے۔ جو برادریوں، لوگوں، حکومتوں، کمپنیوں کے مابین بڑھتے ہوئے تعلقات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سماجی عالمگیریت شہریوں کی سوچ اور احساس کے طریقوں میں تبدیلیوں کا سبب بن رہی ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ نقل مکانی کی نقل و حرکت سے تیز ہوتی ہے جو مختلف ممالک کے مابین ہوتی ہے۔ اس حوالے سے صابر حسین لکھتے ہیں۔

> گلوبلائزیشن میں مقامی (indigenous) ثقافتوں، صنعتوں، معاشی اقدامات اور سیاسی اعمال کو عالمی دھارے میں پیش کرنے کا رجحان ہے گلوبلائزیشن مقامیت کی قیمت پر عالمی یکسانیت پیدا کرنے پر زور دیتی ہے جو Totality کے فلسفے کو بڑھاوا دیتی ہے۔ یہ فلسفہ مقامیت اور کلچرز کی رنگارنگی کو مٹا کر مہا بیانیہ کی مقامی شکل کو ایک خاص تناظر میں قبول کرتی ہے۔ (۴)

اردو ناولوں میں صارفیت، میڈیا، برانڈ کلچر، انٹرنیٹ کے اثرات کے نتیجے میں تبدیل ہوتی اخلاقیات اور روایتی اقداری سانچوں کے درمیان کشمکش کو سامنے لایا گیا ہے۔ نوجوان نسل اپنے بزرگوں کی اخلاقیات، روایات کو فرسودہ سمجھنے لگی ہے اور بدلتے منظر نامے سے متاثر ہو رہی ہے۔ والدین کی مداخلت کو قبول نہیں کر رہے ہیں اسے جنریشن گیپ کا نام دیا جا رہا ہے۔ بدلتے ہوئے سماجی منظر نامے میں خاندانی نظام میں سے زیادہ شکست وریخت کا شکار ہو رہا ہے۔ عالمگیریت کا سماجی شعبے پر بہت مضبوط اثر پڑ رہا ہے۔ عالمگیریت دراصل دنیا کے انضمام کا تاریخی عمل ہے جس میں مختلف معاشروں کے ثقافتی، سماجی، سیاسی اور اقتصادی شعبے آپس میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ نئی نئی ٹیکنالوجیز کے باعث فاصلے کم ہو رہے ہیں۔ افراد کی معلومات تک

رسائی آسان ہو گئی ہے اور اس کی وجہ سے ماحول میں تیزی سے نمایاں تبدیلیاں آ رہی ہیں۔مارکیٹوں، معاشروں اور ثقافتوں میں یہ تبدیلی روزگار اور تعلیم کے حالات کو بھی تبدیل کر رہی ہے۔ جس طرح سے لوگ عمل کرتے ہیں اور جس طرح سے بات کرتے ہیں سب میں عالمگیریت نظر آتی ہے۔

حسن منظر کا ناول ''دھنی بخش کے بیٹے'' میں پاکستانی جاگیر داری معاشرے اور جدید امریکی معاشرے کو پیش کیا گیا ہے۔ حسن منظر کا یہ ناول ۳۷۵صفحات پر محیط ہے۔ اس کو درج ذیل عنوانات کے تحت چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی رت آرزو، دوسری رت فرار، تیسری رت کشمکش اور چوتھی رت شکست آرزو ہے۔ اس ناول کو شہر زاد پبلشرز نے شائع کیا۔ اور انتساب آصف فرخی کے نام ہے۔ اپنے موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے ایک اہم ناول ہے۔ اس ناول میں عالمگیریت کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ سندھ کے ایک گاؤں دھنی بخش کے ایک متوسط درجے کے زمیندار کی کہانی ہے۔ گاؤں کا نام مرکزی کردار کے باپ کے نام پر ہے۔ ناول کا پلاٹ اسی خاندان کے گرد گھومتا ہے۔ اس گاؤں کا مالک یہ خاندان ہے۔ یہ ناول سماجی حقیقت نگاری کی عمدہ مثال پیش کرتا ہے۔ ناول کا موضوع کو اگر دیکھا جائے تو یہ دو جہات کو پیش کرتا ہے۔ ایک پاکستانی سماج کی کمزوریوں، عوام کی غلامانہ ذہنیت اور ظلم کی چکی میں پستے عوام اور دوسری جہت کا تعلق مذہبی منافرت، کرپشن، بے روزگاری، غربت، طبقاتی تقسیم ہے۔ اس کے ساتھ بے روزگاری سے تنگ، بہتر اور محفوظ زندگی کی طلب میں دیار غیر میں بسنے والے تارکین وطن کی اذیت اور عدم اطمینانیت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ جو ایک ایسے معاشرے کا حصہ ہیں جو تہذیبی اور تاریخی حوالے سے بنجر ہے۔ کہانی کے ذریعے امریکہ کے نظام کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہاں خاندانی نظام منتشر ہے۔ بزرگ اولڈ ہوم میں بسیرا کرتا ہے۔ وہاں مقیم پاکستانیوں کو قومی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے کوشش کرنا پڑتی ہے۔ وہ اپنی نسل پر اس تہذیب کے اثرات کو دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں مثلاً

> جیسے جیسے بچے بڑے ہو رہے تھے وہ اور اولا دونوں امریکا کی جنسی بے حیائی اور دہشت کی زندگی سے برگشتہ خاطر ہوتے جا رہے تھے۔ دونوں سوچ رہے تھے کہ بچوں کے جوان ہونے سے پہلے کہیں اور جا کر رہنا چاہیے۔

اب تک تو دونوں کو کافی جنسی اور دہشت لبھانے کی تعلیم ماحول سے مل چکی تھی۔(۵)

احمد بخش کی امریکہ سے واپسی سے ناول کا آغاز ہوتا ہے۔ احمد بخش اٹھارہ سال سے امریکہ میں قیام پذیر تھا اور اب وہ اپنے بھائی کی جاپانی کار میں اپنے گاؤں دھنی بخش جارہا ہے۔ دھنی بخش ایک بہت بڑا زمیندار تھا اور اس کے تین بیٹے تھے۔ خدا بخش، علی بخش اور احمد بخش۔ دھنی بخش کے مرنے کے بعد اس کے بڑے بیٹے خدا بخش نے زمینداری سنبھالی۔ خدا بخش ایک سلجھا ہوا انسان ہے۔ باپ کی وفات کے بعد اس نے چار سال تک اس کی جاگیر کو کامیابی سے سنبھالا۔ چار سال بعد بخار میں مبتلا ہونے کے باعث اس جہاں سے چل بسا۔ خدا بخش کی وفات کے بعد علی بخش اور احمد بخش جائیداد کے وارث ٹھہرے۔ مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے یہ دونوں بھائی ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

علی بخش جاگیرداری معاشرے کی تمام تر قباحتوں کی حامل شخصیت ہے۔ وہ بگڑے ہوئے جاگیرداروں اور رئیسوں کے سب شوق رکھتا ہے۔ حویلی میں خواتین کے حصے میں جہاں مردوں کا جانا ممنوع ہے وہ اس کی عیاشانہ سرگرمیوں کا اڈہ ہے۔ علی بخش کی بیوی کا نام حرمت ہے جو ایک صابر و شاکر عورت ہے۔ وہ اپنے خاوند کی تمام کمزوریوں کو قبول کرنے والی جاگیردارانہ سماج میں رہنے والی عورت ہے۔

احمد بخش نرم مزاج اور باشعور انسان ہے۔ انسان دوست ہے۔ تعلیم سے محبت رکھتا ہے۔ احمد بخش اور علی بخش کی ایک بہن عائشہ جو کہ نابینا تھی۔ سردیوں میں نمونیا کا شکار ہوتی ہے اور مناسب طبی امداد نہ ملنے پر رخصت ہو جاتی ہے۔ احمد بخش کی دلچسپی جاگیرداری اور اس کے دیگر امور کے بجائے پڑھائی میں ہے۔ اس لیے وہ تعلیم کے لیے امریکہ چلا جاتا ہے۔ اس نے ایم اے انگریزی ادب میں کی۔ اسی دوران اس کی ماں فالج کا شکار ہو کر وفات پاجاتی ہے اور علی بخش جاگیر کا نیا اور بلاشرکت حکمران بن جاتا ہے۔ یہاں ناول کے دوسرے حصے فرار کا آغاز ہوتا ہے اور ناول کا لوکیشن سندھ کے بجائے امریکا میں منتقل ہو جاتا ہے۔ نیا ماحول نئے حالات، نئے طرز زندگی میں احمد بخش خود کو اجنبی محسوس کرتا ہے۔ امریکا جا کر وہ اپنے وطن میں روا رکھی جانے والی ناانصافی اور استحصال سے تو نجات حاصل کر لیتا ہے لیکن یہ نیا طرز زندگی اس کے لیے نئے مسائل لے کر آتا ہے۔ اسے وہاں جا کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کے رہنے والے تنہائی سے خوفزدہ ہیں۔ اس

معاشرے کی تہذیبی جڑیں نہیں ہیں۔ اس ملک میں ہر ملک اور قوم کے لوگ موجود ہیں جو یہاں روزگار کے لیے آئے ہیں لیکن وہ یہاں ہمیشہ کے لیے رہنا نہیں چاہتے بلکہ وہ اپنے ملک میں مرنا چاہتے ہیں اور اپنے ملک میں دفن ہونا چاہتے ہیں لیکن یہاں ترقی کرنے کے مواقع زیادہ ہیں۔

احمد بخش اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکا آیا تھا اور تعلیم مکمل ہونے کے بعد اسے یونیورسٹی میں ہی ملازمت مل جاتی ہے اور وہیں رہنے لگتا ہے لیکن وہ اپنے ماضی سے نکل نہیں پاتا ہے اور ناسٹلجیا کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ طلباء کو اپنے ملک کی روایات اور رہن سہن کے متعلق بتاتا رہتا ہے۔ امریکا کے طلباء احمد بخش کے ملک کو آئیڈیلائز کرتے ہیں۔ کچھ عرصے بعد احمد بخش ایک سویڈش لڑکی اولا سے شادی کر لیتا ہے۔ اولا سے وہ اپنے دل کے دکھڑے بیان کر لیتا ہے وہ ایک ہمدرد لڑکی ہے۔ وہ اس سے اپنے وطن کی پسماندگی، جہالت، استحصال کے ساتھ ساتھ اپنے گھر کے مسائل بھی بیان کر لیتا ہے۔ احمد بخش کی زندگی میں کشمکش کا آغاز اس کے ہاں بیٹے کی پیدائش کے بعد شروع ہوتی ہے۔ ایک طرف اس کی بیوی اولا جو امریکی معاشرے میں تشدد کے بڑھتے ہوئے رجحان تو دوسری طرف احمد بخش جو امریکی معاشرے کے بے راہ روی اور جنسی معلومات کی عمدہ دستیابی سے پریشان ہے۔ احمد بخش کی طرح دیگر ایشیائی باشندے بھی اسی کشمکش کا شکار ہیں کہ ایسے معاشرے کی آزاد فضاؤں میں اپنی نسل کو ان برائیوں سے کیسے بچا کر رکھیں یا پھر ان کو واپس اپنے وطن واپس لے جائیں جہاں غربت ہے استحصال ہے لیکن وہاں اپنا کلچر ہے اپنی تہذیب ہے۔ یہاں کوئی تہذیب نہیں ہے۔ یہاں کی زندگی مصنوعی ہے۔ مشینی انداز کی ہے لیکن اپنے وطن کی زندگی مشینی انداز کی نہیں ہے یعنی مادیت سے دور ہے۔

"ایک خیال برسوں پرانا اس کے خیال میں عود کر آیا۔ یہ مصنوعی دنیا ہے۔ مشینی زندگی Autoclaved Life۔"(۶)

یہ تفکرات احمد بخش اور اولا کے درمیان سرد میری کو جنم دیتے ہیں۔ وہ اپنے کالج کے ایک دوست کے گھر سکاٹ لینڈ چلا جاتا ہے۔ یہ ایک پاکستانی مذہبی گھرانا ہے جو اپنی تہذیب اور مذہب سے جڑے ہوئے ہیں۔ اپنے دوست کے گھر جا کر احمد بخش سکون محسوس کرتا ہے اور اس میں اپنے ملک واپس جانے کا حوصلہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف احمد بخش کا بھائی علی بخش جو پاکستان میں مقیم ہے اپنی مستقل مزاجی سے عمل پیرا ہے۔ وہ پہلے حرمت سے پھر لاڈلی سے اور پھر زلیخا سے شادی کرتا ہے۔ زلیخا کے ہاں ایک بیٹے اور بیٹی کی پیدائش ہوتی ہے۔ تیسرے بچے کی پیدائش پر اس کی موت ہو جاتی ہے۔ وہ چوتھی شادی روشنی سے کرتا ہے۔ روشنی ایک بیٹی کی پیدائش کے بعد گھر سے بھاگ جاتی ہے۔ احمد بخش کے کردار کو دیکھا جائے تو اس کی زندگی کا مرکز و محور جنس ہے۔ وہ ایک نابالغ لڑکی مریم سے نکاح کرتا ہے۔ حرمت اپنی بیٹی کے ساتھ ساتھ مریم کو بھی پالتی ہے۔

احمد بخش جب امریکہ کے ماحول سے بے زار ہو کر اپنے وطن واپس آتا ہے تو اسے اپنے ملکی حالات میں سوائے آبادی میں اضافے کے کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوتی۔ احمد بخش اپنے بھائی کے کم سن بیوی کے ساتھ زبردستی ازدواجی تعلق کو ریپ کا نام دیتا ہے تو علی بخش احساس جرم اور طیش میں آکر مریم کو طلب کرتا ہے۔ حرمت مریم کو نیند میں علی بخش کے پاس چھوڑ جاتی ہے۔ علی بخش کی زبردستی کے نتیجے میں مریم کی حالت بگڑ جاتی ہے۔ احمد بخش مریم کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہے اور ڈاکٹر کو علاج کے لیے بھی آمادہ کر لیتا ہے لیکن حرمت اور علی بخش کو کسی قسم کی شرمندگی نہیں بلکہ وہ اسے مرد ڈاکٹر کے پاس لے جانے کو بھی غلط سمجھتے ہیں۔ یہ واقعہ اور گھر والوں کا ردعمل دیکھ کر احمد بخش دوسرے دن ہی امریکا کے لیے رخت سفر باندھ لیتا ہے۔ اس واقعہ کے بعد اس کے اپنے علاقے اور وطن کو سدھارنے کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں۔ احمد بخش کی امریکہ واپسی کے بعد اس کے اندر اداسی جنم لیتی ہے لیکن وطن سے واپس آنے کے بعد اس کی اس کشمکش سے چھٹکارا مل جاتا ہے جو اسے اپنے وطن اور غیر وطن کے درمیان معلق تھی اسے کئی بار یہ خیال آیا

> موجودہ دور میں جب پڑھے لکھوں کے دل اپنے ملک سے بھر چکے ہیں اور وہ محبت کرنے کے لائق کچھ زیادہ ہیں بھی نہیں اپنے ملک سے محبت کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس سے دور رہا جائے۔ جس طرح بعض لوگوں سے۔ بس کبھی کبھی ملاقات ہو گئی، کبھی کبھی وہاں ہو آئے۔(۷)

"دھنی بخش کے بیٹے" کا بنیادی موضوع کمزور طبقات کا استحصال ہے۔ عورت کمزور طبقے کا بھی کمزور ترین طبقہ ہے۔ جسے ذاتی غرض کے لیے بیچ دیا جاتا ہے اس کی حالت کا اندازہ مریم جیسی کمسن اور نابالغ بچیوں

کی حالت زار سے بخوبی ہوتا ہے۔ جن کا باپ چند پیسوں کے عوض ایسے جاگیرداروں کے ہاتھ نکاح کے نام پر فروخت کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ عائشہ جیسی بچیاں جن کا علاج نہیں کروایا جاتا ہے اور ان کے مرجانے پر شکر ادا کیا جاتا ہے۔ استحصال صرف یہیں دیہی علاقوں میں نہیں ہوتا بلکہ اعلی سرکاری حکام اور سیاستدان بھی اپنے طرز عمل سے عوام کی زندگی کو اجیرن کیے رکھتے ہیں۔ وزیر اعظم کی گاڑی گزارنے کے لیے گھنٹوں ٹریفک کو روک دیا جاتا ہے اور لوگوں کو سڑکوں پر مرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پاکستانی معاشرے کے تناظر میں یہ ناول Have اور Have not کی کی عکاسی کرتا ہے۔ مہرونہ لغاری اس حوالے سے لکھتی ہیں

> یہ ناول پاکستانی لوکیل میں have and haves not کی ترجیحات کی عکاسی کرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ امریکا میں معاشرتی طرز زندگی بھی پیش کیا ہے جو انسان کو تنہائی اور اکیلے پن کے ایسے خوف میں مبتلا کر رہی ہے جہاں جا کر انسان کی تمام تر مادی ترقی اسی بنیادی انسانی ضرورت کے تابع ہو جاتی ہے جس کا تعلق احساس رفاقت، مروت اور بے لوث خدمت ہے۔ (۸)

اس کے ساتھ ساتھ حسن منظر نے پاکستانی جاگیردارانہ معاشرے اور جدید امریکی معاشرے کے تقابل کو بھی بیان کیا ہے۔ اسے تہذیبی تصادم کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ احمد بخش جو ابتداء میں جب امریکا جاتا ہے تو وہاں وہ خود کو بہت اجنبی محسوس کرتا ہے۔ وہاں کا رہن سہن ہمارے معاشرے سے بہت مختلف ہے لیکن وہاں رہنے کے بعد وہ پھر آہستہ آہستہ اس ماحول کو اپنالیتا ہے۔ بچوں کی پیدائش کے بعد وہ کشمکش میں ہے کہ اس کے بچے وہاں جنسی تعلیم حاصل کریں گے۔ حسن منظر نے پاکستانی اور امریکی معاشرے کی خوبیوں اور خامیوں دونوں کو حقیقت پسندانہ انداز میں اجاگر کیا ہے۔ روبینہ ترین اس حوالے سے لکھتی ہیں۔

> دھنی بخش کے بیٹے کی آئیڈیالوجی، تہذیبوں کا تصادم اور ان میں پائی جانے والی برائیوں اور کمزوریوں کو منظر عام پر لایا گیا ہے۔ تہذیبوں کے درمیان تصادم کو کچھ ایسے عمل کے ذریعے سماج کے سامنے رائج کیا کہ لوگ اسے فطری سمجھتے ہیں۔ (۹)

یہی تہذیبی تصادم آج عالمگیریت کی حامل دنیا کی سب سے بڑی علامت ہے۔ عالمگیریت کا بنیادی مقصد تو یہی ہے کہ مختلف معاشروں اور تہذیبوں کو قریب لانا اور ان میں یکسانیت پیدا کرنا لیکن مالی اجارہ داری، ملٹی نیشنل کی ریشہ دانی، وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم، عالمی لیڈروں کی عاقبت نااندیشی اور اس کے زیر اثر ہونے والی جنگ و جدل سے تہذیبوں کا تصادم شروع ہو گیا ہے جو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کے بعد بہت تیزی سے مختلف معاشروں میں پھیل گیا ہے۔ مختلف معاشروں، ممالک، قبائل اور نظریات کے مابین پہلے بھی ایک دوسرے کے خلاف نفرت اور پیکار کا تاثر پایا جاتا تھا لیکن اب یہ عمل مزید تیز ہو گیا ہے اور اس میں بالخصوص اسلام اور مسلمانوں کی تہذیب، یورپی اور امریکی تہذیب بر سر پیکار ہے۔ اسی پیکار کا ذکر ہمارے ناول نگاروں نے عالمی رائے عامہ سے بہت مختلف انداز میں کیا ہے اور ان کا جھکاؤ دنیا بھر کے تجزیہ نگاروں کے بر خلاف اسلام اور مسلم تہذیب کی طرف ہے۔ وہ اپنی تہذیب کے حق میں بہت سے دلائل اور مثالیں بھی پیش کرتے ہیں۔

تہذیبوں کے ٹکراؤ اور تصادم کا موضوع دنیا بھر کے ادب میں ہے اور اردو میں بھی تقریباً ہر ادیب نے اسے کم یا زیادہ بیان کیا ہے اور اپنی تخلیقات کا حصہ بھی بنایا ہے کیونکہ یہ ہمارے اجتماعی لاشعور کا حصہ بن چکا ہے۔ جس طرح ہر عہد میں کچھ نظریے مقبول ہو جاتے ہیں ایسے ہی دور حاضر کے مقبول نظریات میں تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ اپنی جگہ بنا چکا ہے۔

عالمگیریت اسی امریکی تہذیب اور اس کے مظاہر اور اداروں کو تمام دنیا پر منطبق کر کے ایسی یک رنگی دنیا میں معرض وجود میں لانے کا خواہاں ہے۔ جو اس کے معاشی مفاد میں ہو لیکن یہ دنیا افراد کے اندر ذہنی و نفسیاتی بحران پیدا کر دے گی اس کا اندازہ احمد بخش کے کردار سے ہوتا ہے جو امریکہ میں رہتے ہوئے بھی اس ماحول سے اجنبیت محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنے بچوں کو اس ثقافت کے اثرات سے بچانا چاہتا ہے۔ امریکی معاشرے میں رہ کر وہ اس کو قریب سے دیکھنے کے بعد اس سے اپنے بچوں کو بچانا چاہتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ ایک بے جڑ کا معاشرہ ہے۔ اگرچہ اس معاشرے میں ہر قوم مذہب کے افراد کو بلا تخصیص اپنے اندر سمیٹنے کی گنجائش ہے لیکن پھر بھی یہاں کی کوئی تہذیب نہیں ہے۔ اس معاشرے میں دو چیزیں قابل قدر ہیں ایک

محنت اور دوسرا شخصی آزادی لیکن یہ معاشرہ مادیت پرست ہے اور اس معاشرے میں نایاب چیز وقت ہے۔ اس معاشرے میں زندگی بالکل بیگانگی انداز سے جاری ہے۔ اگرچہ اس معاشرے کی ترقی مائل کرتی ہے لیکن اس میں کئی قباحتیں بھی ہیں۔ یہ ایک آزاد معاشرہ ہے۔ یہاں جنس اور اس کی تعلیم کھلے عام موجود ہے اور سب سے بڑھ کر تنہائی ہے جس سے یہاں رہنے والے لوگ خوف زدہ ہیں۔ مادیت پرستی نے روحانیت پر غلبہ پاکر اس میں تہذیب کو ختم کر دیا ہے۔ انسان کی ہمدردی، لگن، محنت، جذبہ اور خدمت جیسی اقدار کا یہاں کا نوجوان دلدادہ ہے۔ ان کا معاشرہ چونکہ ان احساسات سے عاری ہے لہذا یہ احساسات امریکا میں گراں قدر جنس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ معاشرہ جنس اور تشدد کے سیلاب بلاخیز بہتا جارہا ہے اس معاشرے کو بہت سے درپیش سوالات ہیں۔ رفعت رفیق حسن منظر کے ناول کے حوالے سے لکھتی ہیں

> حسن منظر نے اس ناول کے ذریعے (پاکستانی اور امریکی) تہذیب و معاشرت کی وہ جھلکیاں پیش کی ہیں جن کا تعلق اخلاق و کردار سے ہے اور ان جھلکیوں کو پیش کرنے میں ان کے ناقدانہ شعور نے اہم کردار ادا کیا۔ ایک معاشرہ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر ریاکاری کرتا ہے اور وہ ان جرائم کا ارتکاب کرتا ہے جو لادینی معاشروں میں بھی نظر نہیں آتے۔ دوسری طرف وہ معاشرہ جو مادیت پرست ہے لیکن اس کی اپنی خوبیاں ہیں۔ (۱۰)

تہذیبوں کا تصادم اکیسویں صدی کا معاشرتی اور ادبی طور پر اہم ترین موضوع ہے جس نے ایک الگ مضمون کی شکل اختیار کرلی ہے۔ "دھنی بخش کے بیٹے" کے موضوع اور عالمگیریت میں تہذیبی تصادم مشترک ہے۔ مشرق و مغرب کا تقابل پورے ناول میں موجود ہے۔ اسی تقابل کے ذریعے وہ تہذیبی تصادم کو بیان کرتے ہیں جو عالمگیریت کی تحریک اپنے دامن میں لیے ہوئے پوری دنیا پر سایہ فگن ہو رہی ہے۔ اس کے مضمرات و نتائج کیا ہونگے ان کو سمجھنے میں یہ تہذیبی موازنہ رہنمائی کر سکتا ہے۔ ناول نگار نے امریکی معاشرے کی تصویر کشی خوب صورت طریقے سے کی ہے اور دونوں معاشروں کی زندگیاں اور ان کی خوبیاں اور خامیاں بیان کرتے ہوئے قارئین کو دعوت فکر دی ہے کہ عالمگیریت جس تہذیب کا غلبہ چاہتی وہ اپنی اصل میں مشرقی تہذیب سے کتنی مختلف ہے۔ انہوں نے بخوبی ان لوگوں کی عکاسی کی ہے جو امریکا یا کسی

دوسرے ملک میں جاتے ہیں وہ نہ تو وہاں کی تہذیب کو اپناتے ہیں اور نہ ہی اپنی تہذیب کو چھوڑ سکتے ہیں۔ وہ ذہنی کشمکش کا شکار ہو جاتے ہیں۔

لسانی حوالے سے اگر ”دھنی بخش کے بیٹے“ کو دیکھا جائے تو عالمگیریت کے اثرات اس ناول میں نظر آتے ہیں۔ ناول نگار نے ناول کے فنی تقاضوں کے مطابق کرداروں کی زبان و بیان میں ان کی تعلیم و تربیت طبقے اور ماحول کو مد نظر رکھا ہے۔ کرداروں کی زبان کو دیکھا جائے تو وہ اپنے ماحول کی عکاسی کرتی ہے۔ کرداروں کی گفتگو میں انگریزی الفاظ و محاورات روانی سے چلے آرہے ہیں لیکن یہ عبارت میں کسی قسم کی رکاوٹ یا الجھاؤ کا باعث نہیں بنتے لیکن سماجی مطالعے کے حوالے سے رہنمائی کرتے ہیں کہ پڑھے لکھے نوجوان طبقے کی زبان کون سی ہے یا وہ کس زبان کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ کردار اپنے طبقے کی اقدار و روایات کے حوالے سے ان کے نمائندہ ہیں۔

> لڑکیاں خوش ہیں کہ انگریزی کلاسوں سے چھٹی ہوئی۔ پڑھنے والی پریشان ہیں کہ امتحان میں کیا ہو گا۔ ان کے ہسبنڈ کو بھی اس موقع پر نوکری ملنی تھی۔ اگر ان میں ڈیووشن devotion ہوتی تو ہسبنڈ سے کہہ سکتی ہیں آپ چلیں میں دو ماہ بعد آؤں گی مگر وہ ٹیچر سے زیادہ ہاؤس پراوڈ وائف بننے کی شوقین ہیں۔ (۱۱)

وہ ایک دوسرے کے بیڈ فیلو بننے کے لیے ineligible ہو جاتے ہیں۔ ایک لڑکی نے کہا

I Think They do not believe in this nonsense.

ہمارے ملک کی بیشتر آبادی خاص طور پر نئی تعلیم یافتہ نسل اس رجحان کو اپنا رہی ہے ایسے میں ادیب کی مجبوری ہے کہ کرداروں کے منہ سے انہی کی اچھی یا بری زبان رکھنی ہوتی ہے۔ اس لیے حسن منظر کے ناولوں میں انگریزی الفاظ کا کثرت سے استعمال برا نہیں لگتا ہے۔

حسن منظر کا دوسرا ناول "انسان اے انسان" ہے۔ یہ ناول ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا۔ موجودہ معاشرہ جو عالمگیر معاشرہ ہے۔ اس معاشرے میں ہر انسان ذہنی کشمکش کا شکار ہے "انسان اے انسان" کی کہانی کو اگر دیکھا جائے تو اس میں ہر انسان کو کم و بیش اپنا عکس نظر آتا ہے۔

تلمیذ الرّحمن اس ناول کا مرکزی کردار ہے اور ساری کہانی اسی کے گرد گھومتی ہے۔ اس کردار کے ذریعے ناول نگار نے بچپن کے تجربات اور مشاہدات کا باریک بینی سے نفسیاتی مشاہدہ کیا ہے۔ تلمیذ الرحمن چھ سال کی عمر میں ایک لڑکی سے نازیبا حرکت کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن لڑکی کے شکایت لگانے پر اسے اس جرم کی پاداش میں نینی پور سے اپنی بہن کلثوم کے گھر بھیج دیا جاتا ہے۔ جہاں کھانا نہ ملنے کی وجہ سے وہ جوئے سے پیسے کما کر اپنی بھوک ختم کرنے لگا۔ معاش سب سے بڑا مسئلہ ہے جو انسان کو ہر غلط کام کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ بہنوئی کی سرزنش اور ان کے گھر کا سخت ماحول تلمیذ الرّحمن کو بالکل پسند نہیں آتے۔ تھوڑے عرصے کے بعد اس کی والدہ اور پھر والد کا انتقال ہو جاتا ہے۔ والد کے انتقال کے بعد اس کے بہنوئی اسے گھر سے نکال دیتے ہیں۔ تلمیذ الرّحمن کے تایا اس کے باپ کی وراثت کو اسلامی قانون کے مطابق بہن بھائیوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور کچھ عرصہ تک اس کی تعلیم کا خرچہ بھی دیتے ہیں۔ لیکن بعد میں پیسے ختم ہو جانے پر اسے اپنی زندگی کی بقاء کے لیے خود ہی کوشش کرنا پڑتی ہے۔ اسی دوران فسادات شروع ہو جاتے ہیں اور وہ نئے ملک پاکستان آجاتا ہے۔ یہاں آنے کے بعد تلمیذ الرّحمن کی ملاقات اسکوڈرن لیڈر جبار سے ہوتی ہے اور اس کی مالی حالت سدھرنے لگتی ہے مگر اخلاقی لحاظ سے وہ بہت گر چکا تھا۔ اسے شراب اور قحبہ خانے کی لت پڑ چکی تھی اس کے علاوہ وہ مختلف جرائم میں بھی ملوث ہونے کے باعث جیل چلا جاتا ہے لیکن اپنے دوست فتی اور امینہ کی مدد سے جیل سے واپس باہر آجاتا ہے۔ اس کے بعد حالات بدل جاتے ہیں اور وہ میمونہ سے شادی کر لیتا ہے اور تین بچوں کا باپ بن جاتا ہے۔ روز بروز بگڑتے معاشی حالات کے باعث وہ دوبارہ جوئے کی طرف چلا جاتا ہے۔ پہلے اس کا گھر جس میں وہ سکون اور خوشی سے رہتا تھا اب جوئے کا اڈہ بن جاتا ہے۔ تلمیذ الرّحمن کا بڑا بیٹا نجم باپ کے ناروا سلوک کی وجہ سے بگڑ جاتا ہے اور باپ سے لڑائی کر کے گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور غلط کاموں میں پڑ جاتا ہے اور بالآخر ایک دن مردہ حالت میں لاوارث پایا جاتا ہے۔ میمونہ جو پہلے ہی ظلم کی چکی میں پس

رہی تھی وہ مزید دلبر داشتہ ہو جاتی ہے اور تلمیذ الرّحمن کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے چلی جاتی ہے۔ تلمیذ الرّحمن سر دار اورنگ ناز جو ایک سیاسی وڈیرہ ہے اس سے ملتا ہے۔ وہ تلمیذ الرّحمن کو ایک آدمی کا قتل کرنے کا حکم دیتا ہے لیکن تلمیذ الرّحمن اس کے حکم کی تعمیل نہیں کرتا جس کی وجہ سے وہ اس کے عتاب کا نشانہ بنتا ہے۔ تلمیذ الرّحمن کو جھوٹے مقدمے میں پھنسوا کر اورنگ ناز اسے پھانسی کی سزا دلوا دیتا ہے۔ جیل میں آکر وہ ماضی کے جھروکوں میں جھانکتا ہے اب تلمیذ الرّحمن کے پاس احساس ندامت کے سوا کچھ نہیں بچتا۔ جیل میں آکر وہ نماز روزے کا پابند ہو جاتا ہے۔ بظاہر اسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ وہ اب سدھر گیا ہے مگر اسی دوران سیاسی قیدیوں کو چھڑانے کے لیے جیل توڑ دی جاتی ہے اور اسی بھگدڑ میں تلمیذ الرّحمن بھی جیل سے فرار ہو جاتا ہے۔

ناول "انسان اے انسان" کی کہانی دراصل ان محرکات، عوامل اور قوتوں سے بحث کرتی ہے جو کہ انسان کی زندگی میں کار فرما ہیں۔ بعض اوقات انسان کے پاس ان قوتوں کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ یہی قوتیں انسان میں مثبت اور منفی تبدیلیوں کا باعث بنتی ہیں اور انسان کو بنانے اور بگاڑنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ حسن منظر اپنے معاشرے کے نباض ہیں۔ وہ ان معاشرتی مسائل کی دکھتی رگوں سے واقف ہیں۔ عالمگیریت کے باعث جدید دور میں معاشرے میں بہت سے مسائل جنم لے رہے ہیں مثلاً جنسی مسائل، مذہب، تہذیب و ثقافت، اخلاقی قدروں کی پامالی وغیرہ۔ حسن منظر ان تلخ حقیقتوں سے نہ تو آنکھ چراتے ہیں اور نہ ہی واعظ مبلغ بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ کمال مہارت سے انسانی زندگی کو معاشرتی، سیاسی، اخلاقی، مذہبی اور نفسیاتی تناظر میں دیکھتے ہیں۔" انسان اے انسان" کا فکری و فنی جائزہ لیتے ہوئے ثمینہ سیف لکھتی ہیں۔

> آپ کمال چابکدستی سے انسانی زندگی کو معاشرتی، سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور نفسیاتی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ ناول میں مذہب ہر انسان کا ذاتی فعل ہے سے لے کر سیاست کی عیاریوں اور مکاریوں کو بے نقاب کیا گیا ہے اور یوں کہانی ہر انسان کو کسی نہ کسی موڑ پر اپنی زیست سے قریب تر لگتی ہے۔ (۱۲)

اصل میں مذہب ہی وہ واحد ادارہ ہے جو انسان کی شخصیت کو بھر پور اور فعال بنا سکتا ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ وہ جلد گناہ کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔نافرمانی انسان کی ذات کا حصہ ہے۔ یہ انسان کبھی اپنی ذات کے خلاف کرتا ہے اور کبھی معاشرتی اصولوں سے کر بیٹھتا ہے۔اسی نافرمانی کی وجہ سے حضرت آدمؑ اور حوا کو جنت سے نکلنا پڑا اور یہی نافرمانی تھی جس کی وجہ سے اسلام سے پہلے بہت سی قومیں تباہ و برباد ہوئیں۔ ناول کا مرکزی کردار تلمیذ الرّحمن بھی اسی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔ دراصل ناول نگار نے تلمیذ الرّحمن کے ذریعے پاکستانی سماج کی نقش گری کی ہے کہ کردار ہمارے معاشرے کا پیدا کردہ کردار ہے۔اس کردار کی جو نفسیاتی گھٹن ہے وہ ہمارے معاشرے میں موجود گھٹن اور حبس ہے۔اس کردار کی ناکامی اور آسودگی کے اظہار سے حسن منظر نے ہمارے سماج کی قلعی کھول دی ہے۔اس ناول میں قیام پاکستان سے قبل اور بعد کے ادوار کو پیش کر کے اس کے پلاٹ کو وسعتوں کا حامل بنایا گیا ہے۔اس میں برصغیر کے تاریخی و سماجی حالات کو قلمبند کیا گیا ہے۔ تقسیم ہند کے نفسیاتی محرکات کو سیاسی، مذہبی اور سماجی حوالوں سے دیکھا گیا ہے۔احمد پراچہ اس ناول کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> The narrative's social, political, and cultural background is extremely detailed, adding substance to the plot and character. Pre-partition northern India, the freedom struggle, the conditions that drove people to leave their ancestral home and settled communities, as well as resettlement in a new country, are all depicted minutely. (۱۳)

ناول میں پاکستان کے پست، متوسط اور مقتدر تینوں طبقات کو خوب صورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ فتی، کلو، رشن جو تلمیذ الرّحمن کے دوست ہیں۔اس ناول میں ضمنی کردار ہیں یہ پست طبقے کی عکاسی کرتے ہیں۔ فتی غریب ہے مگر وفادار ہے۔ رشن وہ سفید پوش کردار ہے جو سارادن محنت کر کے مشکل سے گزارہ کرتا ہے۔ کلوان لوگوں کا نمائندہ ہے جو زندگی گزارنے کے لیے غلط راہ کو اختیار کرتے ہیں۔

تلمیذ الرّحمن کا باپ اور بہنوئی سماجی روایات اور نام نہاد مذہبی اقدار کے حامی ہیں۔ یہ سب ہمارے پاکستانی معاشرے کا بھیانک روپ ہے۔ سردار اورنگ ناز جو ایک سیاسی شخصیت ہے پاکستان میں مقتدر اعلیٰ درجے کا بہترین عکاس ہے۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں عوام کی تقدیر ہے۔ یہ کٹھ پتلیوں کی طرح معصوم عوام کو استعمال کرتے ہیں۔ عالمگیریت جو اپنی اصل میں سرمایہ دارانہ ہے۔ اورنگ ناز اس نظام کی عکاسی بہترین انداز میں کرتا ہے۔ وہ سرمایہ دارانہ نظام کا نمائندہ ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ ملکی دولت چند خاندانوں میں سمٹی ہوئی ہے۔ وہ عالمگیریت کے منفی پہلوؤں کو بھی ظاہر کراتے ہیں کہ ان کی وجہ سے کس طرح عوام کا استحصال ہو رہا ہے۔

> ملک reverse gear میں ہے اور جو خود کو کمیونسٹ کہتے تھے اب جاگیر داروں اور قبیلوں کے سرداروں کے مفاد کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ان کی ساری مارکسی تعلیم، مارکسی بولی اور نعرے اسی مصرف میں آ رہے ہیں۔ ہمہ گیر مساوات اب دینیات کی کتابوں میں رہ گئی ہے اور ان کتابوں میں جو مسکو سے آتی ہیں۔ (۱۴)

ناول میں سرمایہ دارانہ نظام کی خامیوں کو بھی بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ اشتراکی فکر اور ہندوستان کے حالات کا خاکہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ اشتراکیت کی تحریک بھی عالمگیریت کے زیر اثر برصغیر میں وارد ہوئی۔ اس تحریک کی جڑیں تو روس میں تھیں لیکن ایسے نظام کے لیے ہندوستان کا نوجوان طبقہ بھی پیچھے نہ رہا۔ حقیقت میں کمیونزم اس ملک میں بھوسے میں کھوئی ہوئی سوئی ہے جسے ڈھونڈنے کے کام پر امریکا نے یہاں اور چھوٹے ملکوں کی حکومتوں کو لگا رکھا ہے۔

> کمیونزم نہ قبائلیت کا ہم سفر ہوتا ہے۔ نہ جاگیر داریت اور بڑی زمینداری کا۔ خود کو الیکشن میں جتوانے کے لیے یہ تینوں یہاں کبھی کمیونزم، کبھی نیشنلزم کے پردے میں اپنا رخ دکھاتے ہیں۔ اور کبھی مزدوری کی ثقافت کی چلمن اٹھا کے۔ (۱۵)

حسن منظر قیام پاکستان سے پہلے جب مارکسزم کی تحریک آئی تھی اس کے ساتھ ساتھ وہ قیام پاکستان کے بعد کے حالات کو بھی بیان کرتے ہیں۔ یہ ناول تاریخ کا صحیح آئینہ ہے اور سماجی، معاشی، ذہنی و فکری زندگی کا سچا اور پر خلوص ترجمان ہے۔ انہوں نے انسانی تاریخ کے ایک بڑے المیے قحط بنگال کی طرف بھی اشارہ کیا

ہے۔ جس کے دوران لاکھوں انسان بھوک کے باعث موت کے منہ میں چلے گئے۔ دوسری جنگ عظیم کا تذکرہ ہے اور ہندوستان ابھی اس سے محفوظ ہے لیکن بنگال اس اقتصادی بحران کا شکار ہو جاتا ہے۔ برما پر جاپانیوں کا قبضہ ۱۹۴۲ء میں ہوتا ہے تو چاول کی درآمد روک دی جاتی ہے جو بنگالیوں کی روزمرہ کی خوراک کا اہم حصہ تھا۔ اس کے علاوہ رسد میں کمی کے ساتھ گرانی میں ہوشربا اضافہ ہوا۔ تجارت پیشہ طبقے اور امراء نے فائدہ اٹھاتے ہوئے چاول ذخیرہ کر لیا۔ جولائی سے دسمبر ۱۹۴۳ء کے دوران قحط بنگال کا نتیجہ اموات کی صورت میں نکلا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے حسن منظر لکھتے ہیں

> ڈھاکہ اور چٹاگانگ میں فاقوں سے مرنے والوں کی لاشیں سڑکوں پر پڑی ہیں اور مدارس کے گورنر نے جو چاول بنگال جانا چاہیے تھا جنوب مشرق کے تھیٹر میں فوج کے لیے بھیج دیا ہے۔۔ آج کل اگر کوئی کلکتہ جائے اور ہوٹل میں چاول کی جگہ روٹی کا آرڈر دے تو ویٹر اور منیجر کا چہرہ کھل اٹھتا ہے اور اگر کوئی چاول کی فرمائش کرے تو لگتا ہے ویٹر کیا ہوٹل کے منیجر کی میا مر گئی۔۔ کچھ دن ٹھہر جاؤ یہی تماشہ نہیں ہو گا۔ کوئی ہوٹل میں روٹی کے لیے کہے گا تو ہوٹل کا پورا عملہ شہید ہو جائے گا۔ (۱۶)

عالمگیریت کے باعث مغربی ادباء کی تحریروں کا اثر اردو ادب اور بالخصوص اردو ناول پر بھی ہوا۔ کارل مارکس نے انسان کے معاشی مسائل اور فرائیڈ نے انسان کے نفسیاتی مسائل کے ضمن میں نئے نظریات پیش کر کے انسانی سوچ اور فکر میں انقلاب برپا کیا۔ ناول میں دکھایا گیا ہے کہ بھوک اور خالی پیٹ سے غصہ جنم لیتا ہے اور جب پیٹ بھر جاتا ہے زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے۔ دراصل یہ ہماری زندگی کے تلخ پہلو ہیں۔ حسن منظر نے "انسان اے انسان" میں عالمگیریت کے پہلوؤں کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح عالمگیریت ہمارے معاشرے پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ ہمارے ملک کے لوگ باہر کی چیزوں کو اپنی اشیاء پر ترجیح دیتے ہیں۔ میڈیا کے ذریعے چیزوں کی اشتہار بازی کی جاتی ہے اور لوگ ان چیزوں کو زیادہ خریدنا پسند کرتے ہیں۔

> جاپان سے امپورٹ کی ہوئی سیوئنگ مشین، جرمنی کے پناما بلیڈ، برٹش فاؤنٹین پین سب کا بازار میں تھوڑا کام تھا اور مارکیٹ میں اچھا جا رہا تھا۔ دیسی چیزیں کوئی کام کی نہیں تھیں۔ الارم

گھڑیوں پر لیبل لگا ہوتا تھا۔ foreign made یا made as foreing لوگ انھیں باہر کا سمجھ کر خریدتے تھے۔ (۱۷)

اسی طرح حسن منظر ناول میں عالمگیریت اور امریکا کے پوری دنیا پر قابض ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

جب ایمپائر مکمل ہو جائے گی ساری دنیا پر سرخ اور سفید پٹیاں لپٹی ہوں گی اور نیلے آسمان پر سفید تارے چمک رہے ہوں گے۔ Further یہ کہ قطب شمالی پر ایک عقاب بیٹھا ہو گا جس کی چونچ سرخ ہو گی۔ (۱۸)

فنی حوالے سے اگر حسن منظر کے ناول کو دیکھا جائے تو اس میں اردو کے ساتھ ساتھ ہندی اور انگریزی الفاظ کی چاشنی کے ساتھ ساتھ دلچسپ محاوروں کا چٹخارہ بھی موجود ہے۔ عالمگیریت کی زبان جو انگریزی ہے لوگ اس کو بولنا پسند کرتے ہیں اور اس کو استعمال کر رہے ہیں۔ حسن منظر کے ناولوں کے کردار بھی انگریزی الفاظ کو زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ وہی لسانی سامراجیت کا اثر ہے جس کی بناء پر آج دنیا کی اکثر زبانیں ختم ہو جانے کے خطرے سے دوچار ہیں۔ ان کے اسلوب میں انگریزی اردو اور دیگر زبانوں کا امتزاج روایتی طریقے سے ہٹ کر ہے۔

Politically immature ہندوستان کے لیے آزادی کا خواب دیکھنے والا ہٹلر اور ٹوجو تک کی مدد سے اسے لانے کو تیار تھا۔ اس کی آرٹریز میں جو خون تھا تیزی سے دوڑنے والا تھا۔

گریس نے کہا۔ Tell in English

میمونہ نے کہا O! Do not, please do not. (۱۹)

حسن منظر کے ناولوں میں انگریزی الفاظ کا استعمال کثرت سے نظر آیا ہے۔ یہ عالمگیر قوتوں کی پسندیدہ زبان ہے جس کے ذریعے وہ پوری دنیا کو ایک ثقافتی اکائی میں بدلنے کا خواب دیکھ رہی ہیں۔ ایسے الفاظ کے اردو مترادفات موجود ہیں جو نہایت سہل ہیں لیکن عالمگیریت کے سیل رواں میں ٹھہر کر سوچنے کی

فراغت شاید کسی کے پاس نہیں کہ انگریزی کے حوالے اپنی زبان کے متعلق احساس کمتری کا یہ رویہ کن مضمرات کا حامل ہے اور اس کے نتائج کی انتہا کیا ہو گی۔ یہ ہمارے وجود اور تشخص کے لیے کس قدر ضرر رساں ہے۔ دنیا ۸۰ کی دہائی سے آگے نکل چکی ہے۔ موبائل پیغام رسانی کے لیے رومن اردو کا استعمال اور اس میں انگریزی الفاظ کی شدت اردو زبان کے مستقبل کی خبر دے رہی ہے اور ایسی مثالیں موجود ہیں کہ صرف رسم الخط کی تبدیلی نے قوم کو اس کی اقدار و روایات اور ثقافتی ورثے سے محروم کر دیا۔ ترکی اس کی بڑی مثال ہے لیکن انگریزی زبان کے لیے الفاظ اس لیے برے نہیں لگتے کہ یہ ان کرداروں کے منہ سے ادا ہوتے ہیں جو ہماری روزمرہ زندگی میں اسی رجحان سے گفتگو کرنے کے عادی ہو چلے ہیں۔ ہمارے ملک کی بیشتر آبادی خاص طور پر تعلیم یافتہ نسل نے اسے اپنا لیا ہے ادیب کی مجبوری ہے کہ وہ اس طرح کی زبان ہی استعمال کرے۔

" انسان اے انسان" میں شعور کی رو کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ اس تکنیک کا سب سے پہلے استعمال سجاد ظہیر نے " لندن کی ایک رات " میں کیا ہے۔ شعور کی رو سے مراد انسانی ذہن میں گزرنے والے خیالات و افکار کو بلا کم و کاست بیان کرنا ہے۔ انسانی سوچ کا دھارا ماضی، حال اور مستقبل سے بے نیاز زندگی کی طرف مسلسل بہتا رہتا ہے۔ کسی وقت ماضی کی کوئی بات یاد آتی ہے تو عین اسی وقت مستقبل کا کوئی ارادہ بھی ذہن کے کسی گوشے میں گردش کر رہا ہوتا ہے۔ اس طرح ذہن مسلسل کسی نہ کسی سمت میں کوئی نہ کوئی سوچ سوچ رہا ہوتا ہے اس کی بعینہ پیشکش کا نام ہی شعور کی رو ہے۔ مغرب نے اس تکنیک کو نہایت کامیابی سے اپنایا ہے۔ اس ضمن میں مجید مضمر کہتے ہیں کہ وہ زمان و مکان اور ہئیت کی حد بندیوں کو توڑتی ہے۔ یعنی کے یہاں بھی کم و بیش یہی خصوصیت نظر آتی ہے۔ مشتاق والی اردو میں اس کی جڑیں "لندن کی ایک رات" تک لے جاتے ہیں جبکہ ممتاز شیریں کے بقول اردو میں یہ تکنیک حسن عسکری نے استعمال کی۔ حسن منظر نے "انسان اے انسان" میں بھی شعور کی تکنیک کی رو استعمال کی ہے۔ اس کے باعث کہانی کا ربط اور تسلسل نہیں بگڑتا ہے۔ حسن منظر کا ناول "انسان اے انسان" ۲۰۱۴ء کی بہترین نثری کتاب کا حقدار ٹھہرا۔ اس ناول کے حوالے سے ثمینہ سیف لکھتی ہیں۔

> انسان اے انسان ایک آئینہ خانہ ہے جہاں اظہار فکر میں مجموعی طور پر انسان کی زندگی کی بازگشت شامل ہے۔ بلاشبہ ناول نگار نے فلسفانہ اور تخلیقی فکر سے انسانی ذات کے اس تجربے کو پھیلا کر زمانے کی دستاویز بنا دیا ہے اور زندگی کے بنیادی موضوعات کو اپنے دامن میں جگہ دے کر ناول کو کثیر الجہات بنایا ہے۔ یہ موضوعات اپنی ہمہ گیریت اور جامعیت کے باعث تاریخی اور جغرافیائی پابندیوں سے بھی آزاد ہیں۔ (۲۰)

طرز حیات کی بے ترتیبی، جنسی گھٹن، نظام اخلاق میں بے قاعدگی، سماجی رشتوں اور رابطوں کی بے ربطی ماضی کی طرح جدید دور کا بھی المیہ ہے۔ جدید دور میں صنعتی ترقی کے باعث فاصلے سمٹ گئے ہیں لیکن انسان کی زندگی میں بے ربطی آ گئی ہے۔

حسن منظر کا تیسرا ناول ''وبا'' ہے۔ اس ناول میں عالمگیریت کے عمرانی پہلو کو دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ ناول ۲۰۰۸ء میں منظر عام پر آیا۔ اسے وہ ایک بیانیہ قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ناول '' وبا'' میں اپنی قوت متخیلہ سے ایک ایسا تجربہ اور مشاہدہ بیان کیا ہے جس میں انہوں نے زمانی وسعت انسانی مصائب اور معاشرتی وسائل کو وسیع معنوں میں استعمال کرتے ہوئے پاکستانی معاشرے کے ساتھ ساتھ عالمی معاشرے کا احاطہ کیا ہے۔ ادیب کی آنکھ مختلف براعظموں اور وقت کی لامتناہی دیوار کے پار جھانک لیتی ہے۔ اردو ادب میں پہلے پہل وبا کے تصور کو ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے ناول ''توبۃ النصوح'' میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے اپنے ناول میں ہیضے کی وبا کو پس منظر کے طور پر بیان کیا ہے لیکن ان کے ناول کا اصل موضوع خاندان کی اصلاح، اخلاق کی تہذیب اور اولاد کی تربیت ہے۔ اس کے علاوہ انتظار حسین نے بھی طاعون کی شکل میں پھیلا مردم خور آسیب اپنے ناول '' بستی '' میں بیان کیا ہے اور ہجرت اور تہذیبی قدروں کی بازیافت کی سعی کی ہے۔

حسن منظر کا ناول '' وبا'' بھی ایک ایسا بیانیہ ہے جس میں انہوں نے اپنے ذاتی تجربے اور مشاہدے سے استفادہ کرتے ہوئے ایک ہسپتال کی منظر کشی ہے۔ اس کا انتساب بھی ذو معنی ہیں۔ اس میں حسن منظر نے ہسپتالوں میں کام کرنے والے طبی عملے کو خراج تحسین پیش کی ہے۔

> ان سب کے نام جن کے درمیان میں نے بیماریوں اور وباؤں کے خلاف جنگ کرنے والوں میں زندگی بھر خود کو پایا اور اس عالمی وبا سے جنگ کرنے والوں کے نام جس نے کمزور اور نہتے ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ (۲۱)

ناول کا آغاز ایک ایسے سرکاری ہسپتال کا احوال سے ہوتا ہے جہاں گردن توڑ بخار اور چیچک کے مریضوں کا تانتا بندھا ہے۔ڈاکٹر اور نرس اس صورت حال سے بمشکل مقابلہ کر رہے ہیں۔انتساب میں ناول نگار نے وائرس اور طاقتور ممالک کی کمزور ممالک پر ایٹمی و کیمیائی ہتھیاروں سے یلغار کو بیک وقت موضوع بنایا ہے۔عالمگیریت کے پہلو کو اس ناول میں دیکھا جاسکتا ہے کہ طاقتور ممالک کس طرح کمزور ممالک کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ حسن منظر نے بتایا ہے کہ جس طرح وبائی امراض کسی ملک کے لیے خطرناک ہیں اسی طرح طاقتور ممالک کا چھوٹے اور کمزور ممالک پر مختلف طریقوں سے اپنا قبضہ جمانا ہے۔عالمگیریت جس کے تحت دنیا کو ایک گلوبل ویلج کی شکل دی گئی ہے اس کے مقاصد بھی دراصل طاقتور ممالک کا کمزور ممالک پر قبضہ ہے اور کمزور ممالک کو عالمگیریت سے بھی وہی خطرہ ہے جس طرح کسی وبا کا ملک کے لیے خطرہ ہوتا ہے۔ناول وبا کے کرداروں کی طرح جدید دور میں بھی انسان تشکیک اور بے یقینی سے دوچار ہے۔دنیا جہاں ایٹمی ہتھیاروں سے سہمی ہوئی ہے دوسری طرف حیاتیاتی وائرس کے انجانے خوف میں بھی مبتلا ہے۔دنیا تیزی سے بدل رہی ہے۔ماضی کی طرح اب استعماری ممالک کے لیے ممکن نہیں رہا کہ لشکر کشی کر کے دوسرے ممالک پر قبضہ کریں اور پورے عالم میں اپنی منڈیاں قائم کریں۔ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے عالمگیریت کو خوشنماء بنا کر اس لیے پیش کیا کہ عالمی ضمیر کو مطمئن کیا جاسکے اور اس کی آڑ میں انھیں دیگر اقوام کے استحصال کا ایک لائسنس حاصل ہو جائے۔ اس حوالے سے رفعت رفیق لکھتی ہیں۔

> حقیقت یہ ہے کہ عالمگیریت کی آڑ میں بڑی طاقتیں ترقی پذیر ممالک کے سرمائے اور وسائل کو ہڑپ کرکے انھیں معاشی طور پر تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔عالمگیریت کی آڑ میں

کھیلے جانے والے اس کھیل کو ناقدین اسی لیے ویسٹرٹائزیشن اور امریکنائزیشن کا نام دے رہے ہیں۔ (۲۲)

یہ ناول اپنے پلاٹ اور کرداروں سے قاری کو عصر حاضر کی دنیا سے آشنا کراتا ہے۔ جہاں انسانی عمل و عقل، تدبیر و دعا محض کاغذی کاروائیاں اور مسیحاؤں کی ان تھک جدوجہد کو بہترین انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ ناول میں کوئی مرکزی کہانی نہیں ہے۔ مختلف کرداروں کے ذریعے چھوٹی چھوٹی کہانیاں وابستہ ہیں۔ ان کہانیوں کے ذریعے سماجی رویوں کی عکاسی کی گئی ہے۔ ناول کا لوکیل شہر کا مرکزی ہسپتال ہے۔ جس میں چیچک کی وبا پھوٹ جانے کے بعد مختلف مریض داخل ہوتے ہیں چیچک کے مریضوں کے ساتھ ساتھ خناق، تشنج اور ریبز کے مریض بھی ہسپتال میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر عبد اللہ مصطفیٰ یہاں سینئر میڈیکل آفیسر ہے جو انتہائی ایمان دار اور محنتی ہے۔ وہ ہسپتال میں موجود سامان کو اپنے ضمیر اور آؤٹ ڈیٹ کے خوف سے بہت سنبھال کر رکھتا ہے۔ اس ناول کا دوسرا مرکزی کردار ڈاکٹر انیس ہے۔ ڈاکٹر انیس میڈیکل کے شعبے میں نیا نیا آیا ہے۔ مریضوں کی اموات کی وجہ سے دکھی اور پریشان رہتا ہے۔ ڈاکٹر انیس کے علاوہ ڈاکٹر مدحت بھی ہیں جو قناعت پسند، ایماندار اور فرض شناس انسان ہے۔ ہسپتال میں موجود ڈاکٹروں کے علاوہ ہسپتال کا نرسنگ سٹاف اور وارڈ بوائز کا عملہ بھی فعال اور ہمدرد ہے۔

ناول کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے کہ چیچک کی وبا پھوٹ پڑنے کے باعث اخباری رپورٹرز کے سامنے ڈاکٹر انیس وبا کے پھیلنے کا اقرار کرتا ہے اور یہ خبر بہت پھیل جاتی ہے۔ جب یہ خبر پھیلتی ہے تو اس کے بعد حکومت جاگتی ہے اور دوسرے ہی دن چند حکومتی نمائندے ہسپتال کا دورہ کرتے ہیں۔ وبا کے پھیلنے کے بعد حکومت کی طرف سے ہسپتال کی صفائی پر زور دیا جاتا ہے۔ طبی سامان بروقت اور وافر مقدار میں ڈاکٹروں کو دیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مریضوں کو مفت کھانا دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ چند عارضی وارڈ بنا دیے جاتے ہیں اور ان میں اضافی ڈاکٹروں کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر بخاری جو نہایت خوش اخلاق ہیں اسی خوش اخلاقی کے باعث انھیں میڈیا کو رپورٹنگ کرنے کی ڈیوٹی دی جاتی ہے۔ ملٹری کے ڈاکٹروں کی بھی عارضی ڈیوٹیاں

لگائی جاتی ہیں ۔ کچھ دن ہسپتال میں گہما گہمی ہوتی ہے لیکن بعد میں گہما گہمی ختم ہو جاتی ہے۔ آرمی کا اضافی سٹاف اور طبی عملہ بھی غائب ہو جاتا ہے۔

ناول وبا کا تجزیہ کریں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس ناول میں حسن منظر نے انسانی صورت حال کے تناظر میں متنوع اور مختلف سماجی رویوں کو نہایت عمدگی سے پیش کیا گیاہے۔"وبا" کے حوالے سے مہرونہ لغاری لکھتی ہیں

> یہ ناول ایک ایسا بہترین اسٹیج ہے جس میں معاشرہ اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ جس میں ہر کردار آتا ہے اپنی اپنی سماجی حیثیت کے مطابق اپنا کردار ادا کرتا ہے۔۔۔۔ ہسپتال کی اس دنیا میں حسن منظر نے جذبات و کیفیات کی متنوع دنیا تخلیق کی ہے [۲۳]

ناول " وبا" میں حسن منظر نے ایک عالمگیر مسئلے کو بیان کیا ہے۔ عصر حاضر میں اگر دیکھا جائے تو مصنف کے گہرے مشاہدے اور تجربے کی داد دینا پڑے گی۔ " وبا" ناول میں اگر حکومتی اور مقتدر طبقے کا طرز عمل دیکھا جائے تو اس میں نمود و نمائش کی جلوہ گری ہے۔

حسن منظر نے اس ناول میں تاجرانہ طبقے پر بھی خوب تنقید کی ہے اور ان سے وابستہ میڈیکل ریپ جو ہسپتال میں داخل ہوتے ہیں اور اپنے مخصوص مقاصد اور عزائم کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے کارناموں کو بھی حسن منظر نے اپنے ناول میں اجاگر کیا ہے۔

> " اکثر نمائندوں کی دوستی میڈیکل اسٹور انچارج سے ہے تب ہی وہ ہسپتال میں داخل ہونے پر پہلے وہاں جاتے ہیں اور بغیر جھجکے شرمائے بیگ سے نکال کر ایک قیمتی اینٹی بائیوٹک کی کچھ شیشیاں اس کی میز پر رکھ کر کہتے ہیں " یار انہیں نکلواؤ۔۔۔۔ ایکسپائر ہونے والی ہیں۔"
>
> وہ کہتا ہے" کیسے نکلواؤں ان کا سیزن ہی نہیں ہے۔"

میڈیکل کمپنی کا نمائندہ کہتا ہے اب اگر اسمال پوکس اپی ڈیمک میں بھی نہیں نکلیں گی تو پھر کب نکلیں گی۔" وہ ہنس کر کہتا ہے خود چیف میڈیکل آفیسر سے بات کر لو۔ انھیں کنونیس کر لیا تو تمہارا اسٹاک کم پڑ جائے گا۔" (۲۴)

یہ میڈیکل ریپ درحقیقت ایک بیرونی قوت کا استعارہ ہے کہ بیرونی قوتیں کس طرح ترقی پذیر ممالک سے اپنا مفاد حاصل کرتی ہیں۔ ان بیرونی قوتوں کو اپنے مذموم مقاصد کا حصول درکار ہے اور وہ ان مما لک کے مسائل سے اپنا مفاد حاصل کرتی ہیں۔ عالمگیریت کے اثرات ہمارے معاشرے پر گہرے ہیں۔ ہمارے لوگ اپنے ڈاکٹرز سے زیادہ بیرون ملک کے ڈاکٹروں سے علاج کروانا پسند کرتے ہیں۔ ایک ہی خاندان کے غریب اور امیر رشتے داروں یا مختلف طبقوں کے اسکول کے بچوں کے لباس کی طرح یہی فرق ان دواؤں کے گیٹ اپ میں بھی ہوتا ہے۔ ہمارے لوگوں کی سوچ کی عکاسی حسن منظر نے خوب صورت انداز میں کی ہے۔

> اس کے باپ نے چیف میڈیکل آفیسر کے نام درخواست لکھی جو دفتری زبان میں تھی کہ اس کی بچی کا علاج صرف امریکی لیڈی ڈاکٹر کرے۔ وہ ہسپتال کے ڈاکٹروں سے مطمئن نہیں ہے اور اگر ایسا نہیں کیا گیا تو اس کی بچی کی جان کو خطرہ ہے۔
>
> دوسری کاپی امریکن لیڈی ڈاکٹر جین، ایکسپرٹ اسمال پوکس ڈزیز کے نام تھی۔
>
> نیچے درج تھا: ازراہ کرم میری بچی کو آپ اپنی بیٹی سمجھ کر اپنے زیر علاج رکھیے کیوں کے میرا آپ کے علاج پر بھروسہ ہے۔ (۲۵)

ناول میں وبا پھیلنے سے قبل ہسپتال کے contingency fund جو اتفاقی اور انتظامی ضرورت کے تحت استعمال ہوتا ہے۔ اس میں صرف ۳۷ روپے ہیں مگر وبا پھیلنے کے بعد حکومتی خزانوں کا منہ ہسپتال کے لیے کھل جاتا ہے۔ وبا کی صورت میں جہاں ہر طرف موت دندناتی ہے وہاں سیاسی قیادت کے دعویداروں میں بھی منصوبہ بندی کا فقدان نظر آتا ہے۔ "وبا" میں چیچک کی وبا پھیلتی ہے اور وہاں کوئی علاج و انتظام نہیں ہے

جب تمام شہر اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے تب حکومت جاگتی ہے۔ ہمارا معاشی نظام جو پہلے ہی مستحکم نہیں ہے وبا کے بعد مزید خراب ہو جاتا ہے۔ ہم نے جہاں تعلیم کو دانستہ ترجیحات کی فہرست سے خارج کیا ہے وہاں عصر حاضر میں معاشی اور علمی حوالوں سے ٹھوکریں کھائی ہیں۔

جب بھی کوئی ملک یا قوم کسی وبا کے خلاف متحد ہو کر سنجیدگی سے لڑتی ہے تو ضرور کامیابی ہوتی ہے۔ ناول "وبا" میں موجودہ دور کے انسان کا فکری اور سیاسی پس منظر اور اس کی پیچیدہ نفسیاتی اور جنسی زندگی موجود ہے۔ اس میں انسان کی نفسیاتی، مذہبی، علمی، سماجی، اخلاقی فکری رویوں کی عکاسی بہترین انداز میں کی گئی ہے۔ ناول میں جابجا مصنف کے ذاتی تجربات کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ اس ناول میں ان کے تخلیقی اور تخیلی ذہن کے ساتھ ساتھ جذباتی اور ذاتی وابستگی کے عناصر بھی بدرجہ اتم موجود ہیں اور سیاسی، سماجی، مذہبی اور اخلاقی سطح پر انسانی رویوں اور اعمال کی نئی جہتوں میں اضافہ کیا ہے۔ اس ناول کے حوالے سے ثمینہ سیف لکھتی ہیں

> ناول کے کینوس اور سال ۲۰۲۰ء میں وبا کے باعث زندگی کی بے یقینیوں نے ماحول کو اذیت سے دوچار کیا ہوا ہے۔ ناول نگار کے خیال میں اور عصر حاضر میں وبا کے سامنے مشرق و مغرب اور ترقی یافتہ و ترقی پذیر ممالک کا امتیاز ختم ہو گیا ہے۔ [۲۶]

اس ناول میں حسن منظر نے انسانی زندگی کے بچاؤ کے عالمگیر عنصر کی نمائندگی کی ہے۔ انہوں نے اس ناول میں غیر معمولی استعداد و صلاحیت سے ایک لازماں اور لامکاں صداقت کو بیان کیا ہے۔ جس کا تعین ماضی بھی کرتا ہے اور محض ماضی ہی نہیں حال اور مستقبل بھی۔ اس ناول میں ہر طبقے کے انفرادی مسائل کے ساتھ ساتھ سماجی اور اجتماعی رویوں کی بصیرت اور فہم موجود ہے۔ جس سے انہوں نے سماجی بحران اور پریشان نظری کی منظر کشی کی ہے۔ اسی وجہ سے روبینہ سلطان نے حسن منظر کے ناول "وبا" کو پوری تہذیب کا استعارہ قرار دیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں

> یہاں "وبا" کو ہم صرف بیماریوں کی وبا نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ وبا کسی قسم کی بھی ہو سکتی ہے جو تہذیبوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ " وبا" سے مراد تمام معاشرتی برائیاں ہو سکتی ہیں جو کسی ملک کو

تباہ کر سکتی ہیں اور وبا کی صورت میں چاروں طرف پھیل جاتی ہیں۔ جس پر قابو ناممکن ہو جاتا ہے۔ (۲۷)

وبا سے مراد معاشرتی برائیاں ہیں جو تیزی سے پھیلتی ہیں اور ان سے ملک تباہ برباد ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں دہشت گردی نے بھی وبا کی صورت اختیار کی ہوئی ہے لیکن اس کے پس پردہ بیرونی قوتیں اپنے مخصوص استعماری مقاصد کو بروئے کار لاتی ہیں۔ عالم گیریت نے بھی وبا کی صورت اختیار کر لی ہے جو ترقی پذیر ممالک کو تباہ و برباد کر رہی ہے۔ اس عالمگیریت کے پس پردہ بیرونی قوتیں اپنے مخصوص استعماری مقاصد کو بروئے کار لا رہی ہیں۔ اس کے مثبت پہلو بھی ہیں لیکن عالمگیریت کے منفی پہلو کا پلڑا ترقی پذیر ممالک کی طرف زیادہ ہے۔ ناول وبا کی تہہ میں عصری صورت حال کے مطابق عالمی بے حسی کو بیان کیا گیا ہے۔ عصر حاضر کا یہ المیہ ہے کہ کرہ ارض پر چند طاقتور ملکوں کی اجارہ داری ہے۔ وہ کمزور ملکوں کا استحصال کر رہے ہیں لیکن ان کمزور ملکوں کی دادرسی کے لیے کوئی آگے نہیں بڑھتا ہے۔ عالمی امن کے نام نہاد ٹھیکیداروں نے اپنے ارد گرد اقتصادی، معاشی اور سیاسی مصلحتوں کے دائرے کھینچے ہوئے ہیں۔ حسن منظر چیچک جیسی وبا سے گزرتے ہوئے ایک ایسا تجربہ ضبط تحریر میں لائے ہیں جو بیک وقت ذاتی بھی ہے اور عالمی بھی اس کا موضوع ایک علاقے تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ ایک عالمگیری مسئلہ ہے جس کو حسن منظر نے بیان کیا ہے۔

اس ناول میں انفرادی و اجتماعی اور ملکی و عالمی سطحوں پر انسانی اظہار فکر اور طرز عمل میں عصر حاضر سے حیران کن تطبیق ہے۔ ''وبا'' ہماری موجود زندگی کی سچی اور صحیح تصویر ہے۔ وبائی امراض جتنی ماضی میں خطرناک تھیں اتنی ہی تباہ کن آج بھی ہیں۔ کمزور ممالک کا جبر و استحصال ماضی میں بھی ہوتا رہا ہے اور جدید دور میں بھی ہو رہا ہے۔ ان کا یہ مختصر مگر جامع ناول اپنے تخیل کی بدولت اپنے عہد اور ماحول کا درست ترجمان ہوتے ہوئے ستائش کے لائق ہے۔ ان کی تحریر میں عصری شعور کا پہلو پختہ اور روشن ہے جو اس کی معنویت کو دوچند کر دیتا ہے۔

دیگر ناولوں کی طرح اس ناول میں بھی حسن منظر نے اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کا استعمال کثرت سے کیا ہے۔ انگریزی کا استعمال موجودہ دور کی ضرورت بن گئی ہے۔ جس طرح سوچ اور طرز معاشرت

کی ترقی ہمارے جذبات، انداز اور رویوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ایسا ہی معاملہ ہماری زبان کے بارے میں بھی ہے۔ آج کا دور سائنسی اور خلائی ترقی کا دور ہے۔

اکیسویں صدی کے بدلتے ہوئے حالات اور واقعات جس صورتحال کو پیش کر رہے ہیں اس کے مطابق جو زبانیں اور معاشرت نئے حالات کے تقاضوں میں نہ ڈھل سکیں وہ قصہ پارینہ بن جاتی ہیں۔ آج کا دور سائنسی ترقی کا دور ہے۔ جو زبانیں اس کے مطابق اور ان ترقیوں کے لیے ذخیرہ الفاظ اور اپنا دامن وسیع کریں گی وہی اس کا ساتھ دینے کی ضامن ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہماری زبان کو دیگر زبانوں کی یلغار اور انگریزی کے استعمار کا مقابلہ بھی کرنا ہو گا۔ ہم اپنے بچوں کو انگریزی پڑھاتے ہیں۔ اگر اردو دان طبقہ اپنے بچوں کو اردو نہیں سکھا سکتا تو دوسروں سے اس کی توقع عبث ہے۔ زبان اور ادب کا گہرا تعلق ہے۔ ادب عام زبان، عام بول چال کے لوگوں کے ہی احساسات کو مخصوص سانچے میں ڈھالنے کا نام ہے۔ یہ لوگوں کے احساسات و جذبات کی ترجمانی کرتا ہے۔ جو زبان آپ کے ذہن میں رچی بسی ہے اس کی ترجمانی سے ہی لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اردو پڑھنے لکھنے والا طبقہ بھی سامنے آئے۔ اردو سیکھنے اور سکھانے کے طریقوں کو دلچسپ اور آسان بنانے کی ضرورت ہے کیوں کہ زبان تو ابتدائی تعلیم و تربیت ہی میں پروان چڑھتی ہے۔ ہماری زیادہ توجہ انگریزی کی طرف ہے اگر ہم اردو پر خود توجہ نہیں دیں گے تو دوسروں سے بھی اس کی امید نہیں رکھ سکتے۔

موجودہ دور میں سائنسی ترقی نے ادب کے مقام حیثیت اور کردار کو بھی چیلنج کیا ہے۔ صنعت و معرفت، رسائل نقل و حمل اور رسل و رسائل اور سب سے بڑھ کر عالمی مارکیٹ اور صارفیت نے ادب کی حیثیت، افادیت اور ارتقاء کو نئی جہتوں سے روشناس کرا دیا ہے۔ موجودہ دور میں عالمگیریت کی قیمت لسانی روایات کی صورت میں چکائی جا رہی ہے۔ عصر حاضر میں اردو ادب کے فروغ اور ارتقاء کے لیے جدید علوم اور نئے الفاظ کا استعمال عصر رواں کا تقاضا ہے۔ ادب کو اپنے معاشرے کی ناہمواریوں کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے جو انسانوں کی تذلیل اور استحصال کرتی ہیں۔ ادب کا یہ فریضہ ہے کہ وہ معاشرے میں پائی جانے والی عدم مساوات اور عالمگیریت کے منفی اثرات کے خلاف اپنے تحفظات کا اظہار کرے۔ ایسے موضوعات ادب کا

حصہ ہونے چاہیں۔ عالمگیریت موجودہ دور میں اختیاری مضمون نہیں بلکہ لازمی سبجیکٹ کی مانند ہے جس سے فرار ممکن نہیں بلکہ اس کا سامنا کرنے کی ضرورت ہے۔

ثقافت:

سماجی عالمگیریت کا دوسرا اہم پہلو ثقافت ہے۔ ثقافت جسے انگریزی میں کلچر کہا جاتا ہے ایک مختلف المعانی اصطلاح ہے۔ اکثر ناقدین کا خیال ہے کہ یہ لفظ کئی معنوں سے ہوتا ہوا نشو و نما، ترقی اور تربیت کے منظم عمل تک پہنچتا ہے بعد میں اس میں اتنی وسعت پیدا ہو گئی کہ اسے ساری مجلسی زندگی تک پھیلا دیا گیا۔ فنون لطیفہ، مذہب، رسوم و رواج، مختلف فنی اور سماجی علوم اور آرٹ وغیرہ سب اس کے دائرے میں شامل ہیں۔ فہیم اعظمی کے بقول

> کلچر کی جامع تعریف یہ ہے کہ یہ ایک کلیہ ہے جس میں عقائد، آرٹ، اخلاقیات، قانون، رسم و رواج، آدمی کے عادات و خصائل جو سماج کے فرد ہونے کی حیثیت سے اس میں پائے جاتے ہیں وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ (۲۸)

ثقافت کے لفظ کو اگر کلچر کے ہم پلہ رکھ کر دیکھیں تو اس سے cultivation یعنی کھیتی باڑی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے اور اس کا معنی یہ نکلتا ہے کہ ثقافت یا کلچر وہ عمل ہے جو ہماری جڑوں اور بنیادوں تک رسائی رکھتا ہے اور ہماری زندگی کی اطراف اور جہات کو بیٹھتا ہے۔ گویا سیاست کو بھی ثقافت میں تلاش کر سکتے ہیں۔ معاشرت کو بھی کھوج سکتے ہیں اور اپنی معیشت کا سراغ بھی ثقافت ہی میں پا سکتے ہیں۔ اپنے آرٹ یعنی فنون لطیفہ جس میں ہمارا ادب بھی شامل ہے اس کا سرا بھی تلاش کر سکتے ہیں۔ ثقافت ہماری کسی ایک خاص جہت کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ ہمارے کل اعمال پر حاوی ہے۔ جس قوم کی ثقافت وسعت پذیر ہو، اس کا مزاج کشادہ ہو اس کا ادب بھی گہرا ہو گا۔ ادب کے ذریعے اس قومی شعور کا اظہار ہوتا ہے جو مختلف پیراؤں میں زندگی کے اظہار کا سبب لیتا ہے۔ بقول محمد امجد عابد

> ادب مختلف احساسات کا آئینہ دار ہوتا ہے جس میں محبت، نفرت اور بغاوت کے ابھرتے اور معدوم ہوتے جذبات ہیروں کی صورت میں جڑ ھتے اور اترتے ہیں۔ ہماری قومی ثقافت بھی مختلف افراد کے تجربات ہی کا تو نام ہے۔ جو ہم معاشرتی، سماجی اور دیگر سطحوں پر حاصل کرتے ہیں۔ جب ہم ان جذبوں، تجربوں اور احساسات کو کسی شعر میں، ناول میں، افسانے یا ڈرامے میں دیکھتے ہیں تو ہمیں وہ بھولے تجربات یاد آجاتے ہیں۔ ہم صحیح معنوں میں ان کا ادراک حاصل کر کے گویا ایک ثقافتی عمل کی زد میں آجاتے ہیں۔ (۲۹)

عالمگیریت کے زیر اثر ہم دنیا سے رابطے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اب دور دراز کے ملکوں تک رسائی آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ نقل و حمل کے ذرائع جدید تر ہو گئے ہیں۔ رسل و رسائل میں بہت آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ عالمگیریت کے تحت اب فاصلے مٹ گئے ہیں یہ سب کچھ بھی اپنی جگہ صحیح ہے لیکن اس عمل کے نتیجے میں ہم اپنی تہذیب اور ثقافت اور خود سے بہت دور ہو گئے ہیں۔ اس کی شاید ہمیں خبر نہیں ہے۔ جدید دور میں سائنسی اور علمی ترقی نے جس طرح انسان کے شعور فکر اور انداز نظر میں تبدیلی پیدا کی۔ اس نے انسان کی سوچ کی بھی نئی نئی راہیں تلاش کی ہیں۔ اس کا اثر شعر و فن اور ادبیات پر بھی پڑا ہے۔ عالمگیریت کے باعث ہماری ثقافت میں تبدیلیاں آرہی ہیں۔ ہماری تہذیب و ثقافت معدوم ہوتی نظر آرہی ہے۔ اس پر دیگر تہذیبوں اور ثقافتوں کے اثرات نمایاں ہوتے جارہے ہیں۔ ثقافتی عالمگیریت کو دنیا بھر میں معنی، خیالات اور اقدار کی منتقلی اور سماجی تعلقات کو بڑھانے اور تیز کرنے کے عمل کے طور پر جانا جاتا ہے۔ عالمگیریت کے تین بنیادی پہلو میں سے ایک پہلو ثقافتی عالمگیریت ہے۔ معاشرتی یا ثقافتی عالمگیریت عموماً تعلیمی ادب میں پائی جاتی ہے اور یہ عالمگیریت کے تین پہلوؤں میں سے ایک ہے۔ دوسرے دو پہلو معاشی عالمگیریت اور سیاسی عالمگیریت ہیں۔

عالمگیریت ایک طرف تو رنگ، نسل اور زبان کے اختلافات ختم کر کے قومی ریاستوں کی سرحدیں ہٹا کر پوری دنیا کو ایک عالمی گاؤں میں تبدیل کرنا چاہتی ہے تو دوسری طرف ہمیں فرقہ بندیوں، ذاتوں، نسلوں اور قبیلوں میں بانٹنا چاہتی ہے۔ عرب و عجم کی تقسیم قائم رکھنا چاہتی ہے اور ہمیں متحد نہیں دیکھنا چاہتی۔

عالمگیریت ہمارے اندر فروغی اختلافات کو ہوا دے رہی ہے۔ عالمگیریت میں ثقافتی نکتہ نظر سے ثقافتی تنوع کی جانب افراد کی بہتر رسائی کے ذریعے multiculturalism کا فروغ شامل ہے۔ ہالی ووڈ اور بالی ووڈ کی فلموں کی درآمد برآمد، انٹرنیٹ، ٹیلی فون، سیر و سیاحت کا فروغ، ٹریڈ مارک، کاپی رائٹ، انٹرنیٹ، پیٹنٹ رائٹس کے کنونشنز وغیرہ کے ذریعے امریکی بلکہ مغربی ثقافت کو عام کیا جارہا ہے۔ چینی ثقافت بھی اپنی سرحدوں سے باہر نکل آئی ہے۔ ہندی ثقافت بھی سرحدوں سے باہر نکلنے کی کوشش میں ہے۔ جمیل ارشد ملک عالمگیریت کے ثقافتی پہلوؤں کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> ثقافتی عالمگیریت کا آغاز تہذیبوں کی ایک دوسرے سے ملاپ کی وسعت جدیدیت کے دور سے پہلے کی بات ہے البتہ موجودہ دور میں ثقافتی لہر پہلے ادوار کی نسبت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ انٹرنیٹ اور ڈیجیٹل موبائل کی تیز رفتاری سے بڑھتی ہوئی مصنوعات نے ہمارے دور میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے انفرادی طور طریقے، اشیاء صرف اور مختلف قسم کے خطبات بڑی آزادی اور وسیع پیمانے پر ایک مقام سے دوسرے مقام تک اتنی جلدی پہنچ جاتے ہیں۔ جبکہ پہلے ایسا نہ تھا۔ (۳۰)

موجودہ دور میں عالمگیریت نے دیگر شعبوں کے ساتھ ثقافت پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عالمگیریت کا سب سے زیادہ اثر ثقافتی سطح پر ہوا۔ پوری دنیا میں تہذیبی و ثقافتی فرق ختم ہو رہا ہے۔ ایک ہی تہذیب غالب آرہی ہے جس کے اثرات پوری دنیا میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس تہذیب و ثقافت کے اپنے خدوخال ہیں ان کے اثرات ادب پر بھی نمایاں ہیں۔ آج جب پرانی اقدار کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ نئی تہذیب و ثقافت جنم لے رہی ہے۔ معاصر ناول نگاروں کے ہاں بھی اس تہذیب و ثقافت کا نوحہ ہی نظر آتا ہے۔ مغربی تہذیب جو مشرقی تہذیب پر غالب آتی جارہی ہے اس کا شعور معاصر ناول نگار کے ہاں ہے۔ حسن منظر کے ناولوں میں بھی اسی کا اظہار کیا گیا ہے۔

عالمگیریت کے باعث جو تہذیبی و ثقافتی کشمکش جنم لے رہی ہے اور جس طرح مشرق و مغرب کے تہذیبی و ثقافتی ملاپ سے صورت حال پیدا ہو رہی ہے اس حوالے سے حسن منظر کا ناول ” دھنی بخش کے بیٹے

"نہایت اہم ہے۔ حسن منظر نے اس ناول میں سندھ کی ثقافت کے ساتھ ساتھ مغرب کی ثقافت کو بھی بیان کیا ہے۔ مغربی ثقافت جو مشرقی ثقافت پر اثر انداز ہو رہی ہے اس کے کھوکھلے پن کو حسن منظر نے بیان کیا ہے کہ وہاں بچوں میں خود کشی اور ان کے والدین میں علیحدگی کا رجحان ہے اور اس کے کیا اثرات پڑ رہے ہیں، ان کا مذہب کیا ہے کس دائرہ اخلاق کو مانتے ہیں، بغیر نکاح کے مرد اور عورتیں ایک ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں اس طرح کے اور بھی سوالات ہیں جو احمد بخش کے ذہن میں ہیں۔ حسن منظر نے دراصل اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ جس طرح مغربی تہذیب ہماری تہذیب پر اثر انداز ہو رہی ہے ہمارے معاشرے میں بھی یہی مسائل ہوں گے۔ ہمارے لوگ مغربی تہذیب سے اثر قبول کرتے ہیں اور اسے پسند کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اب ہمارا رہن سہن بھی تبدیل ہو گیا ہے۔ ہمارے بالائی طبقے نے حالات کی تبدیلی کے مطابق خود کو ڈھال لیا ہے اور روایتی مسلم معاشرے کی تہذیبی روایات زندگی کے اکثر معاملات میں اس عالمگیریت تہذیب کی نقالی کر رہی ہیں۔

> بخشو تھالی میں دو گلاس، وسکی کی بوتل اور ایک تام چینی کے پیالے میں آئس کیوبس لگائے اندر آیا۔۔۔ علی بخش نے قُل قُل کی آواز سے وسکی کو دونوں گلاسوں میں ڈالتے ہوئے کہا آج کل تو یہی چلتی ہے۔۔۔۔ تم وہاں کون سی پیتے ہو؟۔۔[۳۱]

اب ہمارے معاشرے میں مہمان کی خاطر تواضع شراب وغیرہ سے کی جانے لگی ہے جو مغربی معاشرے کا واضح اثر ہے۔

> شادی ایک بڑے ہوٹل میں تھی۔۔۔ لون میں اورکیسٹرا سنجیدہ قسم کی مغربی سنگیت کی دھنیں سنا رہا تھا۔۔۔ جس پارسی لڑکی نے مہر علی کو مدعو کیا تھا۔ اسی نے دونوں کو لے جا کر فوارے کے نزدیک بٹھایا جدھر اندھیرا تھا اور بولی کیا پئیں گے؟ مہر علی نے کہا بس پیاس بجھانے والی چیز اور آپ کے دوست تلمیذ نے کہا gingerale بس[۳۲]

> اگلی صبح انسپکٹر اس کے دروازے پر موجود تھا جو سپاہی وہ اپنے ساتھ لے کر آیا تھا گیٹ پر کھڑے رہے۔ تلمیذ اندر سے سہا ہوا تھا لیکن سب انسپکٹر سے تپاک سے ملا اور اندر لے جا کر

صوفے پر بٹھایا۔۔۔ تلمیذ نے ویسکی کی بوتل اور دو گلاس وہیں کارڈ ٹیبل پر لا کر رکھ دے۔
اس کے لیے انڈیلی اور اپنے لیے۔ خود چیئرز کہا۔ (۳۳)

حسن منظر کے ساتھ ساتھ ان کے ہم عصر ناول نگاروں نے بھی اس صورتحال کو اپنے ناولوں میں پیش کیا ہے کہ کس طرح مغربی ثقافت کا اثر ہماری ثقافت پر پڑ رہا ہے اور مقامی ثقافت معدوم ہوتی جا رہی ہے۔ بانو قدسیہ نے اپنے ناول " راجا گِدھ "میں اس کی نشاندہی کی ہے۔ انہوں نے اس ناول میں جن لوازمات کو ایلیٹ کلاس سے مخصوص قرار دیا وہ آج تقریباً پورے معاشرے کے لیے قابل رسائی ہیں اور یہ عالمگیریت کی کامیابی اور برتری کا ثبوت ہیں۔ اسی طرح خالدہ حسین نے اپنے ناول "کاغذی گھاٹ "میں بدلتی ہوئی تہذیبی اقدار کو موضوع بنایا ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے بھی اپنے ناولوں "غلام باغ" اور "صفر سے ایک تک" میں بدلتی ہوئی معاشرتی زندگی کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ امریکا جدید تہذیب کا وہ تاریک تر اندرون ہے جو بظاہر بہت خوشنما اور دلفریب ہے اور پاکستان سے بہت پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ طبقے کے لوگ جا کر رہنا اور وہاں کام کرنا پسند کرتے ہیں۔ "علی بخش بڑبڑایا، تمہارے وہاں ہونے سے تمہارے بھتیجے بھانجے بھی وہی نوکری پر جائیں گے، یہاں کی روزی تو ہوائی روزی ہے۔ " (۳۴)

اس کے ساتھ ساتھ حسن منظر نے عالمگیریت کے پہلوؤں کو بیان کیا ہے آج کے دور میں عالمگیریت کو خوشنما بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور لوگوں کو اس کی طرف راغب کیا جا رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں

تم بالکل دیہاتی نوجوان تھے۔ نہ یہ جانتے تھے کہ کھانے کی میز پر کانٹے اور چھری کا استعمال کس طرح کرنا ہے۔ جو لڑکی تمہارے ساتھ ہے ریستوران میں اس کا کوٹ اتار کر ٹانگنا کا کام ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک ہزار کلچر کے آداب اور جب تم اپنے ملک گئے تو سوپ کے چمچے کو صحیح طرح استعمال کرتے تھے۔ جانتے تھے کس موقع پر کیا پہنا ہے کون سی پرفیوم لگانی ہے۔ غرض کہ پورے بدلے ہوئے شخص۔ (۳۵)

نئی تہذیب سنگدلوں کی حد تک خود مختار ہے لیکن اس کو اس قدر خوشنما بنا کر پیش کیا جاتا ہے ہمارے لوگ اس کو خوشدلی سے اپناتے ہیں۔ وہاں کے بارے میں معلومات رکھتے ہیں اور وہاں جا کر رہنا پسند کرتے ہیں۔ حسن منظر لکھتے ہیں

> بڑی عمر والے لڑکے جن کے اوپر کے ہونٹ کا رنگ تبدیل ہونے لگا تھا۔ احمد بخش سے زیادہ امریکا کی زندگی کو جانتے تھے، وہاں کے ایکٹروں، ایکٹرسوں کو اور پہننے میں کیا چیز موجودہ لمحے کی تھی کون سی نہیں۔ کون سے گانے اور ڈانس ہٹ تھے اور امریکا میں کس آسانی سے کون کتنے پیسے کمالیتا ہے۔ [۳۶]

میڈیا نے ہر چیز تک رسائی آسان بنا دی ہے۔ اس عالمی گاؤں میں فرد کا رابطہ دیگر ملکوں سے ہو گیا ہے۔ وہ وہاں کے رہن سہن، وہاں کی زندگی سے باخبر رہتے ہیں اور فرد دوہری ثقافتی پہچان رکھنے لگے ہیں۔ ایک جو مقامی کلچر کی دین ہے اور دوسری جو عالمگیر ثقافت نے اسے عطا کی ہے۔ جو اس پر میڈیا کے ذریعے مسلط کی جا رہی ہے۔ نوجوان طبقہ میڈیا کے ذریعے امریکا اور یورپ کے علاقوں کی زندگی کو جانتے ہیں۔ ان کے لباس، ان کے طور طریقے اپناتے ہیں۔ دراصل میڈیا کے ذریعے انھیں دلفریب بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ ہمارا نوجوان طبقہ وہاں کی زندگی میں شریک ہونا چاہتا ہے۔ اس کی زندگی خواہشات کے دائرے میں بدل گئی ہے جس کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ انتہا بس ایک چکر ہے جس میں مسلسل گھوم رہا ہے۔ وہ اپنی تہذیبی شناخت کو بھی بھول جاتے ہیں۔ اس سے انھیں کوئی محبت نہیں ہے۔ دراصل معاشرہ عالمگیریت کے سیل رواں میں جس طرح بہہ رہا ہے اس میں یہ رویہ ہی اپنایا جا رہا ہے۔

> وہ وہاں کی دشت کی دنیا کے ہیروز کو بھی جانتے تھے۔ سب ایک دن وہاں جا کر خود اس زندگی میں شریک ہونا چاہتے تھے۔ وہاں پہنچنے کے لیے بیچ کہ جن تعلیمی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے اس کے بارے میں انہوں نے سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا۔ وہ جو وہاں تھا انھیں بھی بلا لے گا۔ جس طرح کویت، دبئی یا انگلینڈ جانے والے اپنے رشتہ داروں کو وہاں کھپاتے رہتے

ہیں۔ جس فصلوں کی زمین نے ان کی پشتوں کو اور انھیں پالا تھا اس سے کسی کو محبت نہ تھی۔(۳۷)

لیکن جب لوگ وہاں جاتے ہیں کہ وہاں سے تعلیم حاصل کر کے واپس آکر اپنی کمپنی خود چلائیں یا اپنے ملک کے لیے کام کریں وہ وہاں پر تعلیم حاصل کرنے کے بجائے اپنی شناخت ہی کھو دیتے ہیں۔ پہچان اور تشخص کو برقرار اقوام کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ عالمگیریت نے فرد کی انفرادیت کو ختم کر دیا ہے اور آج اُسے پہچان کے بحران کا سامنا ہے۔ ہم ذہنی طور پر غلام ہیں۔ ہم ہر کام میں انگریزوں کے نقال ہیں۔ یہی ذہنی غلامی عالمگیریت کی منشا ہے تاکہ عالمگیریت کی منتخب زبان، لباس اور عالمگیریت ہی کی تجویز کردہ خوراک دنیا کے ہر ذہنی غلام بلا چوں چرا اپنا لیں۔ عالمگیریت قومی حکومتوں کے کردار کو ختم کرنا چاہتی ہے اور اپنی تجارت و ثقافت کے فروغ دینے کی خواہاں ہے اور اس کے لیے یہ عالمگیر قوتیں مختلف حربے اختیار کرتی ہیں۔ کہیں فوجی آمروں کے ذریعے جمہوریت کی بساط لپیٹ دی جاتی ہیں اور کہیں حکمرانوں کو خرید کر یہ مقصد حاصل کیا جاتا ہے۔ جہاں وہ ان قوتوں کو حسب منشا کام نہ کریں وہاں انھیں مروانے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا ہے۔

امریکا سے ڈیموکریسی امپورٹ ہو گی۔ امریکا اپنی ایمپائر کے ملکوں پر وہاں گورنر جنرل اور وائس روئنز بھیج کر نہیں کر رہا یہ کام ان ملکوں کے ملٹری اور سویلین حاکموں سے لیتا ہے (۳۸)

حسن منظر نے کرداروں کے ذریعے امریکہ کی تہذیب و ثقافت کی عکاسی نہایت خوب صورت انداز میں کی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ہم کس حد تک امریکہ کو پسند کرتے ہیں۔

میں انگریزی بولنے کی پریکٹس کر رہا ہوں۔ سمجھ میں نہ آئے پر دیکھتا امریکی فلمیں ہوں۔ لگتا ہے باقی دنیا کو خدا نے فرشتوں سے بنوایا تھا اور امریکہ کو اپنے ہاتھوں سے۔(۳۹)

عالمگیریت کی اس لہر نے دنیا بھر کے مختلف معاشروں میں لباس کے ضمن میں بھی بنیادی تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ ہمارے روایتی معاشروں میں برطانوی سامراجیت کے زیر اثر کلونیل پیریڈ میں پہلے پہل پتلوں کا چلن صرف انگریزوں کے حامی اور مراعات یافتہ طبقے میں ہوا اور عمومی طور پر اسے برا سمجھا گیا لیکن اب یہ

عوام میں مقبول ہو گیا۔ نوجوان نسل نے اس لباس کو مکمل طور پر اپنالیا ہے اور نہ صرف مقامی لباس کو چھوڑ دیا ہے بلکہ اس کا ستعمال اب بعض مخصوص مواقع تک محدود ہو رہا ہے۔ لباس جو کسی علاقے کی ثقافتی اظہار میں اہم کردار ادا کرتا ہے آہستہ آہستہ یہ ثقافتی لباس ختم ہو رہا ہے۔۔

> یہاں اتنی غربت ہے۔ لوگوں کے تن کو لتا نہیں پھر بھی لیڈر اتنے ویل ڈریسڈ لوگوں کو کیوں چنتے ہیں جن کے سوٹ لندن اور ہانگ کانگ کے ٹیلرڈ ہوتے ہیں۔ یہ ملک ویل ڈریسڈ لیڈروں کو پسند کرتا ہے۔ ویل ڈریسڈ، انگلش ایکسنٹ میں انگلش بولنے والے لیڈروں کو جو اپنے گھر میں بھی انگریزی میں بات کرتے ہیں اور جن کے بچے تک انگریزی میں خواب دیکھتے ہیں۔ (۴۰)

لباس کسی قوم کی تہذیب و ثقافت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اسی سے قوموں کی تاریخ اجاگر ہوتی ہے اور اسی سے قوم کے رہن سہن کا پتا چلتا ہے۔ لباس تمدن کی روح اور کسی بھی تہذیب کی بنیاد ہے۔ جو مقام کسی تمدن میں زبان وادب کا ہے وہی مقام لباس کو بھی حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس قدر تنوع زبانوں میں پایا جاتا ہے کم و بیش اتنا ہی تنوع لباس میں بھی پایا جاتا ہے۔ لباس کسی بھی قوم کی سب سے بڑی پہچان ہے۔ عالمگیریت نے جہاں سیاسی جغرافیے اور اقتصادی صورت حال کو بدلا ہے وہاں اس نے امریکی ثقافت کو بھی خوب پھیلایا۔ امریکی لباس نے قومی لباس کو ختم کر دیا۔ امریکی لباس پہننا ترقی کا شعار بن گیا ہے اور بلند معیار زندگی کی علامت قرار پایا۔ جس طرح صنعتی میدان میں امریکا کی اجارہ داری ہے وہاں لباس بھی امریکی ہے جو مغربی لباس کہلایا جاتا ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک میں یہی لباس عام ہو گیا ہے۔ اسے اقوام عالم پر ٹی وی اور فلموں کے ذریعے مسلط کر دیا گیا۔ یہ صورت حال تقریباً ساری دنیا میں ہی نظر آرہی ہے۔ لڑکیوں نے اپنے قومی لباس کو ترک کر کے امریکی لباس اپنالیا ہے اور قومی لباس جو ثقافت کی پہچان ہوا کرتا ہے تقریباً ختم ہو رہا ہے۔

حسن منظر نے اس صورتحال کی عکاسی اپنے ناولوں میں کی ہوئی ہے۔ وہ سعودی عرب کے حالات بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ وہاں پر برقعہ کے بغیر عورتوں کے نکلنے پر پابندی ہے لیکن پھر بھی وہاں کی

عورتیں مغربی لباس کو پہنتی ہیں۔ ان کے دماغ اور دل میں بھی وہی تفاوت ہوتا ہے ۔ وہ اپنے ناول "العاصفہ" میں مغربی عورتوں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں

ان کے کپڑے موجودہ بیرونی طرز کے ہوتے ہیں۔ خوب صورت بریزئر جس پر ریشم کا کام ہوتا ہے۔ سنتھیک فائبر کے ملائم، رنگین شفاف بلاؤز میں سے جھانک رہا ہوتا ہے اور اکڑا ہوا ہے گھٹنوں سے اونچا اسکرٹ جو بمشکل رانوں کو چھپا رہا ہوتا ہے۔ جانگیا جس کی رنگت گوری نہ ہو نارنجی پسند کرتی ہے۔ یہ کپڑے میں نے انھیں بے جھجکے چن کر پسند کرتے دیکھا ہے۔ لباس کے اوپر سیاہ برقعہ دیکھ کر ایسا لگتا ہے موجودہ بیروت پر ہمارے یہاں کی ریت کا بادل چھا گیا ہے۔ (۴۱)

اسی طرح وہ " العاصفہ" میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں "اس لمبے لباس کے کالر مغربی دنیا کی قمیض کے طرز پر کاٹے ہوئے ہوتے تھے۔" (۴۲)

یہ عالمگیریت ہی کا نتیجہ ہے کہ عرب جن کا لباس آج بھی ان کا شعار سمجھا جاتا ہے اس لباس کو چھوڑ کر مغربی لباس اپنا چکے ہیں۔ جبکہ ان کے لباس کو امریکن فلم نگری میں اسلامی دہشت گردی کی علامت کے طور پر دکھایا جارہا ہے لیکن عرب اس لباس کو چھوڑ رہے ہیں۔ موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ مغرب کے کنٹرول میں ہیں۔ یہ طبقہ ٹی وی اور انٹرنیٹ کی مدد سے مخصوص افکار و خیالات پھیلا رہا ہے۔ پوری دنیا آج مغرب کی تقلید میں اندھی ہو رہی ہے۔ مغرب نے جس طرح صنعت و تجارت کے میدان میں اپنی بالادستی قائم کی اسی طرح اپنی ثقافت اور تمدن کو فروغ دینے اور اپنی اقدار و روایات کو رواج دینے کے لیے فلموں کا سہارا لیا اور فلموں کے ذریعے ہی اپنی ثقافت کو پوری دنیا میں رائج کیا ہے اور ہمارے پڑھے لکھے طبقے نے سب سے پہلے انگریزی لباس اختیار کیا تھا اور ان کی نقل کرنا شروع کی۔ "ریکارڈوں پر نام فلم کی ہیروئن کا تھا جس کا گلا یورپین موسیقی کے لیے بنا تھا۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کی ہر فلم ملک کی نمائندہ فلم کی حیثیت سے عالمی مقابلوں میں بھیجی جائے"۔ (۴۳)

حسن منظر بتاتے ہیں کہ ہماری نوجوان نسل وہاں کے ایکٹروں سے متاثر ہیں ان کی ہر ہر چیز پر نظر رکھتے ہیں کہ کون سے کپڑے موجودہ دور کے ہیں کون سے گانے اور ڈانس ہٹ ہیں اور یہ سب دیکھنے کے بعد وہ ان کو خود بھی اپناتے ہیں اور وہاں جانے کی خواہش کرتے ہیں۔ سوچ و فکر کی یہ تبدیلی میڈیا کی برق رفتار کی وجہ سے ہے۔ معاشرتی تبدیلیوں کو ساتھ ساتھ اخلاقی اقدار کی تبدیلی بھی نمایاں ہے۔ مخلوط تعلیمی ادارے، مخلوط محافل، مردوزن کا آزادانہ اختلاط، مسلم مشرقی معاشرے کا حصہ کبھی نہ تھا۔ انگریزی تعلیمی اداروں کی وجہ سے رہن سہن میں تبدیلی آئی جس نے یہاں رائج ان بندشوں اور قید کو توڑ کر رکھ دیا جو مسلم شرفاء کے گھرانوں میں مروج تھیں۔ اس طرح لسانی حوالے سے بھی عالمگیریت نے اپنے اثرات مرتب کیے ہیں۔ زبان افراد معاشرہ کے درمیان محض رابطے کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ کسی قوم کی تہذیب و ثقافت کی محافظ اور افراد معاشرہ کے درمیان اتفاق و اتحاد کا اہم وسیلہ ہوتی ہے۔ زبان اور ثقافت کا باہمی تعلق دوطرفہ ہے۔ زبان کے ذریعے ہی قوم کی تہذیب کا اظہار ہوتا ہے اور یہی وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعے قوم کی انفرادیت کا اظہار ممکن ہے قوم ثقافت کے نمایاں ترین اور منفرد ترین مظاہر میں سے ایک اہم مظہر زبان ہے کیونکہ زبان نہ صرف ثقافت کو محفوظ کرتی ہے بلکہ اس کی نمائندگی بھی کرتی ہے

جدید دور میں انگریزی نمایاں اور عالمی زبان کے طور پر سامنے آئی اور زبانوں کے خاتمے کی وجہ سے اسے قاتل زبان کہا جارہا ہے۔ طاقتور اور کمزور اقوام کے مابین تعلقات میں اعلیٰ و ادنیٰ کا فرق انگریزی کی بدولت ہی پیدا ہوا ہے۔ دراصل انگریزی زبان کا یہ غلبہ نئی سامراجیت کی ایک مثال ہے اس کے ذریعے انگریزی بولنے والی اقوام اپنا کلچر غریب اقوام پر مسلط کر رہے ہیں اور غریب عوام انگریزی زبان کو نہایت پسند کرتے ہیں۔ انگریزی کا تسلط قائم کرنے والے عناصر میں اہم برطانوی عنصر نو آبادیات سے آزاد ہونے والے ممالک میں وہ احساس کمتری ہے جو ان ممالک کے عوام کے ذہنوں میں دور غلامی میں پروان چڑھایا گیا اور جو ان حکمرانوں سے وابستہ ہر چیز کو ایک بلند تر مقام عطا کرتا ہے۔ انگریزی زبان اور انگریزی خواں طبقات کو درجہ بندی میں بلند مقام اسی ذہنی کمتری کی علامت ہے۔ ان ممالک میں آج بھی انگریزی غیر ملکی زبانوں میں پہلی ترجیح ہے۔ حسن منظر " انسان اے انسان "میں لکھتے ہیں

> ہمارا ملک ویل ڈرسیڈ لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ ویل ڈرسیڈ، انگلش ایکسینٹ میں انگلش بولنے والے لیڈروں کو جو اپنے گھر میں بھی انگریزی میں بات کرتے ہیں اور جن کے بچے تک انگریزی میں خواب دیکھتے ہوں۔(۴۴)

یہ حوالہ پاکستان کی صورتحال کی عکاسی کرتا ہے جہاں انگریزی علمیت اور اسٹیٹس کا مظہر سمجھی جارہی ہے۔ سب لوگ ہی اس کے دلدادہ ہیں۔ روزمرہ اور پیشوں کو اس زبان کا لبادہ اوڑانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بازار میں اب حجام، نائی، کپڑے کا بازار جیسے اسماء نظر نہیں آتے بلکہ ہیئر ڈریسر، باربر، ٹیلرز وغیرہ جیسے بورڈ آویزاں نظر آتے ہیں۔ تعلیم کے لحاظ سے بھی پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں جہاں انگلش میڈیم ہو معیاری اداروں کا درجہ رکھتے ہیں۔ اردو کو انگریزی لب و لہجے میں ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ ماڈرن کہلا سکیں۔ عالمگیریت کے مختلف اداروں کے علاوہ ٹیلی ویژن، فلموں، انٹرنیٹ نے انگریزی زبان کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ حسن منظر" انسان اے انسان" میں انگریزی زبان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ کس طرح ہم انگریزی سیکھنے کی کوشش کررہے ہیں۔"میں انگریزی بولنے کی پریکٹس کررہاہوں۔ سمجھ میں نہ آئیں پر دیکھتا امریکی فلمیں ہوں"(۴۵)

اسی طرح وہ "دھنی بخش کے بیٹے" میں لکھتے ہیں۔"احمد بخش کا انگریزی لہجہ بالکل صاف تھا کیوں کہ اس کا کسب اس نے بورڈ لورینس اور لیوئر کی فلموں اور بی بی سی ریڈیو سے کیا تھا"۔(۴۶)

انگریزی زبان کو برتری کی علامت سمجھا جاتا ہے اور اس کو بولنا پڑھے لکھے ہونے کی علامت بھی سمجھا جاتا ہے۔ دنیا کی تمام زبانیں دوسری زبانوں سے اخذ و استفادہ قبول کر کے اپنے دامن کو وسعت بخشتی ہیں لیکن موجودہ دور میں عالمگیریت کے زیر اثر یہ تبدیلی زبانوں کے وجود کے لیے خطرے کی علامت کے طور پر سامنے آرہی ہے۔ موجودہ دور میں دانستہ طور پر امریکی اقدار، امریکی نظام ہائے سیاست، معیشت اور معاشرت کو دنیا بھر میں تمام معاشروں پر مسلط کرنے کے لیے انگریزی زبان کا سہارا لیا گیا ہے۔ حالات کی تبدیلی کے مطابق قوم نے خود کو ڈھال لیا ہے اور تہذیبی روایات کے برعکس ایک ایسا طبقہ وجود میں آچکا ہے۔ جو اندازواطوار، نشست وبرخاست غرض زندگی کے اکثر معاملات میں اس عالمگیر تہذیب کی نقالی میں اپنے لیے

فلاح دیکھ رہے ہیں جو عالمگیریت کی پیدا کردہ تہذیب ہے۔ ہماری قوم میں انگریزی سے وابستہ احساس برتری ہے جو انھیں انگریزی الفاظ و محاورات کے استعمال پر اُکساتا ہے۔ وہ انگریزی کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ یہ زبان اب اتنی عام ہو چکی ہے کہ بچوں بڑوں کسی کے لیے بھی اجنبی نہیں رہی ہے۔ طاقتور ذرائع ابلاغ یورپین اور امریکن طرز زندگی کو فروغ دینے کے لیے ذہن سازی کر رہا ہے خواہ کوئی افریقہ کا شہری ہو یا ایشیاء کا۔ حسن منظر اس کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

> شروع شروع میں بچے اس کے کمرے میں موقع ملنے پر آجاتے تھے جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو لیکن ہیڈ فون پر اسے انگریزی میں باتیں کرتے سُن کر اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ جاتے تھے یہ زبان ٹیلی وژن پر کارٹون اور دوسری فلمیں دیکھ دیکھ کر ان کے لیے اجنبی نہیں رہی تھی۔ تعجب کی بات یہ نہیں تھی کہ وہ ٹیلی وژن والی زبان میں ان سے بات کرتا ہے بلکہ تعجب کی بات یہ تھی اُدھر سے بھی وہ اسی زبان میں بات کرتے ہوں گے جو یہاں کے بڑے بڑے نہیں کر سکتے تھے۔ (۴۷)

اسی طرح وہ ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ ”اولا نے اپنی الماریوں کو انگلش، فرنچ، جرمن اور سوئیڈش لکھنے والوں سے بھر رکھا تھا۔ Par Marger kvist کی کوئی کتاب ایسی نہیں تھی جو اس کے پاس نہ ہو۔“ (۴۸)

”اپنے گھر میں جیورجیانا بھی گاتی تھی لیکن انگلش گانے“۔ (۴۹)

غرض حسن منظر کے ناولوں میں جہاں بھی موسیقی کی بات ہوتی ہے وہاں انگریزی موسیقی کا ہی ذکر آتا ہے۔ یہ اس دور کی ذہنیت کے عین مطابق انگریزی طور طریقے اپنانے کی علامت ہے۔ ہم رہن سہن، تہذیب، معاشرت، خورد و نوش، اپنے مشاغل، تفریح، اپنے فنون لطیفہ اپنے انداز فکر میں اپنے عربی اور سرپرست غیر ملکی حکمران طبقے سے متاثر اور ان کے اچھے نقال ہیں۔ اس کی مثالیں حسن منظر کے ناولوں میں جابجا ملتی ہیں جو اس عالمگیریت کے تہذیبی و ثقافتی اثرات کا بین ثبوت ہیں۔ حسن منظر کے معاصر ناول نگاروں نے بھی اپنے ناولوں میں عالمگیریت کے ثقافتی اثرات کو پیش کیا ہے کہ کس طرح معاشرہ مغربیت کی طرف راغب ہو رہا ہے اور ثقافتیں معدوم ہوتی نظر آ رہی ہیں۔ اسی طرح عالمگیریت کا اثر مذہب پر بھی پڑھ رہا ہے۔

حسن منظر نے اپنے ناولوں میں جہاں عالمگیریت کے اثرات کا ذکر کیا ہے اسی کے ساتھ ساتھ وہ مغربی تہذیب کی خوبیاں اور خامیاں بھی بیان کرتے ہیں اور مشرق و مغرب کا موازنہ بھی کر رہے ہیں کہ ہم جس تہذیب کے اثرات قبول کر رہے ہیں اس تہذیب و ثقافت کی خامیاں بھی ہیں جن سے منہ نہیں موڑا جا سکتا مثلاً وہ اپنے ناول "انسان اے انسان" میں لکھتے ہیں

> مغرب لوگوں کی ذاتی زندگی میں بے اعتدالی کی بنا پر ڈوب رہا ہے۔ وہاں گھر کچھ نہیں ہے۔ بس شہر اور قریوں کو صاف ستھرا رکھو، لین دین کے کھرے رہو۔ گھر میں رات کو سونے کے لیے لوٹو نہ لوٹو تمھاری مرضی، عصمت عفت تمھارا ذاتی معاملہ ہے۔ (۵۰)

حسن منظر کے ناولوں میں مغربی تہذیب چند مقامات پر اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ ان کے ناولوں میں عالمگیریت کے ثقافتی اثرات کے حوالے سے مواد موجود ہے۔ انہوں نے عالمگیریت کی تہذیب کو عمدہ انداز میں پیش کرتے ہوئے مشرقی تہذیبی روایات کو تضاد کے ذریعے اجاگر کیا ہے۔ ان کے ناولوں میں مشرق اور مغرب کا موازنہ کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ موجودہ دور میں پڑھے لکھے نوجوانوں کے دل اپنے ملک سے بھر چکے ہیں اور وہ اسے محبت کے لائق نہیں سمجھتے ہیں اور یہاں پر رہنا بھی پسند نہیں کرتے ہیں لیکن انہوں نے بتایا ہے کہ وہاں کی زندگی میں تنہائی ہے۔ وہاں کی زندگی مشینی زندگی ہے۔ مشرق و مغرب کا یہ تقابل کرتے ہوئے ناول نگار کا غیر جذباتی انداز اس تقابل کو منطقی انداز میں نمایاں کرتا چلا جاتا ہے۔ وہ عموماً تقابل معروضی انداز میں کرتے ہیں اور دونوں طرز زندگی اور معاشروں کی خوبیاں خامیاں بیان کرتے ہوئے قارئین کو دعوت فکر دے رہے ہیں کہ عالمگیریت جس تہذیب کا غلبہ چاہتی ہے وہ اپنی اصل میں مشرقی تہذیب سے کتنی مختلف ہے لیکن وہ نتیجہ نکالنے میں فی الحال حق بجانب ہیں۔

حسن منظر نے پاکستانی اور امریکی معاشرے کی جھلکیاں پیش کی ہیں جن کا تعلق افراد کے اخلاق و کردار سے ہے اور ان کو پیش کرنے میں ان کا ناقدانہ شعور اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ایک طرف معاشرہ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر ریاکاری کرتا ہے اور ان جرائم کا ارتکاب کرتا ہے جو لادینی معاشروں میں بھی نظر نہیں آتے ہیں۔

عالمگیریت کو اپنے مقاصد کے حصول کی راہ میں کوئی رکاوٹ خواہ وہ مذہبی ہو تہذیبی ہو کلچرل ہو قبول نہیں ہے۔ میڈیا مغربی تہذیب بالخصوص امریکی تہذیب کو خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے تو دور دراز کے ملکوں میں رہنے والے ان مغربیوں سے زیادہ مغرب ہو جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک ثقافت کے اندر زندگی بسر کرنے والوں کے جو عقائد اور رسومات ہوتی ہیں انھیں یہ عالمگیر ثقافت کبھی سمجھ ہی نہیں سکتی۔ امریکی تہذیب و ثقافت، رہن سہن اور ان کی نقالی کو اپنے لیے فخر کا باعث سمجھا جا رہا ہے۔ حسن منظر اس کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''وہ بلئیر د کا لمبا عصا زمین پر ٹیک کر کھڑا ہو گیا اور جیب سے امریکی ڈالر نکال کر مجھے دیتے ہوئے بولا ترقی؟ یہ لو یہ رہی۔'' (۵۱)

موجودہ دور میں ہمارے رہن سہن، کھانے پینے، اخلاق وعادات، زبان، سیر و تفریح کے ذرائع غرض ہر چیز سے عالمگیریت کی جھلک نظر آ رہی ہے لیکن ضرورت ہے کہ ایک ایک انسانی ثقافت ہو جس میں لوگ اپنی شناختوں کو برقرار رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب آجائیں لیکن انگریزی تمدن کے یہ نقال سوچ و فکر سے عاری ہیں ۔زندگی کے ہر ایک پہلو پر عالمگیریت نے اپنا اثر ڈالا ہے حسن منظر ''العاصفہ'' میں لکھتے ہیں۔''اس دنیا میں امریکہ کا اثر اتنا ہے کہ اب ادوار کا اندازہ اس سے لگایا جاتا ہے کہ امریکا کا صدر تب کون تھا ،ترومین، آئزن ہاور، کینیڈی یا جونسن اور اب کون ہے'' (۵۲)

موجودہ دور میں ضروری ہے کہ مصنوعی تہذیبی تبدیلی میں آلہ کار بننے کی بجائے اپنی قومی شناخت کو برقرار رکھا جائے۔ طاقتور ذرائع ابلاغ یورپین اور امریکن طرز زندگی کو فروغ دینے کے لیے ذہن سازی کر رہا ہے خواہ وہ کسی بھی علاقے کا ہو۔ عالمی سطح پر مقامی ثقافتی مظاہر کی جگہ بالادست طبقے کے ثقافتی مظاہر لیتے جا رہے ہیں۔ ہم یورپ کی طرز عمل کی نقالی کرتے ہیں لیکن اپنی تہذیب بھی ہمارے ساتھ پوری طرح جڑی ہونی چاہیے۔ ثقافتی اشتعال کے باعث تہذیبیں ایک دوسرے کے قریب آ رہی ہیں بلکہ ایک دوسرے میں مدغم ہو رہی ہیں جس کی وجہ سے عالمی ثقافت سامنے آ رہی ہے۔ جس میں لباس، خوراک، زبان، رہن سہن، فنون لطیفہ اور ثقافت کے دیگر مظاہر گھل مل گئے ہیں۔ ایسے میں اپنی ثقافت کو برقرار رکھنا نہایت ضروری ہے۔

ہر معاشرہ کی ثقافت اس کے عبادات سے متعلق تصورات پر بھی اثر انداز ہوتی ہے مثلاً اگر اسلامی ثقافت کو دیکھا جائے تو یہ آفاقی اصولوں پر قائم ہے جن پر عمل کر کے مسلمان کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ اسلامی ثقافت ایک نظریاتی ثقافت ہے جب تک یہ اپنے نظریات کے ساتھ وابستہ رہے یہ پوری دنیا پر حکمرانی کرتے رہے لیکن جب انہوں نے اپنے نظریات کے ساتھ وابستگی کمزور دکھائی اور دیگر ثقافتوں کے رنگ میں رنگنا شروع کر دیا تو ان کی ثقافت غالب سے مغلوب ہونا شروع ہوگئی۔ فی زمانہ دنیا میں غالب ثقافت مغرب کی ہے اور مغرب کی ثقافت کا اثر ہمارے طرز عمل پر پڑ رہا ہے۔ مذہب کے خلاف تعصب عالمگیر سطح پر موجودہ دور میں بالخصوص پاکستانی مسلمانوں خلاف موجود ہے۔ ان کے نزدیک مذہب اسلام کی ثقافت کی بنیاد نہیں ہے۔ اکیسویں صدی میں پوری دنیا کے ممالک نے اپنی ثقافت سے روشناس کرانے کے لیے اقدامات کیے ہیں جس میں ثقافتی طائفوں کے تبادلے کے ساتھ نوجوان طلبہ کو وظائف پر اپنے ممالک میں کلچر ایکسچینج پروگرام کے تحت بلایا جا رہا ہے۔ ہزاروں نوجوان طلبہ اپنی تعلیم مکمل کر کے آ چکے ہیں اور ہزاروں مکمل کر کے آ رہے ہی۔ حسن منظر لکھتے ہیں۔

> ان دنوں ایک چھوٹی سی عرب مملکت کے، جو ہمارے مشرق میں ہے، صاحب دولہ کے بارے میں عجیب وغریب خبریں سننے میں آرہی تھیں، اس دولہ کا نام میں نہیں بتاؤں گا۔ اس کی ایک اپنی ہی جنس والی ہستی سے محبت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ اس سے شادی کر کے اس وہی مرتبہ دینا چاہتا تھا جو اس کی ملکہ کا تھا۔ دنیا میں سب ممکن ہے میں نے امریکی فلموں میں دیکھا ہے۔ (۵۳)

ہجرت:

جدید دور میں عالمگیریت کا ایک اہم عنصر ہجرت یا نقل مکانی ہے جو اس دور کے انسان کی زندگی میں کسی نہ کسی صورت میں وارد ہو رہی ہے خواہ یہ جبری ہو، رضاکارانہ ہو، قانونی ہو یا غیر قانونی، خارجی ہو یا ذہنی، نقل مکانی کا یہ سلسلہ شروع میں جب دنیا اس طرح سے متمدن نہیں تھی تب سے جاری وساری ہے اور آج

بھی اپنی روایات پر قائم ہے۔ انسان وقت کے دھارے میں بہتا جارہا ہے۔ اس سفر میں اس نے کسی نہ کسی وجہ سے اپنی تہذیب کو بھی چھوڑا۔

آج نقل مکانی یا جلاوطنی کے انسانی نفسیات پر جتنے اثرات مرتب ہورہے ہیں وہ ماضی میں اتنے گہرے، دورس اور نفسیاتی نہ تھے۔ ادب میں اس تخلیقی تجربے نے گہرائی کے احساسات کو نہ صرف مضبوط بنیادوں پر پیش کیا بلکہ ادب میں ہجرت کا تجربہ ہمیشہ تخلیقی سطح پر بڑا بارآور اور زرخیز رہا ہے۔ آج کے دور کی بڑھتی ہوئی مادیت پرستی نے جس طرح مصنوعی سطح پر اشیاء کے مفہوم کو بدلنا شروع کیا ہے۔ اسی طرح انسان کی شعوری جذباتی وابستگیوں، دل بستگیوں کے مفہوم میں بھی تبدیلی ہو رہی ہے۔

جدید دور کی سائنسی اور مادی ترقی کی دوڑ نے انسان کی ارضی لگاؤ کی بشری کمزوری کو ایک اور نئی جہت سے روشناس کرایا ہے جہاں اخلاق، مذہب، اعلیٰ انسانی اقدار، اوصاف وصفات ختم ہوتی جارہی ہیں اور اس کی جگہ عالمگیریت یا مادیت پرستی نے لے لی ہے۔ دور حاضر میں انسان مادیت پرستی کا شکار ہو رہا ہے۔ مادیت پرستی کا یہ رویہ نہ صرف فرد بلکہ حیات وہ تمام اقدار جن کا تعلق اخلاق اور مثبت عمل سے ہوتا ہے آہستہ آہستہ ختم ہوتی جارہی ہے۔ فرد پہلے سے زیادہ اکیلا اور مادی خواہشات کے حصول کی مشین بنتا جارہا ہے۔ جوں جوں دنیا گلوبل ویلج بنتی جارہی ہے فرد کے احساس تنہائی کو مقابلتاً گہرا کرتی جارہی ہے۔ اس سے کلچر اور زبان میں بھی تبدیلی آرہی ہے۔ اس عالمگیریت کے دور میں انسان نے اپنی فطری کمزوری، اپنی شناخت کا بنیادی حوالہ وطن یا ارضیت و سماجیت سے دستبرداری کو قبول کر لیا ہے۔ آج کے دور میں انسان خصوصاً تیسری دنیا کے ممالک وطنیت کے اس روایتی تصورات سے آہستہ آہستہ آزاد ہو رہے ہیں۔

ہجرت اس وقت ہوتی ہے جب ایک معاشرتی گروہ اپنی معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لیے دوسری جگہ جاتا ہے۔ ایک مختلف معاشرتی، سیاسی اور معاشی ماحول میں وہ اپنی زندگی کو بہتر بنانا چاہتا ہے۔ اسی طرح ہجرت کا حوالہ کمپیوٹر کا ہے۔

> کسی دوسری قسم کی ہجرت کا حوالہ دینا ممکن ہے جو کمپوزنگ میں ہوتا ہے۔ ہجرت کو وہ عمل کہتے ہیں جس کے ذریعے ایک کمپیوٹر یا سسٹم سے پروگرام اور معلومات دوسرے کمپیوٹر میں منتقل کی جاتی ہے۔ (۵۴)

ہجرت اور عالمگیریت کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ عالمگیریت اور ہجرت کے باعث نہ صرف ثقافتی پہلوؤں میں زیادہ سے زیادہ تنوع پیدا ہوتا ہے بلکہ معاشی پہلوؤں میں بھی مدد ملتی ہے۔ اس حوالے سے بینا گوئندی لکھتی ہیں۔

> تاریخ نے یہ ثابت کر دیا کہ انسانی معاشی ترقی کی بنیاد پر معاشروں کو ترتیب نہیں دے سکتا کیونکہ جب ایک شخص یا قبیلہ ہجرت کرتا ہے تو اس کا پورا باطنی اور بیرونی ماحول اس کے ساتھ منتقل ہو جاتا ہے۔ (۵۵)

بڑھتی ہوئی نقل مکانی عالمگیریت کے نمایاں پہلوؤں میں سے ایک ہے۔ لوگوں کی بڑھتی ہوئی تعداد بہتر روزگار اور بہتر طرز زندگی کی تلاش میں ملکوں کے اندر اور باہر منتقل ہوتی ہے اگرچہ عام طور پر ہجرت کو پریشانی کے طور پر دیکھا جاتا ہے کہ کسی پریشانی کی وجہ سے ہی ہجرت کی جاتی ہے لیکن یہ ترقی اور معیشت کی مضبوطی میں بھی حصہ ڈالتی ہے۔ عالمگیریت ہجرت کا سبب بنتی ہے اور ہجرت سماجی و اقتصادی تعلقات میں معاون ہے لیکن ان تعلقات نے در حقیقت لاکھوں لوگوں کی بے گھر کر دیا ہے۔

عالمگیریت کے باعث ہجرت کے رجحانات بڑھتے جا رہے ہیں۔ جس طرح میڈیا کے اثرات بڑھ رہے ہیں اور ہماری ثقافت، رہن سہن، لباس میں تبدیلیاں آ رہی ہیں اسی طرح نقل مکانی بھی ایک نیٹ ورک کے طور پر کام کرتی ہے۔ عالمگیریت کی وجہ سے نقل مکانی کا رجحان بڑھ گیا ہے اور اس کی وجہ سے عالمگیریت کے عمل کو مہمیز ہوئی ہے۔ نقل مکانی نے انسانی معاشروں کو قریب لانے اور عالمگیریت کے عمل کو تیز کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ Deshesa Gullermode la کے بقول

> Migration is an important component of globalization, and it has historically been the quickest and most direct way to reduce inequalities between countries.(۵۷)

ترک وطن یا ہجرت کا ایک پہلو یہ ہوتا ہے کہ مہاجرین یا تارکین وطن جس ملک جاتے ہیں وہاں کا کلچر اپنانے کے باوجود اپنی جڑوں سے بھی وابستہ رہتے ہیں۔ برصغیر پاک وہند کا یہ خطہ ہجرت اور حملہ آوروں کی تاریخ کے حوالے سے خاصہ زرخیز رہا ہے۔ انیسویں صدی میں اس خطے نے اپنی تاریخ کی ہولناک ترین ہجرت کا تماشا کیا۔ جس نے اپنے جلو میں فسادات سے لاکھوں انسانوں کے خون سے خراج وصول کیا۔ کلچر اور زبان میں تبدیلی ناگزیر ہو جاتی ہے جب ان کا واسطہ ایک مختلف کلچر اور زبان سے پڑتا ہے۔ جدید دور میں ہجرت ایک ایسے کلچر کو فروغ دے رہی ہے جس میں میزبان کلچر اور مہاجریت ایک دوسرے سے زبان اور کلچر کے نئے مباحث اور تناظرات پر مکالمہ کرتے نظر آتے ہیں۔

Our capacity to live with differences in the Question of 21st Century.(۵۸)

ہجرت نے سیاسی، سماجی، معاشرت اور مذہبی حوالے سے مختلف اثرات مرتب کیے ہیں وہاں ہجرت کے تجربات اور ہجرت کی واردارت شعر وادب کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ نقل مکانی کے باعث نہ صرف اشیاء کا تبادلہ ہوتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ثقافت پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دیگر لوگوں کی طرح ادیب بھی ہجرت کرتے ہیں اور پھر ہجرت کی واردات کو اپنی اصناف میں بیان کرتے ہیں۔

مہاجرت کا ایک پہلو یہ ہوتا ہے کہ تارکین وطن اپنے میزبان ملکوں کا نیا کلچر اپنانے کے ساتھ اپنی جڑوں سے وابستہ رہنا چاہتے ہیں۔ وہ کسی سیاسی، معاشی یا معاشرتی دباؤ کے تحت جدا کر دیے جاتے ہیں لہذا وہ اپنے احساس مہاجریت کے ساتھ کسی اجنبی دیس میں ، اجنبی لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کسی طور پر وہ میزبان دیس میں اپنی جڑیں پیوست نہیں کرنا چاہتے ہیں۔ وطن اور ماضی کی یادوں کو

وہ نہیں بھولتے ہیں اور اپنے ملک کی ترقی کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ نئی شناخت کے ساتھ اپنی اصل شناخت کو بھی نہیں بھولتے ہیں۔ اس طرح وہ دوسرے ملک میں رہتے ہوئے اپنی تہذیب کے نمائندے بھی بن جاتے ہیں اور دوسری طرف یہ جب اپنے آبائی ممالک میں واپس جاتے ہیں تو میزبان ملک کی بہت سی روایات اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اس طرح ثقافتوں کا تبادلہ ہوتا ہے اور لباس، خوراک، رہن سہن اور فنون لطیفہ کے دیگر مظاہر اتنے گھل مل جاتے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہی ثقافت ہے۔

اس عالمی ثقافت پر ان ممالک جن کو عصر حاضر میں سیاسی اور سائنسی برتری حاصل ہے ان کا قبضہ ہے۔ اس طرح یہ عمل انفرادی، ملکی اور بین الاقوامی ثقافت سے ہوتا ہوا بحیثیت مجموعی انسانی ثقافت تک پہنچتا ہے۔ اس صورتحال کی عکاسی ناول نگاروں نے اپنے ناولوں میں کی ہے۔ ہجرت خواہ جبری ہو، خواہ لوازمات زندگی کے بہتر حصول کے پیش نظر، نئی جگہ اقدار و روایات، تہذیب و ثقافت اور زبان کو بھی ساتھ لاتی ہے۔ لہٰذا گزرا ہوا ماضی، اس کی یادیں، تہذیب و ثقافت، گزشتہ طرز زندگی کو بھی دروازے کے باہر چھوڑنا پڑتا ہے اور آگے بڑھ کر زندگی کے موجودہ چیلنجز کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حسن منظر کا ناول "دھنی بخش کے بیٹے" میں اس صورتحال کی عکاسی کی گئی ہے۔ احمد بخش اپنے معاشرے کے حالات سے تنگ آکر اپنا ملک چھوڑ کر امریکہ چلا جاتا ہے۔ شروع میں جا کر وہ ماحول اسے اجنبی محسوس کرتا ہے اور واپس آنے کی خواہش کرتا ہے لیکن آہستہ آہستہ وہ اسی تہذیب و ثقافت کو اپنا لیتا ہے۔ حسن منظر نے اس میں سندھ کی ثقافت کے ساتھ ساتھ امریکا کی ثقافت کو بھی بیان کیا ہے۔

احمد بخش امریکا کے کالج میں اپنے طلباء کو اپنے کلچر کے بارے میں بتاتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنی بیوی اور بچوں کو بھی اپنی ثقافت کے بارے میں بتاتا رہتا ہے۔ اس کے طلباء کے لیے یہ بہت دلچسپ موضوع تھا۔ وہ اس سے اس کے ماحول کے بارے میں ہر بات تفصیل سے دریافت کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں "طلاق کو روکنے والا وہاں پورا کنبہ اور گاؤں ہوتا ہے اور شوہر جانتا ہے کہ ان کی بات کو ٹھکرا کر کہاں جائے گا رہنا انہی میں ہے۔ پھر اگلی بات کہتے ہوئے احمد بخش ہچکچایا۔ اگر لڑکی شادی کر کے کسی دوسرے شہر یا ملک جاتی ہے اور وہاں شادی ناکام ہو جائے تو وہ واپس اپنے ملک لوٹ آتی ہے۔ What is mica? طلبہ نے سوال کیا۔ پھر اس طرح وہ

اپنے رہن سہن کے بارے میں بتاتے ہیں۔ ”وہاں بوڑھے اگر ان کی اولاد نہ ہو یا چل بسی ہو تو بھی وہیں رہتے ہیں جہاں ہمیشہ سے رہتے آئے ہیں۔ انھیں بوڑھوں کے گھر Old People Home نہیں بھیج دیا جاتا۔“ (۶۱)

حسن منظر کے ناول میں ہجرت نہ تو تہذیبی زوال کی صورت میں نظر آتی ہے اور نہ ہی وہ اسے ماضی کا نوحہ بناتے ہیں بلکہ ان کے ہاں اس بکھراؤ کا احساس تجزیاتی سطح پر نظر آتا ہے۔ ان کا وسیع مطالعہ، بالغ نظری انسانی فہم انھیں مختلف اقوام کے یہاں موجود جلاوطنی کے طرز احساسات کا نبض شناس بناتے ہیں حسن منظر کے ہاں احساس مہاجرت یا جلاوطنی ثقافتی پس منظر، مخصوص خط زمین، زبان، مشترکہ تعداد اور کسی ایک معاشرے سے کٹ جانے کے احساس زباں سے نہیں ابھرتا بلکہ وہ اس روشن یا طرز عمل کا اعادہ عالمگیریت کے تناظر میں کرتے ہیں۔ وہ وقت کے اس بدلاؤ کو مثبت یا منفی نظریوں میں بانٹنے کی بجائے اسے آج کے انسان پر دور حاضر کے ناگزیر مطالبہ کی شکل میں دیتے ہیں۔

حسن منظر نے اپنے ناول ”دھنی بخش کے بیٹے“ میں مشرقی تہذیب کی جھلکیاں بار بار دکھائی ہیں۔ وہ احمد بخش کے کردار کے ذریعے جو اپنا ملک چھوڑ کر امریکا چلا جاتا ہے وہاں جا کر اپنی تہذیب و ثقافت کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی طرح جو تارکین وطن ہجرت کر کے دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں وہ وہاں جا کر اپنی ثقافت کے نمائندہ بن جاتے ہیں۔ وہ وہاں کی تہذیب کو بھی اپناتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی تہذیب و ثقافت کو بھی پیش کرتے ہیں اور پھر ساتھ ساتھ امریکی تہذیب و ثقافت کو بھی پیش کرتے ہیں۔ وہاں کے رہن سہن، لباس، معاشرت، اخلاق کے بارے میں بھی معلومات دیتے ہیں کیونکہ جب ایک شخص یا قبیلہ ہجرت کرتا ہے تو صرف وہ شخص یا قبیلہ ہی ہجرت نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ اس کا پورا باطنی اور بیرونی ماحول بھی دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے مثلاً حسن منظر کے ناول ”العاصفہ“ میں انہوں نے عرب کلچر کے بارے میں بتایا ہے کہ عرب میں جب امریکہ والے آئے تو عربوں نے کس طرح ان کے کلچر کو اپنا لیا اور لباس، رہن سہن، کھانے پینے کے عادات و اطوار بدل گئیں۔

دنیا میں انسان کے ظہور کے ساتھ ہی نقل مکانی کا وجود بھی ہوا۔ جوں جوں انسان کی ضرورتیں بڑھیں انسان نے اپنے بہتر مستقبل کے لیے نقل مکانی شروع کر دی۔ عالمگیریت کے دور میں انسان ترقی یافتہ

ممالک میں رہنے کا خواہش مند ہے کیونکہ وہ اپنے معیار زندگی کو بلند کرنا چاہتا ہے اس لیے وہ اپنے آبائی ملک خوشی سے چھوڑ دیتے ہیں۔

> آسیہ کو وہ جگہ چھوڑنے کی خوشی تھی۔ پیدا وہ بھی میری طرح۔۔ ایک باقاعدہ شہر میں ہوئی تھی لیکن اس میں بڑے شہروں میں بسنے والی روح ہے۔ ہماری رخصتی پر ہمارے اعزاز میں دی ہوئی پارٹیاں یکے بعد دیگرے ختم ہو گئی تھیں۔ جن میں چائے دیکھنے میں نہیں آئی تھی ہر جگہ وسکی اور بیئر انڈیلی گئی تھی۔ (۶۲)

اس کے علاوہ ایک ہجرت ایسے لوگوں کی ہے جو روزگار کے لیے بڑے شہروں کا رخ کرتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ دور دراز کے ملکوں میں روزگار کا نہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ غربت، تعلیم، صحت، تفریحی سہولیات کی عدم دستیابی بھی ہے۔ ہجرت کے بڑھتے ہوئے رجحان کے باعث تارکین وطن کی طرف سے بھیجی جانے والی رقوم سے ترقی پذیر ممالک نے اقتصادی طور پر فائدہ اٹھایا ہے اور لوگوں کے مالی حالات کو بہتر بنانے میں مدد کی۔ عالمگیریت ہی کی وجہ سے بڑے پیمانے پر ہجرت ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ روزگار کی تلاش بھی ایک اہم وجہ ہے۔ اس کے علاوہ معاشرے کے دیگر مسائل جو انسان کو ہجرت کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

> گھر سے دور ہونے کی وجہ سے گھر کی تمام فکروں سے بھی دور تھا۔ میں چاہتا تو پینا بھی شروع کر سکتا تھا کیونکہ شراب کی قیمت ادا کر سکتا تھا۔ تین سال بعد جب میری تنخواہ ساٹھ درہم تھی میں نے ماں کو بیس درہم بھیجے اور پھر یہ سلسلہ قائم ہو گیا۔ میں ماں کو بیس درہم بھیجتا رہا۔ (۶۳)

> کے پہنچنے کے تین ماہ بعد مجھے اطلاع ملی کہ لوءلوء ایک برطانوی جزیرے میں جا چکی ہے اور مجھے یہ پہلے سے معلوم تھا کہ وہاں اور بھی بہت سی اس جیسی بغیر باپ بھائیوں کے رہتی ہیں اور ان کے شوہر بھی نہیں ہوتے۔ (۶۴)

بہتر مستقبل کی تلاش میں دوسری ملکوں یا علاقوں کی طرف ہجرت بہت سے مسائل کو بھی جنم دے رہی ہیں۔ مثلاً بیروزگاری، لاقانونیت، آلودگی، ٹریفک کے مسائل اور دہشت گردی قابل ذکر ہیں۔ نقل

مکانی ایک بڑا مسئلہ بھی ہے اگر اس کو روکا نہ گیا تو مستقبل بڑے شہروں میں اور مسائل کا سامنا ہو سکتا ہے کیونکہ نقل مکانی کے باعث تہذیب و تمدن سے میں تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ ہم ہجرت اس لیے بھی کر رہے ہیں کہ اپنے علاقوں کو اپنے شایان شان نہیں سمجھتے۔ یہ عالمگیریت کا ہی اثر ہے کہ ہم دیکھا دیکھی اپنی ثقافت کو چھوڑ رہے ہیں۔

وہ بلئیرد کا لمبا عصا زمین پر ٹیک کر کھڑا ہو گیا اور جیب سے امریکی ڈالر نکال کر مجھے دیتے ہوئے بولا ترقی؟ یہ لو یہ رہی۔

حسن منظر کا شعور ان کے کرداروں کی نسبت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ وہ تمام تر زمینی حقائق سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ ان کے مہاجر کردار اپنے وطن میں مشنری بن کر رہنے کے خواب دیکھنے کے باوجود میزبان ملک کے کلچر اور زبان کا بغور مطالعہ کرتے ہیں۔ رد و قبول کے عمل سے بھی گزرتے ہیں اور معاصر زندگی کے عین مطابق جو رویہ ہو اس کو پیش کرنے کی جرأت کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔ ان کا وسیع مطالعہ اور فطرت انسان سے واقفیت انھیں دیگر اقوام کے یہاں سرزمین سے جڑی حساسیت کے ادراک اور اظہار میں مدد دیتی ہے۔ حسن منظر کے ناولوں کے کردار آج کے زمانے کے باشعور کردار ہیں ان کے لیے اپنی اولاد کی بہتر اور محفوظ زندگی جذباتی وابستگیوں سے کہیں زیادہ معنی رکھتی ہے۔ حسن منظر نے بتایا کہ روزگار کی تلاش میں ہجرت کرنے والوں میں اضافے کی وجہ صرف غریب اور ناخواندہ افراد ہی نہیں بلکہ اعلیٰ تربیت یافتہ اور تعلیم یافتہ لوگ بھی ہجرت کر کے دوسرے ملکوں میں جا رہے ہیں۔

> موجودہ دور میں جب پڑھے لکھوں کے دل اپنے ملک سے بھر چکے ہیں اور وہ محبت کرنے کے لائق کچھ زیادہ نہیں تو اپنے ملک سے محبت برقرار رکھنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس سے دور رہا جائے۔ [۶۵]

امریکا جدید عالمگیریت کی پیداوار ہے اس نے دنیا کے ملاپ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انیسویں صدی میں ساٹھ ملین لوگوں نے اپنے گھر بار چھوڑ کر امریکہ ہجرت کی۔ تارکین وطن امیر ترین قوم کی تعمیر کی اور دنیا

میں عالمگیریت کے معمار کے طور پر سامنے آئے لیکن عالمگیریت کے جہاں فائدے ہیں وہاں اس کے نقصانات بھی ہیں۔ اس کے علاوہ ہجرت کے اقتصادی حوالے سے بھی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ بڑے شہروں میں آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ روز گار کے مواقع ختم ہو رہے ہیں۔ بنیادی ضرورتیں پوری کرنے میں مسئلہ ہو گا۔

> میاں بھائی دنیا میری طرح کی disgruntled (نامطمئن) روحوں سے بھری پڑی ہے۔ جنہیں ان کے ملکوں میں حکومت کی انگلیاں مسل رہی ہے۔ اگر ان سب سے انسانی ہمدردی میں موسکو کہتا پھرے آ، آمیرے کان میں گھس تو وہاں کی اپنی آبادی کدھر جائے گی۔[۶۶]

اس کے علاوہ مذہبی نوعیت کے مسائل بھی ہجرت کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں۔ مختلف مذاہب کے لوگ جب اکٹھے رہتے ہیں تو حلال و حرام اشیاء اس کے ساتھ ساتھ اسلامی ممالک پر جب مغربی تہذیب و ثقافت کا اثر ہوتا ہے تو ہمارے لباس، رہن سہن، کھانے پینے غرض ہر چیز میں تبدیلی آتی ہے جو کہ اسلام کے منافی بھی ہے۔ اس کے علاوہ آبادی میں اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ عالمگیریت اور ہجرت کا آپس میں گہرا تعلق ہے لیکن اس کے باعث مختلف مسائل جنم لے رہے ہیں۔ خصوصاً ہجرت کے نتیجے میں مقامی ثقافتوں پر اثر پڑ رہا ہے۔ عالمگیریت کے پیش روؤں کے نزدیک یہ سب سے اہم ہے کہ تہذیب و ثقافت کو ختم کیا جائے کیونکہ تہذیب و ثقافت کے ختم ہونے سے شناخت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ادب کی جو بھی جہت ہو وہ انسانی زندگی کے تنوع، تغیر اور آنے والے وقت کی کروٹوں کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ اس لیے عالمگیریت کے دور میں بھی ادب کے سنجیدہ قارئین اور لکھاریوں کو سمجھنا ہو گا کہ ادب میں وہ جس اقدار کو فروغ دے رہے ہیں وہ اس عالمگیری دور میں فرد کی بہتری اور اس کے ترقی پذیر شعور کے لیے کسی قدر مثبت یا مؤثر کردار ادا کر رہی ہیں۔ ایک طرف وہ ادیب ہیں جو پرانی تہذیب کا نوحہ بیان کر رہے ہیں وہ اقدار کے خاتمے کو بیان کر رہے ہیں۔ عالمگیریت کے مسائل کو بیان کر رہے ہیں تو دوسری طرف وہ ادیب ہیں جو مثبت رویے، مثبت سوچ، اور اقدار پر مبنی تصورات سے فرد کی تہذیب کر رہے ہیں۔ موجودہ دور میں مختلف سماجوں

اور کلچر کا تضاد اپنی جگہ لیکن آج کا دور ماضی سے چمٹنے کے بجائے حال کا ماضی سے تقابل اور مستقبل کی منصوبہ بندی کا دور ہے۔ فرد کیلئے زندگی متحرک اور مختلف النوع افراد سے معاملہ کرنے کا دوسرا نام ہے۔لہذا آج کے دور میں ادیبوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس لباس انگیزی سے نکل کر جو مسافرت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے عملی تصورات سے مزین کرنا چاہیے۔ حسن منظر کا شمار بھی ایسے ادیبوں میں ہوتا ہے جو ماضی کا نوحہ نہیں بیان کرتے ہیں۔

عالمگیریت نے جس طرح فکر پر اثرات مرتب کیے ہیں وہاں فنی حوالے سے بھی اس کے اثرات موجود ہیں۔ ادب کی تشکیل کے پس منظر میں سماج کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ روایت، سیاسی، ثقافتی، تہذیبی تقاضوں کے ملاپ سے ایک نیا عہد جنم لیتا ہے۔ تبدیلی کے اس عمل میں فطری انداز موجود رہے۔ رفتہ رفتہ پرانے سماج کی جگہ نیا سماج وجود میں آجاتا ہے اور نئے سماج کے اسباب و محرکات پرانے سماج سے الگ نوعیت کے ہوتے ہیں۔ بدلتے وقت کے ساتھ ادب میں بھی نئے رجحانات اور تحریکوں کے اثرات واضح طور پر سامنے آئے ہیں۔ ہمارے ادباء نے مغربی تحریکوں کا اثر شدت سے قبول کیا۔ انہوں نے ان تحریکوں کے زیر اثر سیاسی، سماجی اور معاشی خرابیوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔ جدید ادب سے استفادہ کرتے ہوئے ناول نگاروں نے پلاٹ سازی، کرداری نگاری اور مکالمہ نگاری میں جدید تکنیک کا استعمال کیا۔ جدید دور میں ناول نگاروں نے جدید مغربی تحریکات کو پیش کرنے کے لیے اپنے سماج سے مواد حاصل کر کے اردو ادب کو نیا راستہ فراہم کیا۔ ناول نگاروں نے سماجی اور ثقافتی اقدار کا گہرا مطالعہ کیا اور معاشرتی کرداروں کے پس پردہ چھپے ہوئے محرکات اور رجحانات کو اجاگر کیا۔ ادب میں ہئیت اور تکنیک کے تجربات دنیا کی ہر زبان میں ہوتے رہے ہیں۔ ان تجربات کا سلسلہ مغرب میں طویل عرصے سے جاری ہے لیکن گزشتہ صدی کے دوران اس عمل میں بہت تیزی آئی ہے۔

ادب کے عالمگیر تناظر میں یہی اثرات ہمارے اردو ادیبوں نے بھی قبول کیے ہیں۔ عالمگیریت نے جہاں فکری سطح پر اردو ادب کو متاثر کیا ہے اور جدید تر طرز احساس اور نئے نئے موضوعات سے روشناس کروایا ہے وہیں اس کے نئے نثری پیکر، اصناف اظہار، ادبی تکنیکیں اور زبان و بیان کے دیگر فنی لوازم بھی عطا کیے ہیں۔ اردو

زبان میں دیگر زبانوں کے الفاظ کے ورود کا سلسلہ بہت پرانا ہے لیکن یہ عمل اب عالمگیریت کی وجہ سے بہت تیز ہو گیا ہے۔ عالمگیریت کے باعث اب دیگر زبانوں کے ادب تک رسائی با آسانی ہو جاتی ہے اور یہ ادب اب اردو زبان و ادب پر بھی اپنے اثرات مرتب کر رہا ہے۔ اردو زبان پہلے عربی فارسی سے الفاظ و تراکیب مستعار لیتی تھی لیکن اب یہ اخذ و قبول کا سلسلہ مختلف براعظموں تک پھیل گیا ہے۔ اردو میں بالخصوص یورپی زبانوں کے الفاظ، تراکیب اور اصطلاحات بہت تیزی اور بڑی مقدار میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ تنقیدی مباحث اور نئے نئے نظریات بھی امریکہ اور یورپ سے درآمد ہوتے ہیں۔ ہمارے ناولوں پر یورپی اور امریکی ناولوں کے اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور ناول نگاروں نے نئی تکنیک، ہیئت، جدید اسلوب اور دیگر فنی لوازم کو اپنی تحریروں کا حصہ بنایا ہے جس کی وجہ سے اردو کے جدید ناولوں میں عالمگیریت کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ممتاز احمد خان لکھتے ہیں

> کچھ تو خارجی حالات اور کچھ یورپی اور امریکی ناول کی یلغار نے جہاں ہمارے ناول کو ہیئیتی، تکنیکی اسلوبیاتی انتشار سے دوچار کیا وہاں اس کو ترتیب و تنظیم اور فنی سلیقے سے بھی آراستہ کیا۔(۶۷)

جدید ناول نگاروں نے پلاٹ، کرداروں اور مکالموں میں جدید تکنیک کا استعمال کیا ہے۔ عالمگیریت کے باعث ادب میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں نے اردو ناول کے کرداروں اور مزاج کو بدل دیا ہے۔ ناول اپنا مواد سماج اور زندگی سے لیتا ہے۔ زندگی کی اقدار میں تبدیلی ادب میں تبدیلی کا باعث بنتی ہیں۔ موجودہ دور میں جب سیاسی، سماجی اور ثقافتی سطح پر تبدیلی رونما ہو رہی ہے تو ادب میں بھی تبدیلی فکری و فنی دونوں حوالوں سے آ رہی ہے۔ جدید عہد کے ناول نگاروں نے جدید تکنیکوں کے استعمال سے سماجی، معاشرتی اور تہذیبی رویوں کی بڑی خوب صورتی سے عکاسی کی ہے۔

ایک تخلیق کار بالخصوص فکشن لکھنے والے کے نظریات کی ترجمانی کے لیے ان کی کہانیوں میں موجود کردار، اظہار کا بہترین ذریعہ ہوتے ہیں۔ داستانوں کے برعکس ناول کے کردار حقیقی زندگی سے مستعار، جیتے جاگتے انسان کا روپ دھار کے، نفسیات، روزمرہ معمولات زندگی کے حقیقی ترجمان ہوتے ہیں۔ موجودہ دور کا

ادیب ان تمام حربوں سے آشنا ہے جن کی بناء پر وہ انسانی معاشرت اور ان سے وابستہ رویوں اور رجحانات کی وضاحت اپنے ناولوں کے منتخب کردہ کرداروں کی بدولت نفسیاتی حوالوں سے کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ان احساسات اور توقعات کو بھی اجاگر کرتا ہے جن کا براہ راست تعلق انسانی زندگی سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے موجودہ کردار فطری اور حقیقی ہونے کے باوصف رحمان اور شیطان کے بیچ بشریت کے عہدے پر براجمان ہوتے ہیں۔ ناول میں کردار کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

حسن منظر ہر طبقے اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والوں کو اپنے ناولوں کا حصہ بناتے ہیں۔ وہ مسلمان کرداروں کے ساتھ دیگر مذاہب کے کرداروں کو بھی بیان کرتے ہیں اور ماحول کی عکاسی کرتے ہیں۔ مثلاً ان کے ناولوں میں "بیر شیبا کی لڑکی اور ماں بیٹی" میں جو کردار پیش کیے ہیں وہ عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس ناول کا مرکزی کردار ربیکا کا ہے جو کہ ایک یہودی لڑکی ہے۔ اس کردار کے ذریعے حسن منظر نے یہودی قوم کے طرز احساس کو بڑی بے باکی اور جرأت سے بیان کیا ہے۔ عالمگیریت کے باعث ہی دوسرے مذاہب دوسری اقوام کے بارے میں معلومات حاصل کرنا آسان ہو گیا ہے اور جس باریک بینی سے یہودیوں کے احساسات کو حسن منظر نے بیان کیا ہے وہ ان کے مشاہدے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

> اس دم یہ ربیکا کے لوگوں کا ملک تھا اور وہ اس کے حاکم تھے لیکن اس وقت وہ کوئی ان سے بھی زیادہ طاقتور چیز ان پر حکمرانی کر رہی تھی۔ خوف اور ایک دوسرے پر بھروسے کی کمی انہیں ہر دم خود کو یقین دلانا پڑتا کہ وہ یہاں کے تھے۔ یہاں سے کبھی رخصت نہ ہونے کے لیے کیوں بس زمین کے اتنے ٹکڑے کا ہی کیوں۔ خود کو ساری زمین کا نہیں سمجھ سکتے تھے؟ جس طرح دنیا میں بکھرے ہوئے یہودی زمین کو اس چھوٹے سے ٹکڑے میں کھینچ بلائے لائے گئے تھے اور اس میں سمانے کی کوشش کر رہے تھے۔ میرے تصور سے باہر تھا۔ میں نے ان دنوں میں اسرائیلیوں کو ان یہودیوں پر شک کرتے سنا اور دیکھا تھا جو اس ارض موعودہ میں چند دن آکر ٹھہرتے تھے۔ یہاں کے دیکھنے والے مقامات دیکھتے تھے اور پھر

امریکا جانے والے ہوائی جہاز میں یہاں کی نشانیاں لے کر سوار ہو جاتے تھے۔ جو یہودی گورے نہ تھے زندگی سے بیزار نظر آتے تھے۔ (۶۸)

ربیکا کے علاوہ اس ناول کے دوسرے کرداروں میں کلیرس اور جیور جیانا کے کردار شامل ہیں۔ یہ دونوں کردار عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ حسن منظر نے ان کرداروں کے ذریعے موجودہ دور جو عالمگیریت کا دور ہے اس کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔ ان کے یہ کردار اجنبی سماج یا کلچر میں چیزوں کو اضداد کے حوالے سے دیکھنے کے بعد جدیدی رویہ کو اپناتے ہیں۔

ان کے دوسرے ناول " انسان اے انسان" کا مرکزی کردار تلمیذ الرحمٰن ہے۔ یہ کردار دراصل ابن آدم کا استعارہ ہے یہ ایک عام انسان ہے اور اس کی سوچ حقیقت کی عکاس ہے۔ یہ کردار اپنی ہمہ گیریت کے باعث تاریخی اور جغرافیائی پابندیوں سے آزاد ہے۔ اس طرح حسن منظر نے اس ناول میں عورت کے کردار کو منفی روپ میں نہیں پیش کیا بلکہ وہ اس کو مثبت انداز میں پیش کرتے ہیں جو فلم انڈسٹری میں کام کرتی ہے لیکن وہ وفا شعار بیوی بھی ہے۔ وہ خالصتاً مشرقی عورت ہے۔

اس طرح وہ اپنے ناول " دھنی بخش کے بیٹے" میں جو کردار پیش کرتے ہیں وہ مختلف ممالک کی ثقافتوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ احمد بخش جو اس ناول کا مرکزی کردار ہے اس کے ذریعے انہوں نے سندھ کی ثقافت کو پیش کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ امریکہ کی ثقافت کی عکاسی کے لیے انہوں نے اولا کے کردار کو پیش کیا ہے۔ اُولا جو کہ امریکی عورت ہے اس کے ذریعے حسن منظر نے عالمگیر ثقافت یعنی امریکہ کی ثقافت کو بیان کیا ہے۔ اسی طرح دھنی بخش کے بیٹے میں جب کرداروں کے درمیان مکالمہ ہوتا ہے تو وہ راویانہ انتقال ہوتا ہے۔ ہمہ دان راوی کرداروں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ مکالمے طویل بھی ہو سکتے ہیں اور انتہائی مختصر بھی مثلاً اُولا اور احمد بخش کے درمیان ایک مکالمہ کچھ اس طرح ہے۔

ہماری روح کو یہاں سکون نہیں ہے

اور اگر میں کہوں کہ ہماری زندگی کو بھی نہیں ہے

تو وہ غلط ہو گا

اپنی بات کی دلیل دو

یہ جو تم سدا سوئیڈس ناول پڑھتی رہتی ہو یہ کوئی چھوٹی دلیل ہے

میں تو فرنچ اور جرمن ناول بھی پڑھتی ہوں (۶۹)

ان دونوں کی بحث میں ایک تو انتقال واقع ہوتا ہے۔ راوی راوی نہیں رہتا بلکہ کردار میں تبدیل ہو جاتا ہے جو بیانیے سے وابستہ ہے۔ اولا اور احمد بخش اور راوی کردار کے نقطہ نظر کے اندر بھی دونوں کرداروں کے درمیان ایک انتقال ہوتا ہے۔ یعنی اولا سے احمد بخش کی طرف اس کے بعد کہانی فوراً ہمہ دان راوی کی طرف لوٹ آتی ہے۔ مثلاً

لے گئے

کیسے

کتوں کو

کون

منسی پالٹی (میونسپلٹی) والے اپنی گاڑی میں (۷۰)

جہاں تک حسن منظر کے ناولوں کے اسلوب اور زبان و بیان کا تعلق ہے تو حسن منظر کے ہاں اردو زبان میں ہندی اور انگریزی الفاظ کی چاشنی کے ساتھ ساتھ دلچسپ محاروں کا چٹخارہ بھی موجود ہے۔ حسن منظر کے اسلوب میں انگریزی اور اردو کا امتزاج روایتی طریقے سے ہٹ کر ایک منفرد تبدیلی ہے جس سے عام قاری بھی پڑھ کر لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ جدید اردو فکشن میں زبان کے حوالے سے جو تجربات ہو رہے ہیں اس کے نتیجے میں مخلوط زبان سامنے آرہی ہے جس میں دیگر زبانوں کے الفاظ بھی کثرت سے شامل ہیں۔ اس لیے کہ ہماری روزمرہ بول چال کی زبان بھی تو عالمگیر معاشرے کی تشکیل کی کوشش میں بہت حد تک مخلوط

ہو گئی ہے۔ اردو ناول میں کہیں تو ہمارے ادیبوں کا رجحان اردو میں بین الاقوامی زبانوں مثلاً انگریزی وغیرہ کے الفاظ کی طرف ہے تو بعض ادیب اس میں مقامی زبانوں، محاوروں اور لب و لہجے کو شامل کر رہے ہیں اور مقامی زبان اور لہجوں یعنی کلوکیل، سلینگ اور جارگن کا استعمال خود مغربی ممالک کے لکھنے والوں کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔ اس عمل کو یورپ اور امریکا کے ادب میں بہت سراہا گیا جس کی وجہ سے اردو ادب میں بھی مقامی زبانیں اور لہجے شامل ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے ادیب بھی بہر حال موجود ہیں جو زبان کی عہد بہ عہد اور خطہ بہ خطہ بدلتی صورتحال کو تحقیقی طور پر استعمال کرتے ہوئے زبان کی بازیافت کی خدمت سر انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے الفاظ اور تراکیب دیگر زبانوں سے ترجمہ کر کے شامل کی جاتی ہیں جس سے اردو زبان کا دامن وسیع ہو رہا ہے۔ حسن منظر نے اپنے ناولوں میں نہ صرف انگریزی الفاظ بلکہ پورے پورے جملے استعمال کیے ہیں۔

Aren't you going to see the words from inside?

Oh no, these are cases of dangerous infective diseases.

Surely not as dangerous as the shrapnels and shells you faced on the war front.(۷۱)

اسی طرح وہ ان الفاظ کا استعمال بھی کرتے ہیں جن کے متبادل اردو میں الفاظ موجود ہیں۔ مثلاً

"بریگیڈیئر نے ان کی طرف گھوم کر کہا" "Even then"

ڈاکٹر مصطفیٰ نے کہا: ہسپتال کے پاس کوئی ریگولر مالی نہیں ہے۔

اس دن کے بعد میں اکثر ڈیپارٹمنٹ آف فائن آرٹس میں جانے لگا۔ یعنی جب بھی فری ہوتا تھا۔ وہ واٹر کلر میں اچھی مصوری کرتی تھی۔ (۷۲)

حسن منظر نے انگریزی الفاظ کے ساتھ ہندی، عربی کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔

”بوڑھی عورتوں اور جوان لڑکیوں نے اسے اس کے پتی کا نام یاد کروایا تھا“۔

اسی طرح وہ عربی الفاظ بھی استعمال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ایک لڑکے نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے باقی ساتھیوں سے پوچھا

سشم ہذا

فُل فِل سب نے ایک ساتھ کہا

خلّونی اشوف من“ (۴۳)

حسن منظر نے انگریزی الفاظ اور جملوں کا استعمال کثرت سے کیا ہے لیکن ساتھ ساتھ انہوں نے ان انگریزی الفاظ کا اردو ترجمہ فٹ نوٹ میں درج کیا ہے۔ اگر بغور مشاہدہ کیا جائے تو یہ تبدیلی اکیسویں صدی میں حسن منظر کے ہاں نظر آتا ہے۔ حسن منظر نے نہ صرف مختلف زبانیں استعمال کی ہیں بلکہ یہ اسلوب اپنے کرداروں اور ماحول سے مطابقت رکھے ہوئے ہے۔ موجودہ دور میں اردو زبان پر انگریزی کے گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور انگریزی زبان بولنے اور لکھنے کو پسند کیا جا رہا ہے اور اسے تعلیم یافتہ ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ایسے میں ادیب بھی ایسی زبان استعمال کرتے ہیں تو قارئین اسے شوق سے پڑھتے ہیں۔

> حسن منظر کا تجربہ اور علم وسیع ہے۔ ان کے ناولوں میں مقامیت اور کردار بدلنے کے ساتھ ساتھ زبان میں بھی تغیر آتا رہتا ہے۔ بارہا مقامات پر انہوں نے فلسفیانہ انگیز بیانات درج کیے ہیں مگر ان بیانات میں بوریت کا شائبہ تک نہیں ہے۔ (۴۴)

حسن منظر کا اسلوب گرفت لینے والا اور رواں ہے۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں جدید زندگی کو پیش کیا ہے تو جدید زندگی کے متعلقات بھی اس میں شامل ہیں۔ اردو کے ادیبوں نے عالمگیریت کے زیر اثر اسالیب کو اس قدر منقلب کیا ہے کہ ان کا موازنہ بین الاقوامی ادیبوں سے کیا جا سکتا ہے۔ عالمگیریت کا بنیادی محرک

اور مقصد تجارتی مفادات ہیں اور ان کو پھیلانے میں ذرائع ابلاغ کا اہم کردار ہے۔ ان ذرائع ابلاغ کی بدولت ادیب بھی عالمی مسائل سے آگاہ ہوا اور جو نئی نئی تحریکیں سامنے آرہی ہیں ان سے بھی اثر قبول کر رہا ہے۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے عالمگیریت کے عمل نے مختلف معاشروں، ان کی زبانوں اور ان میں تخلیق ہونے والے ادب میں یکسانیت پیدا کرنے کی غرض سے جو اثر ڈالا ہے اس نے فکری پہلو کے ساتھ ساتھ فنی پہلو بھی متاثر کیا ہے فکری اثرات کی بجائے فنی اثرات نے ان اصناف کی کایا کلپ کی۔ عالمگیریت نے جہاں دنیا بھر کے ادب کو نئی فنی اصناف، تکنیکیں اور زبان و بیان کے اظہار کے نئے سانچے اور اسلوب فراہم کیے وہیں اردو ادب بھی اس مبرا نہیں۔ اردو ادب بھی اس عالمی دھارے کا حصہ ہے جو دنیا میں معاشرتی حقائق اور مسائل کو ادبی انداز میں پیش کر رہا ہے۔

عالمگیریت کے عمل نے جہاں زندگیوں پر گہرے اثرات مرتب کیے وہاں ادب پر بھی اس کے اثرات گہرے ہیں۔ معاصر ناول نگاروں کے ہاں اسلوب اور تکنیک کے نت نئے تجربات ہو رہے ہیں۔ ان ناول نگاروں میں حسن منظر بھی اہم نام ہے۔ حسن منظر کے ناولوں کے فنی فکری جائزے کے نتیجے میں دیکھا جا سکتا ہے کہ ان کے ناولوں میں بھی عالمگیریت کے پہلو نمایاں ہیں۔ ناول "دھنی بخش کے بیٹے" کا موضوع تہذیبی تصادم ہے اور یہ تہذیبی تصادم موجودہ دور کے عالمگیر معاشرے کی پیداوار ہے۔ اس طرح ان کے ناول "انسان اے انسان" کا بنیادی موضوع اگرچہ انسان ہے لیکن اس کے تناظر میں حسن منظر نے ہمہ گیر اور آفاقی موضوع کو بیان کیا ہے۔ موجودہ عالمگیریت کے دور میں انسان جس معاشی، نفسیاتی کشمکش سے گزر رہا ہے اور اس کے انسان کی ذات پر جو اثرات مرتب ہو رہے ہیں وہ موجودہ دور کا خاصہ ہیں۔ اس طرح ان کا ناول "وبا" ایک عالمگیر مسئلہ ہے۔ وبا صرف ایک بیماری نہیں بلکہ موجودہ دور میں عالمگیریت بھی ایک وبا کی شکل میں پھیل رہی ہے اور معاشروں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے۔ اس طرح ان کے ناولوں میں فنی حوالے سے بھی عالمگیریت کے پہلو نظر آتے ہیں۔ حسن منظر نے اپنے ناولوں انگریزی، اردو اور دیگر زبانوں کے الفاظ شامل کر کے ایک منفرد پہچان قائم کی ہے۔ ان کے ناولوں میں مقامیت کے ساتھ بین الاقوامیت بھی نظر آتی ہے۔ وہ نہ صرف اپنے سماج کی بلکہ دیگر معاشروں کی تصویر کشی بھی عمدہ انداز میں کرتے ہیں۔

حوالہ جات

(۱) https://www.Rakhta.org

(۲) http://www.Sangatreview.org.

(۳) ایضاً،

(۴) صابر حسین، اکیسویں صدی میں پاکستان کے مسلم خاندانی نظم پر عالمگیریت کے اثرات، مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی، علوم اسلامیہ، نمل اسلام آباد، نومبر ۲۰۲۰، صفحہ ۴۰

(۵) حسن منظر، دھنی بخش کے بیٹے، شہزاد پبلشرز کراچی، صفحہ ۹

(۶) ایضاً صفحہ ۳۹۷

(۷) ایضاً صفحہ ۱۷۵

(۸) مہرونہ لغاری، حسن منظر، ادبی خدمات، شعبہ اردو، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان ۲۰۱۴ء۔ صفحہ ۱۷۷

(۹) روبینہ سلطان، تین ناول نگار، صفحہ ۱۰۶-۱۰۷

(۱۰) رفعت رفیق، اردو ناول میں عالمگیریت، مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، صفحہ ۲۸۶

(۱۱) حسن منظر، دھنی بخش کے بیٹے، شہزاد پبلشرز کراچی، صفحہ ۲۱۴

(۱۲) ثمینہ سیف، ڈاکٹر نسیمہ رحمان، ناول انسان اے انسان کا فکری و فنی جائزہ، شعبہ اردو بہاؤلدین زکریا یونیورسٹی، صفحہ ۵۷

(۱۳) امتیاز پراچہ Dawn, Review Insan aye Insan ۰۴ جنوری ۲۰۱۴۔

(۱۴) حسن منظر، انسان اے انسان، شہزاد پبلشرز کراچی، صفحہ ۳۱۱

(۱۵) ایضاً، صفحہ ۳۰۳

(۱۶) ایضاً، صفحہ ۱۲۴

(۱۷) ایضاً، صفحہ ۲۳۲

(۱۸) ایضاً، صفحہ ۳۸۲

(۱۹) ایضاً، صفحہ ۲۲۴

(۲۰) ثمینہ سیف، ڈاکٹر، نسیمہ رحمٰن، جرنل آف ریسرچ، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی۔ صفحہ ۶۲

(۲۱) حسن منظر، وبا، شہرزاد کراچی، صفحہ ۴۵

(۲۲) رفعت رفیق، اردو ناولوں میں عالمگیریت، مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی اردو، صفحہ ۵۸

(۲۳) مہرونہ لغاری، حسن منظر، ادبی خدمات، دستاویز مثال پبلشرز، فیصل آباد ۲۰۱۲ء، صفحہ ۲۰۱

(۲۴) حسن منظر ''وبا'' شہرزاد کراچی، صفحہ ۶۵

(۲۵) ایضاً، صفحہ ۶۸

(۲۶) ثمینہ سیف، ڈاکٹر نسیمہ رحمٰن، جرنل آف ریسرچ، بہاؤلدین زکریا یونیورسٹی، صفحہ ۶۲

(۲۷) ایضاً ، صفحہ ۴۲

(۲۸) فہیم اعظمی، آراء، مکتبہ حریر، کراچی ۱۹۹۷ء، صفحہ ۲۸۲

(۲۹) محمد امجد عابد، قومی ثقافت کی تشکیل، اردو ادب اور عالمگیریت، تحقیق نامہ شمار ۲۶۰ جنوری تا
جون ۲۰۲۰، صفحہ ۱۳۹

(۳۰) جمیل ارشد ملک، عالمگیریت پس منظر و پیش منظر، ص ۴۰

(۳۱) حسن منظر، دھنی بخش کے بیٹے، شہزاد پبلشرز کراچی، صفحہ ۳۰

(۳۲) حسن منظر، انسان اے انسان، شہزاد پبلشرز کراچی، صفحہ ۳۹۳

(۳۳) حسن منظر، دھنی بخش کے بیٹے، شہزاد پبلشرز کراچی، صفحہ ۳۱

(۳۴) ایضاً ، صفحہ ۳۸۲

(۳۵) ایضاً ، صفحہ ۵۵۳

(۳۶) ایضاً ، صفحہ ۵۵۳

(۳۷) ایضاً، صفحہ ۴۴۲

(۳۸) حسن منظر، انسان اے انسان، شہزاد پبلشرز کراچی، صفحہ ۳۸۱

(۳۹) ایضاً ، صفحہ ۵۱۹

(۴۰) حسن منظر، انسان اے انسان، شہزاد پبلشرز کراچی۔ صفحہ ۳۸۱

(۴۱) حسن منظر، العاصفہ، شہرزاد، کراچی، ۱۲۴

(۴۲) ایضاً، صفحہ ۱۲۲

(۴۳) حسن منظر، انسان اے انسان، شہر زاد کراچی، صفحہ ۱۵٦

(۴۴) حسن منظر، انسان اے انسان، شہر زاد کراچی، صفحہ ۳۲۱

(۴۵) ایضاً، صفحہ ۲۲۳

(۴٦) حسن منظر، دھنی بخش کے بیٹے، شہر زاد کراچی، صفحہ ۲۵۸

(۴۷) ایضاً، صفحہ ۵۵۱

(۴۸) ایضاً، صفحہ ۳۸۱

(۴۹) ایضاً، صفحہ ۳۸۱

(۵۰) حسن منظر، انسان اے انسان، شہر زاد کراچی، صفحہ ۳۱۱

(۵۱) حسن منظر، العاصفہ، شہر زاد کراچی، صفحہ ۱۳۸

(۵۲) ایضاً، صفحہ ۳۸۱

(۵۳) ایضاً، صفحہ ۳۸۱

(۵۴) http//www.emsayazlim.com

(۵۵) www.humsub.com.pk

(۵٦) Migration and globalization , farm, patterns and effects. www. page 104-Bertelsmans, shfung

(۵۷) Dehsa guilermo da la :2007: what do we know about globalization issues of povert and income. Black well publishing Ltd Maddlen USA. (Page 305)

(۵۸) .www.org// https

(۵۹) https.www.un.org.

(٦۰) https.www.oecd.org>OEC

(٦۱) حسن منظر، دھنی بخش کے بیٹے، شہر زاد کراچی، صفحہ ۳۱۳

(۶۲) حسن منظر، بیر شیبا کی لڑکی، ماں بیٹی، شہر زاد کراچی، صفحہ ۳۹

(۶۳) حسن منظر، العاصفہ، شہر زاد کراچی، صفحہ ۳۲

(۶۴) حسن منظر، انسان اے انسان، شہر زاد کراچی، صفحہ ۳۱۰

(۶۵) حسن منظر، دھنی بخش کے بیٹے، شہر زاد کراچی، صفحہ ۳۸۱

(۶۶) Waters.Malcolm:Globalization;Newyork.Routledge.PP

(۶۷) ممتاز احمد خان، اردو ناول کے ہمہ گیر سروکار، فکشن ہاؤس کراچی، صفحہ ۲۲۰

(۶۸) حسن منظر، دو مختصر ناول (بیر شیبا کی لڑکی، ماں بیٹی) شہر زاد کراچی۔

(۶۹) حسن منظر، دھنی بخش کے بیٹے، شہر زاد کراچی، صفحہ ۳۸۱

(۷۰) ایضاً، صفحہ ۶۱

(۷۱) ایضاً، صفحہ ۳۲۵

(۷۲) ایضاً، صفحہ ۳۲۵

(۷۳) حسن منظر، العاصفہ، شہر زاد کراچی، صفحہ ۳۱

(۷۴) سید عبد اللہ، ڈاکٹر، مباحث، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۵ء، صفحہ ۲۷۹

باب چہارم:

حسن منظر کے ناولوں میں عالمگیریت کے معاشی وسیاسی پہلو کے اثرات کا تجزیہ

معاشی پہلو:

عالمگیریت دور جدید کا ایک حقیقی اور لا محدود عمل ہے۔ جس نے نہ صرف افراد کی بلکہ دنیا بھر کی مادی اور غیر مادی اشیاء پر بھی اثرات مرتب کیے ہیں۔ اکیسویں صدی کے زبان زد الفاظ میں سے ایک لفظ عالمگیریت کا ہے۔ اس نے زندگی کے تمام شعبوں کی کایا کلپ کر دی ہے۔ اس کا اصل میدان اقتصاد ہے لیکن دیگر شعبوں مثلاً سیاست، مذہب، ثقافت کو اس لیے زیر بحث لایا جاتا ہے تاکہ معاشی برتری کا مقصد حاصل کیا جا سکے۔ قدیم دور سے ہی دولت کی ہوس اور مال کی خواہش کے نتیجے میں طاقتور قومیں کمزور قوموں کا استحصال کرتی رہی ہیں۔ معاشی عالمگیریت کے ذریعے دنیا کو قابو میں کیا جاتا ہے۔ یہ عالمگیریت کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس میں مقامی صنعتیں اور معاشی طور پر مضبوط ادارے مقامی حکومتوں کو کنٹرول کرتے ہیں۔ اس کی اہم خصوصیات میں معاشی حد بندیوں کو توڑنا، آزاد تجارت کا فروغ، بین الا قوامی مالیاتی اداروں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کی بڑھتی ہوئی قوت ہے جس سے تمام ممالک متاثر ہوئے ہیں لیکن ان اثرات کی نوعیت یکساں نہیں ہے۔ معاشی عالمگیریت کے علمبرداروں کی طرف سے یہ دلائل دیے جاتے ہیں کہ آزاد تجارت، ملٹی نیشنل کمپنیوں اور غیر ملکی سرمایہ کاری کے باعث تمام ممالک معاشی لحاظ سے خوشحال ہو جائیں گے۔ اسی طرح تمام ممالک کو ترقی کے یکساں مواقع ملیں گے لیکن عملی طور پر آزاد تجارت اور غیر ملکی سرمایہ کاری کی صورت میں جو عالمگیریت نافذ ہوئی ہے اس نے ان دعویداروں کے دعووں کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔

> In economic discourse, globalization refers to the progressive integration of national market economics into a single tightly interconnected global political economics (via advances in communication technology and falling transportation costs)

> whose resource accumulation and distribution are increasingly governed by neoliberal principles – emphasizing the role of the market while minimizing government involvement in economic matters. (۱)

عالمگیریت پر جتنا غور کیا جائے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کارپوریشنز کا منافع مقامی ثقافت، وسائل ،ماحول اور مقامی افرادی قوت کے استحصال پر مبنی ہے۔ یہ استحصال کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن عالمگیریت کے باعث یہ زیادہ نمایاں ہوا ہے۔ عالمگیریت کے باعث دنیا کے مختلف ممالک کے درمیان اور ملک کے اندر مختلف طبقات کے درمیان آمدنی میں تفاوت بڑھا ہے۔ عالمی معیشت گزشتہ چند صدیوں میں زیادہ غیر مساوی ہو چکی ہے۔ ملک کے اندر عدم مساوات نے موجودگی کا کوئی نمایاں رجحان ظاہر نہیں کیا اور گزشتہ صدیوں میں عالمی معیشت زیادہ مربوط ہو گئی ہے لیکن ان عوامل کا نتیجہ اقوام کے مابین عدم مساوات میں اضافہ ہے۔ پروفیسر جوزف کے مطابق:

> Globalization has lowered the sense of isolation felt in much of the developing world and provided many people in the developing world with access to knowledge that was previously out of reach of even the wealthiest in any country. (۲)

عالمگیریت کے ذریعے امریکی غلبے کو مشتق کیا جارہا ہے اور اس کے باقی دنیا کی معیشت، ثقافت، سیاست اور معاشرت پر اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ دیگر ممالک کے وسائل پر قبضے کیے جارہے ہیں۔ اس کی ابتداء تو آزاد منڈیوں اور آزادانہ تجارت کے ذریعے ہوئی لیکن اس نے تیز رفتاری سے دنیا کے ہر شعبے کو متاثر کیا۔ ان ہونے والی تبدیلیوں نے ادب کو بھی اپنے حیطہ میں لے لیا ہے۔ دنیا کو یک رنگ بنانے کے عمل نے جس طرح انسانی معاشرے پر اثرات مرتب کیے ہیں وہاں ادب بھی ان اثرات سے نہیں بچ سکا کیونکہ ادب زندگی کا

آئینہ ہے اور اس میں معاشرے ہی کی تصویر دکھائی جاتی ہے۔ عالمگیریت کے باعث جس طرح معیشت، سیاست اور ثقافت میں تبدیلیاں ہو رہی ہیں ادب میں ان کی عکاسی کی گئی ہے۔

دور حاضر میں کسی ملک کی معیشت، اس ملک کی ترقی اور اس کے نظریات کی قبولیت کا واحد پیمانہ ہے۔ اسی طرح جس ملک کے پاس زیادہ دولت اور زیادہ وسائل ہوں گے وہ دنیا بھر میں اپنے کاروبار کو وسعت دے سکتا ہے اور اپنی اجارہ داری قائم کر سکتا ہے۔

> Globalization refers to the current worldwide push toward a globalized economic system dominated by supranational corporate trade and banking institutions that are not subject to democratic processes or national governments. (۳)

عالمگیریت کے بڑھتے ہوئے رجحان کے باعث بے روزگاری میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا بھر کی تجارت پر جو اثرات مرتب ہوئے ہیں وہ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک پر مختلف ہیں۔ عالمگیریت کے باعث جو تجارت میں پھیلاؤ آیا ہے وہ مختلف ممالک کے لحاظ سے یکساں طور پر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ غیر ملکی سرمایہ کاری کے باعث مقامی صنعتیں ختم ہو رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مقامی صنعتیں کسی قسم کا تحفظ نہ ہونے کی وجہ سے ان ملٹی نیشنل کمپنیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ عالمگیریت ضروریات زندگی کی یکساں فراہمی میں بھی ناکام رہی ہے۔ اس حوالے سے ترقی پذیر، پسماندہ اور ترقی یافتہ ممالک کے حوالے سے یہ صورتحال بہت بھیانک ہے۔ عالمگیریت کے اثرات کے حوالے سے حسن ایم کبیر (Hassan M. Kabir) اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

> Despite all of the promised benefits of globalization, the process has so far only slowed. "Third-world countries contribute to global GDP. Many of these countries are in

worse shape than ever before, with massive amounts of foreign debt piling up. (۴)

عالمگیریت نے زندگی کے تمام شعبہ ہائے جات پر اثرات مرتب کیے ہیں۔ ابتداء میں تو اس کے مقاصد صرف تجارتی تھے لیکن آہستہ آہستہ اس نے زندگی کے تمام شعبہ جات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ایک زندہ ادب جو زندگی کی بدلتی ہوئی حقیقتوں کا عکس ہوتا ہے۔ اس کے مختلف ادوار میں عصری شعور والی تخلیقات وجود میں آتی ہیں۔ عصر حاضر کا سب سے اہم موضوع عالمگیریت ہے۔ جس طرح اس نے زندگی کے تمام شعبوں پر اثرات مرتب کیے ہیں ادب میں بھی اس کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کی گئی ہے کہ عالمگیریت کس طرح سیاست، معیشت، ثقافت پر اثر انداز ہو رہی ہے اور زبان و ادب پر بھی کس طرح اس کے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ موجودہ دور میں ادب کا یہ فریضہ بھی بن چکا ہے کہ وہ معاشرے میں پائی جانے والی عدم مساوات اور عالمگیریت کے اثرات کے خلاف اپنے تحفظات کو بیان کرے۔

جدید ادب عالمگیریت کی اس لہر کے زیر اثر مختلف تبدیلیاں اپناتا ہے۔ جدید دور کا ادب اس نئی سامراجیت اور عالمگیریت کو بیان کرتا ہے اور اس عہد کے انسانی کے تجربے کا احوال بیان کرتا دکھائی دیتا ہے۔ حسن منظر نے بھی اپنی تحریروں میں عالمگیریت کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کی ہے۔ ان کا ناول "العاصفہ" جو ۲۰۰۶ء میں منظر عام پر آیا اس میں انہوں نے عالمگیریت کے معاشی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ یہ ناول ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے اور شہرزاد پبلشرز کراچی نے اس کو شائع کیا ہے۔ یہ عرب ملک کے معاشرتی، تہذیبی اور سیاسی پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ اس ناول میں ایک مختلف ماحول سے روشناس کرایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عالمگیریت کے معاشی پہلوؤں کو بھی اس میں بیان کیا گیا ہے کہ عالمگیریت کے تحت کس طرح ترقی یافتہ ممالک غریب ممالک کے سرمائے کو لوٹتے ہیں۔ اس میں انہوں نے عرب ممالک کے تیل پر مغرب کے قبضے کو بتایا ہے کہ کس طرح امریکا نے اس پر قبضہ کیا ہوا ہے اور مقامی اور غیر مقامی خصوصاً مغرب کے لوگوں کے لیے علیحدہ قوانین ہیں۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں تازہ ترین مسائل، زندگی کی الجھنوں، انسان کی نفسیاتی کمزوریوں کو منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔ اکیسویں صدی کے دیگر لکھنے والوں نے بھی عالمگیریت کے مختلف

مظاہر اور اس کے اثرات کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا ہے اور اسی مناسبت سے زبان و اسلوب بھی اختیار کیا ہے۔ اکیسویں صدی کے لکھنے والوں میں حسن منظر کا نام بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے ناولوں میں لسانی تازہ کاری کو دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسائل کا حقیقی عرفان و ادراک، تبدیل شدہ اقدار و افکار کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ حسن منظر کے ناول اپنی گونا گوں خصوصیات کے ساتھ ساتھ ایسے مختلف جدید رویے اور نئی جہتیں پیش کرتے ہیں جن سے اردو ناول کا دامن وسیع ہوتا ہے۔ مبین مرزا لکھتے ہیں:

> ایسا فکشن تخلیق کیا جارہا ہے جو اس نئی سامراجیت اور عالمگیریت کو بیان کرتا ہے۔ اور اس عہد میں انسانی روح کے تجربے کا احوال پیش کرتا ہے۔ اس فکشن میں ہمیں ایک واضح تخلیقی مزاج اور تہذیبی شعور میسر آتا ہے۔ جو عالمگیریت کے اثرات کو اپنے تہذیبی وجود کے تناظر میں سمجھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ (۵)

حسن منظر کے ناول " العاصفہ " جو کہ دور جدید کا ایک اہم ناول ہے۔ اس میں عالمگیریت کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کی گئی ہے کہ کس طرح ترقی پذیر ممالک مغرب کے اثرات کو قبول کر رہے ہیں اور اپنے لباس، کھانے پینے، معیشت، ثقافت کو ختم کر رہے ہیں۔ ان کے ناول کے حوالے سے مسکین احمد لکھتے ہیں

> " العاصفہ " حسن منظر کا ایک ایسا جدید اور غیر معمولی ناول ہے جس میں نہ صرف ان تمام اجزائے ترکیبی کو استعمال کیا گیا ہے بلکہ ان کے علاوہ اس ناول میں سوچنے اور سمجھنے کے لیے بھی بہت کچھ ہے۔۔۔ یہ ناول بنتے، بگڑتے اور تبدیل ہوتے ہوئے رشتوں کی کہانی ہے۔ رشتے جن کی انسانی ضروریات اور حالات کی مجبوریاں مشکل بدل دیتی ہیں۔۔۔ یہ ناول آج کی Complex زندگی کی عکاسی کرتا ہے جس میں قدریں بھی بدل رہی ہیں اور انسان بھی۔ (۶)

حسن منظر نے اس ناول میں موجودہ دور کی زندگی کو پیش کیا ہے کہ کس طرح معاشرہ تبدیل ہو رہا ہے۔ اقدار و روایات کو ختم کیا جارہا ہے اور لوگ مغرب کا اثر قبول کر کے اپنی ثقافت کو ختم کر رہے ہیں۔ سچ کو

جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ پوری دنیا میں ایک ظالمانہ نظام قائم ہو چکا ہے۔ ترقی پذیر اور کمزور ممالک بے یقینی کا شکار ہیں۔ بڑی طاقتیں غریب ملکوں کے ذرائع کے ساتھ ساتھ ان کے حکمرانوں اور عوام کا بھی استحصال کر رہی ہیں۔ موجودہ دور میں طاقت ہی سب سے بڑی حقیقت بنتی جا رہی ہے۔ ان حالات کو دیکھ کر ملک میں اور ارد گرد جو کچھ ہو رہا ہے زید جیسا با حس اور با شعور آدمی اس سب کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتا۔

> ہمارے ہاں ننگا دھوکا ہے۔ بے ایمانی اور مجبوروں کو لوٹنے کی بے اندازہ قوت، کسی کے پاس زندگی کا کوئی مقصد کارواں، بندوقوں، الیکٹرانک اشیاء، بیویوں، پرفیوم اور عالی شان بیوت کے سوا نہیں ہے۔ اگر پہلے ہوئی بھی تو میزین (پٹرول) نے اسے دھو دیا ہے۔ بس ایک وہی چیز وافر ہے اور لوگ سمجھتے ہیں دائم۔ ذہن کے جن کھیتوں کو اس کی آبیاری ہے وہ زندگی کے بارے میں کوئی سوال کرنے کی امیج کھو چکے ہیں۔ عورتوں کے پاس اپنی زندگی کا کوئی علیحدہ مقصد نہیں ہے۔ وہی ہے جو ان کے گھروں کے مردوں کا۔ (۷)

زید ناول کا ہیرو ہے۔ اس کردار کے ذریعے مصنف نے عرب ماحول کے بارے میں بتایا ہے اور ساتھ ہی طنزیہ پیرائے میں ان معاشرتی، سیاسی اور سماجی برائیوں پر رائے زنی کی ہے۔ زید بدو ماحول سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کردار کو حسن منظر نے معاشرے کے ضمیر کی حیثیت سے پیش کیا ہے جو سفاک نظام کی غیر جمہوری ریاست میں گھٹن اور بے بسی کے جذبات کے ساتھ زندہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر اس کے آزادانہ خیالات کی خبر یا رپورٹنگ ہو گئی تو اسے برے طریقے سے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

"العاصفہ" باپ اور بیٹے کے درمیان مسلسل Conflict کی کہانی ہے۔ زید اور اس کے باپ کے درمیان بے اعتمادی کا رشتہ ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہنا بھی نہیں چاہتے اور نہ ہی ایک دوسرے کو بالکل چھوڑنا چاہتے ہیں۔ زید کے دل میں اپنے باپ کے لیے بہت زیادہ نفرت ہے اور اس نفرت کا اظہار وہ بچپن میں اس طرح کرتا ہے کہ باپ کا نام کاغذ پر لکھ کر اسے دفن کر دیتا ہے۔ زید کی باپ کے ساتھ رہنے اور چھوڑنے کی کشمکش، ہیملٹ کی طرح To be or not to be کے عذاب سے گزرنے کی طرح کی ہے۔ زید

گھر سے دور جا کر ملازمت شروع کر دیتا ہے۔ شروع میں اس کی تنخواہ تیس دینار ہوتی ہے۔ یہ تنخواہ اس کے لیے کافی تھی اور اس تنخواہ میں وہ ہر غم سے آزاد خوشحال زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے۔ تین سال بعد جب اس کی تنخواہ ساٹھ دینار ہو جاتی ہے تو وہ ہر ماہ ماں کو بیس دینار بھیجنا شروع کر دیتا ہے۔

> میں ماں کو بیس دینار بھیجتا رہا اور وہ مجھے محبت بھرے خط بھیجتی رہی اور یہی بیس دینار میری تباہی کا ذریعہ بنے کیوں کہ میرا باپ جو میرے گھر سے نکل جانے کے بعد مجھے ایکا ایکی بھول گیا تھا پھر سے میرے لیے ہڑکنے لگا۔ (۸)

زید کو بے وقوف بنانے کے لیے اس کے باپ کا دماغ بہت کام کرتا ہے۔ وہ زید کو منیرہ سے شادی کا جھانسا دے کر کپڑے، زیور، پیسے اور دوسری چیزیں منگواتا ہے۔ زید جو منیرہ کو بہت پسند کرتا ہے اس سے شادی کا سن کر یہ تمام چیزیں خوشی خوشی بھیجتا رہتا ہے اور اس کی بچت کم سے کم ہونے لگی۔ جس طرح رشتے اور بندھن انسان کو جکڑ لیتے ہیں اور انسان کو نہ چاہتے ہوئے بھی سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح انسان سماجی، معاشرتی اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہو کر نہیں رہ سکتا ہے

زید جو آئل کمپنی میں ملازم ہے اس کردار کے ذریعے حسن منظر نے معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے عالمگیریت کے پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے کہ امریکا نے کس طرح تیل پر قبضہ کیا ہوا ہے اور کس طرح ان کے ملازمین میں فرق کیا جا رہا ہے۔ امریکا کے ملازمین کے لیے کوئی قوانین نہیں ہیں۔ وہ آئل کمپنی میں ملک زادوں کی طرح رہ رہے ہیں۔ وہ شراب بھی کھل کر پی رہے ہیں جبکہ مقامی عربوں پر پابندی تھی وہ چوری چھپے کہیں سے حاصل کر لیتے تھے یا پھر کھجور سے شراب کشید کر لیا کرتے تھے اور ادھر ادھر سپلائی بھی کر دیا کرتے تھے۔ حسن منظر نے دراصل ملک میں پھیلی ہوئی ناہمواری کو بیان کیا ہے کہ کس طرح مقامی لوگوں اور امریکا کے ملازمین میں فرق کیا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے عالمگیریت کے معاشی پہلو کو بیان کرتے ہوئے اس کے خلاف رد عمل کا اظہار بھی کیا ہے۔ وہ عالمگیریت کے کے پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں کہ اسی کے باعث طبقاتی تقسیم اور استحصال ہو رہا ہے۔ انگریز سامراج کی وجہ سے معاشرے میں مختلف طبقات پیدا ہو گئے ہیں کیونکہ انھیں اپنی معاونت کے لیے

مقامی طور پر نئے طبقات پیدا کرنے کی ضرورت تھی جو ان کی مدد کرے اور بوقت ضرورت افرادی قوت اور معاشی تعاون فراہم کر سکیں۔ یہی وہ طبقات ہیں جو ان حکمرانوں کے ساتھ شامل ہو کر عام آدمی کا استحصال کر رہے ہیں۔ یہ دراصل عالمگیریت کا مکروہ چہرہ ہے جو مقامی حکومتوں کے کردار کو ختم کر رہا ہے اور مقامی حکومتوں کے پس پشت اپنی حکومت چلا رہا ہے اور دوسرے ملکوں کی معیشت پر قبضہ کر رہا ہے۔ حسن منظر اس حوالے سے "العاصفہ" میں لکھتے ہیں:

> خشکی اور ساحل ذراہٹ کر ہمارے جیسے کے سمندر میں تیل کی کھوج اور تیل کمپنی والوں کی ہماری حکومت سے دھوکے بازی، جو حقیقت میں ہمارے لوگوں سے دھوکے بازی تھی لیکن ہم کیا ان کے خلاف منہ کھول سکتے تھے! یہ امریکا اور یورپ والے ہماری حکومت کے پس پشت اپنی حکومت چلا رہے ہیں۔ (۹)

معاشی عالمگیریت کے حمایتی دعویٰ کرتے ہیں کہ .It lifts all boats یعنی اس کے نتیجے میں ہر ایک آخر کار امیر ہو جاتا ہے جبکہ جو عالمگیریت کے مخالفین ہیں ان کے خیال کے مطابق Its lifts all yatch یعنی اس کا فائدہ صرف امیروں کو پہنچتا ہے اور یہ بات بالکل درست ہے کہ معاشی عالمگیریت کا فائدہ ہر ایک کو مساوی نہیں پہنچتا بلکہ امیروں کو اس کا فائدہ پہنچتا ہے اور وہ زیادہ امیر تر ہو جاتے ہیں اور اس عالمگیریت کے نتیجے میں غریب ممالک غریب تر ہو جاتے ہیں۔ آج کی اس عالمگیر دنیا کی ساخت اور سیاست دونوں کا توازن امیر ملکوں کے حق میں ہے۔ عالمگیریت کے ناقدین کے خیال میں WTO کے اصول جن مفروضات پر مبنی ہیں وہ ترقی پذیر ممالک کے حوالے سے متعصبانہ ہیں۔ ان قوانین سے ایک ایسا ایجنڈا ظاہر ہوتا ہے جو کھلے عام ملٹی نیشنل کمپنیوں اور کارپوریشنز کے مفادات کو تحفظ اور بڑھاوا دیتا ہے جو عالمی تجارت کو کنٹرول کر رہی ہیں۔ اس سے مقامی ثقافت، ماحول، وسائل اور مقامی افرادی قوت کا استحصال ہوتا ہے۔ یہ استحصال پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کر کے مسلم اشرافیہ کو معاشی طور پر تباہ کر دیا تھا۔ ہندوستان میں غیر موروثی جاگیرداری نظام تھا۔ انگریزوں نے اسے موروثی بنا کر اپنے حمایتی اور خیر خواہ پیدا کیے اور ہندوستانی معاشرے کو طبقات میں تقسیم کر دیا۔ ہندوستانی عوام کو دو سطحوں ایک جاگیرداروں کے ہاتھوں اور دوسرا

سرکاری عمال کے ہاتھوں معاشی استحصال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس کے علاوہ مذہبی اجارہ داروں کی طرف سے بھی استحصال سامنے آتا ہے۔ یہ استحصال ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے لیکن پہلے کے مقابلے میں اب زیادہ نمایاں ہے۔ بہرحال عالمگیریت کی وجہ سے دنیا کے مختلف ممالک کے درمیان آمدنی میں تفاوت بڑھا ہے۔

موجودہ دور میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کا عالمی افق پر بڑا کردار ہے۔ کیونکہ یہ کمپنیاں جغرافیائی حدود کی پابند نہیں ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے یہ دوسرے ممالک میں سرمایہ کاری کرتی ہیں اور اقتصادی میدان میں اپنی خواہشات اور مرضی کے مطابق قانون وضع کرتی ہیں اور ترقی پذیر ممالک ان کے سامنے بے بس ہیں۔ یہ کمپنیاں عالمگیریت کی اہم ترین آلہ کار ہیں۔ ان کے ذریعے دوسرے ممالک کی معیشت کو بھی کمزور کیا جاتا ہے ساتھ ہی ساتھ ثقافت میں بھی تبدیلیاں آتی ہیں۔ یہ کمپنیاں مصنوعات کے ساتھ ساتھ مغربی اقدار، ثقافت اور تہذیب کو بھی پروان چڑھاتی ہے۔ حسن منظر نے اپنے ناول ”العاصفہ“ میں عرب کے حالات بیان کیے ہیں کہ عرب کے تیل پر امریکا نے قبضہ کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کلچر بھی تبدیل ہو رہا ہے۔ عورتوں نے اب مغربی طرز کے لباس پہننے شروع کر دیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں

> وہ اسکرٹ پہنے تھی۔ ٹانگوں تک جرابیں اسٹوکنگز تھیں۔ سیاہ جن سے اس کی گوری رنگت پھوٹ کر باہر نکل رہی تھی۔ قمیض چھوٹی تھی جیسی اسکرٹ پر پہنی جاتی ہے۔ یہ وہ کپڑے تھے جو لبنان، اردن اور مصر کی پڑھی لکھی عورتیں پہنتی ہیں۔ یورپ کی سب کی سب مگر بغیر برقعے کے تکلف کے اور ہمارے شہروں اور شاہی خاندان کی عورتیں اور جوان لڑکیاں ۔ ہماری یہ عورتیں جب برقعہ اتارتی ہیں تو دھکا سا لگتا ہے اس میں سے ایک موڈرن مغربی عورت نکلتی ہے۔ [۱۰]

جدید ترقی یافتہ دنیا کا بنیادی محور مشینیں ہیں اور تیل مشینی زندگی کی قوت محرکہ ہے۔ جدید دور کی اکثر و بیشتر مشینوں کا ایندھن تیل ہے۔ دنیا میں صنعتی انقلاب کے بعد جب سے تیل کو یہ اہمیت حاصل ہوئی ہے تیل کے حصول کے لیے دنیا میں دوڑ دھوپ اور چھینا جھپٹی کے لیے جنگ بھی شروع ہو گئی۔ امریکہ کی مشرق وسطیٰ کی طرف پیش قدمی بھی دراصل تیل ہی کا لالچ ہے۔ اس تیل کے حصول کے لیے نیٹو افواج کے

ساتھ ملا کر حیلے بہانے سے ان ممالک پر حملہ کر دیا جاتا ہے جہاں سے اسے تیل ملنے کی امید ہوتی ہے۔ گزشتہ کچھ عرصہ سے جن ممالک سے ساتھ جنگ لڑی گئی ان میں زیادہ تر تیل کی دولت سے مالا مال تھے اور ان کا تیل ہی ان کے لیے تباہی کا سبب بن گیا۔ ان ممالک میں عراق، کویت، لیبیا وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ باقی تیل کے ذخائر والے ملک اس کی ہٹ لسٹ پر ہیں۔ اردو فکشن میں یہ موضوع شدت کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ حسن منظر نے ''العاصفہ'' میں تیل ہی کی لڑائی کو بیان کیا ہے کہ امریکہ نے عرب کے تیل پر قبضہ کر رکھا ہے اور عرب قوم یہ سب سمجھنے کے باوجود بھی خاموش ہے۔

> تیل کمپنیاں زیادہ تیل نچوڑ کر کم سے کم کر دکھاتی ہیں اور رونا روتی ہیں کہ تیل کے ذخیرے کم ہوتے جا رہے ہیں اور وہ گھاٹے میں جا رہے ہے جبکہ تیل کی کم بولی لگانے والے ان کے پسند کے ملک اور اس کی کمپنی کے ہاتھ بکتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ سفید تاجر ملک کو لوٹ رہے ہیں لیکن ملک تک میں ہمت نہیں کہ انھیں ملک سے نکل جانے کو کہے۔ یہ زور بس اپنے ملک والوں پر چلتا ہے یا ان پر جو گرے پڑے ملکوں سے یہاں آتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کمپنی والے سارق ہیں لیکن کس میں ہمت تھی کہ ان سفید فام کمپنی والوں کے ہاتھ کاٹتا یا دھکا دے کر انھیں ملک سے نکال باہر کرتا۔ [۱۱]

زید ایک باشعور اور حساس عرب ہے۔ اس میں دیکھنے، سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہے۔ وہ عربستان سے باہر کی دنیا کا بھی تھوڑا بہت علم رکھتا ہے۔ چونکہ وہ ناول کا ہیرو ہے اس لیے وہ اردگرد کی دنیا سے بے خبر نہیں رہ سکتا ہے۔ عربوں کی زندگی جو تضادات اور بے حس ہے اسے اس سے سخت نفرت ہے اور پھر جس طرح امریکا عربوں کا استحصال کر رہا ہے اس کا اسے بہت دکھ ہے۔ زید خود تو انقلابی نہیں ہے لیکن وہ کسی بڑی تبدیلی یا انقلاب کا خواہش مند ضرور ہے۔ وہ اپنے خاندان کا سوچنے والا ایک فرد ہے لیکن اس کی یہ سمجھداری کسی کام کی نہیں آتی ہے کیونکہ دنیا میں اکثر یہی ہوتا ہے۔ وہ یہ بات جانتا ہے کہ کس طرح امریکہ اس کے ملک کو لوٹ رہا ہے اور کس طرح خود پسند، خود غرض، بے حس، جاہل و ظالم حکمران شتر مرغ بنے ہوئے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے جو حکمران اپنے لوگوں کو عزت نہیں دیتا اسے دنیا میں بھی عزت نہیں ملتی ہے۔

خشکی اور ساحل سے ہٹ کر ہمارے حصے کے سمندر میں تیل کی کھوج اور تیل کمپنی والوں کی ہماری حکومت سے دھوکے بازی، جو حقیقت میں ہمارے لوگوں سے دھوکے بازی تھی لیکن ہم کیا ان کے خلاف منہ کھول سکتے تھے۔ یہ امریکا اور یورپ والے ہماری حکومت کے پس پشت اپنی حکومت چلا رہے تھے۔ (۱۲)

آگے چل کر زید کے لہجے میں مزید تلخی آجاتی ہے اور وہ طنزیہ انداز میں کہتا ہے۔

تیل عرب ممالک یا ایران میں کب نکلا ہے۔ تیل تو سفید لوگوں کے ملکوں میں نکلا ہے جہاں اس کے پیدا ہونے والی دولت ہمیشہ سے جا رہی ہے۔ (۱۳)

زید کی یہ بڑھتی ہوئی تلخی اسے خود احتسابی کی طرف مائل کر دیتی ہے اور اس کے ذہن میں صرف عرب ممالک نہیں بلکہ تمام مسلم ممالک بھی آجاتے ہیں کہ کس طرح ہم نے اپنے سارے کام غیر ملکی اداروں پر چھوڑ دیے ہیں اور خود اپنے ملک کے لیے کچھ بھی نہیں کرتے ہیں۔ اسی طرح غیر ملکی ادارے ساری چیزوں پر قابض ہو کر ترقی پذیر ممالک کی معیشت کو کمزور کر دیتے ہیں۔ یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ معاشی ناہمواری تمام مسائل کی جڑ ہے۔ زیادہ تر جرائم غربت کا ہی نتیجہ ہوتے ہیں۔ کوئی انسان شوقیہ طور پر مجرم نہیں ہوتا ہے بلکہ حالات اسے اس سٹیج پر لے آتے ہیں۔ معاشرے میں معاشی ناہمواری اتنی نہیں ہونی چاہیے کہ لوگ اپنی ضروریات کو بھی پورا نہ کر سکیں اور ان کا جائز حق اور مزدوری بھی نہ ملے کیونکہ اس سے جرائم میں اضافہ ہوتا ہے اور لوگ غلط راہوں کا انتخاب کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاشی عالمگیریت ہی کو عالمگیریت کی ماں کہا جاتا ہے۔ ثقافتی اور معاشرتی عالمگیریت مل کر بھی معاشی عالمگیریت کو متاثر نہیں کر سکتیں جبکہ معاشی عالمگیریت ان دونوں پہلوؤں کو متاثر ضرور کرتی ہے۔ کوئی بھی ملک یا ادارہ اس وقت طاقتور ہو سکتا ہے جب وہ معاشی طور پر طاقت ور ہو۔ یہ امت مسلم کی ذمہ داری ہے کہ وہ عالمگیریت لازمی بنائے اور بچنے کے بجائے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔ اپنے ملک لیے خود بھی کچھ کرنا چاہیے نا کہ غیر ملکی اداروں اور کمپنیوں کے ہاتھوں اپنے ملک کو جانے دیا جائے۔

ہمارے یہاں ننگا دھوکہ ہے ، بے ایمانی اور مجبوروں کو لوٹنے کے اندازہ قوت۔ زندگی گزارنے کا کوئی مقصد نہیں۔۔۔۔ لوگ جتنا کماتے ہیں اسے بس اپنی ذات پر خرچ کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی فلاحی کام نہیں کرتا۔ اسے سب نے حکومت پر چھوڑ دیا ہے اور حکومت نے غیر ملکی فلاحی اداروں پر۔ (۱۴)

زید میں صرف تلخی اور طنز ہی نہیں بلکہ جرات بھی ہے جو کسی قوم کے غیرت مند، خوددار او دوسروں سے مرعوب نہ ہونے والے انسان میں ہوتی ہے۔ زید جیسے کردار کسی قوم کا عظیم سرمایہ ہوتے ہیں جو اپنے ملک کے لیے کچھ کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں اور دوسروں سے متاثر ہونے کے بجائے خود اپنی سوچ رکھتے ہیں۔ زید ایک امریکی افسر وارین سے کس جرات سے کہتا ہے۔

You characterless Americans تم لوگ عرب کے تیل پر پل رہے ہو تمہارے دلوں میں نہ عرب زمین کی عزت ہے جس سے وہ تیل نکلتا ہے اور نہ اس کے انسانوں کی۔ میرا خیال تمہارے دلوں میں اپنی ماں کی بھی عزت نہیں ہوگی۔ (۱۵)

یہ نئے الفاظ میری گفتگو کا اس زمانے میں حصہ بنے تھے جب میں ک میں تھا جیسے برولیتاریہ بورجوازیتہ اور استحصال، جنھیں میں اپنے ملک میں کم ہی زبان پر لاتا تھا۔

ناول میں ایک جگہ چند پاکستانی ملازمین کا ذکر ہے جو امریکی کمپنی جس میں وہ کام کرتے ہیں اس میں ہونے والی ناانصافیوں کے خلاف درخواست لکھواتے ہیں اور اس کی ایک نقل عربی حکومت کو بھی بھیجتے ہیں کہ اس کمپنی میں ان سے جو نچلے درجے کے امریکی ملازمین تھے ان کی تنخواہیں ان کے مقابلے میں دگنی تھیں۔ اور ان کا مطالبہ تھا کہ ان کی تنخواہیں بھی بڑھائیں۔ ان کا مطالبہ تو جائز تھا لیکن اس درخواست کے نتیجے میں ان سب پاکستانیوں کو ملک بدر کر دیا گیا۔ یہ عدم مساوات عالمگیریت ہی کا چہرہ ہے۔

عرب کے کینے سے بڑھ کر اس کے اونٹ کا اور اونٹ کے کینے سے بڑھ کر "امریکی کا ہوتا ہے۔ اگر یہ نکتہ میرے پاکستانی دوستوں کو معلوم ہوتا تو وہ کبھی احتجاج نہ کرتے۔ دولت جس طرح ایک فرد کا دماغ خراب کر سکتی ہے تو زیادہ دولت ایک قوم یا ملک کا دماغ خراب کر دیتی

ہے۔ ایک فرد کو تمیز اور تہذیب تب تک نہیں سکھائی جا سکتی جب وہ خود نہ چاہے تو ایک قوم کو کیسے سکھائی جا سکتی ہے۔ (۱۶)

اس ناول کا دوسرا اہم کردار منیرہ کا ہے۔ منیرہ کا کردار ناول کے شروع میں سامنے آتا ہے اور آخر میں بھی آتا ہے لیکن وہ پورے ناول میں چھائی رہتی ہے۔ اس کے دل میں کہنے کے لیے بہت کچھ ہے لیکن اس کی باتوں کو سننے اور سمجھنے والا کوئی نہیں ہے۔ منیرہ بات کرنے کا ہنر اور بات کو برداشت کرنا جانتی ہے۔ وہ لباس سے ایک موڈرن مغربی لڑکی ہے۔ وہ مغربی طرز کا لباس پہنتی ہے۔ اس ناول میں منیرہ کے کردار کے ذریعے حسن منظر نے عالمگیریت کے اثرات کو واضح کیا ہے کہ کس طرح مغرب کی تہذیب کو اپنا لیا گیا ہے۔ منیرہ کا تعلق تو عرب سے ہے لیکن وہ انگریزی طرز کا لباس پہننا پسند کرتی ہے۔ حسن منظر نے بتایا ہے کہ عالمگیریت کے باعث امریکا کا عرب پر کتنا اثر پڑا ہے۔ چار سال بعد جب زید ک سے واپس آتا ہے تو کچھ دیر منیرہ سے ملتا ہے اور کچھ دیر کے لیے وہ خوابوں کی دنیا میں کھو جاتے ہیں۔ منیرہ Slumber کی کیفیت میں ہے۔ یہاں مکالمے مختصر لیکن پُر اثر ہیں۔ "العاصفہ" میں جہاں تیل پر امریکا کے قبضے کو بیان کیا گیا ہے ساتھ ہی ساتھ منیرہ اور زید کی معصوم محبت کی کہانی کو بھی اس میں بیان کیا گیا ہے۔ ایسی محبت جسے الفاظ میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس میں خاموشی گفتگو اور بے زبانی زبان بن جاتی ہے۔ اس محبت میں ایک دوسرے کو دیکھ لینا ہی کافی ہوتا ہے اور ایسی محبت ناکام ہو کر بھی کامیاب ہو جاتی ہے۔ محبت وہی اچھی ہوتی ہے جس کا اظہار نہ ہو جس پر پردہ پڑا رہے۔ منیرہ سے زید کی آخری ملاقات ایک ہسپتال میں ہوتی ہے۔ جہاں وہ بیمار پڑی ہوتی ہے۔ زید اُس کو اِس حالت میں دیکھ کر خود سے کہتا ہے۔

کیا منیرہ کی زندگی خاتمے پر تھی اور اس کے شوہر نے اسے وقتی طور پر مستقبل میں بے کار سمجھ کر چھوڑ دیا تھا؟ شادی کے سال بھر کے اندر، اندر بیڈ کے نیچے لٹکی ہوئی تھیلی میں پیشاب تھا اور اس میں تھوڑا خون بھی تھا۔ بچے دانی کام کر رہی تھی لیکن فی الحال بے کار تھی۔ منیرہ عرب تیل کی طرح تھی جو جلد سے جلد ختم کیا جا رہا تھا۔ (۱۷)

منیرہ کا کردار توجہ طلب ہے اس کردار میں ایک انفرادیت ہے۔ منیرہ کو اس نے تیل سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح عرب کے تیل کو ختم کرنے کے لیے امریکا نے کوشش لگا رکھی ہے کہ کس طرح جلد از جلد اس تیل کو یہاں سے حاصل کیا جا سکے۔ زید کہتا ہے ہو سکتا ہے کہ ہمارے تیل کے کنوؤں میں ایک پاس کی زمین سے تیل بھر جائے۔

ناول میں ایک اہم کردار زید کی بہن لوء لوء کا ہے۔ لوء لوء ایک منہ پھٹ اور ضدی لڑکی ہے۔ ماں کو اس سے بیر ہے۔ لوگ لوء لوء کو پاگل سمجھتے ہیں۔ اس کی دو خطرناک عادتیں تھیں۔ ایک شعر کہنا اور دوسرا اچانک بے ہوش ہو جانا۔ گھر کے گھٹے ہوئے ماحول اور ماں باپ کی بلاوجہ کی سختی نے اسے نفسیاتی مریض بنا دیا ہے لیکن لوء لوء کے اندر ایک فنکار چھپا ہوا ہے اس لیے وہ بڑی حساس ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بہت اثر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بہت دکھ اٹھاتی ہے۔ زید کو اپنی بہن سے بہت لگاؤ ہے۔ زید اور لوء لوء مل کر خاندان کی گاڑی کھینچ رہے ہیں اور اس کے بدلے میں دونوں کی کوئی تعریف تک نہیں کرتا ہے۔ لوء لوء کا کردار ایسا ہے جو تمام استحصالی طبقے کا استعارہ ہے کہ معاشرے میں کس طرح استحصال کیا جاتا ہے۔ "العاصفہ" میں جو سماج بیان کیا گیا ہے وہ طبقاتی سماجی نظام ہے۔ جس میں طاقت رکھنے والے کو ہر وہ کام جائز ہے جو نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والوں کے لیے سزائے موت سے کم نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں تاریخی عمل کے نتیجے میں پیدا ہونے والا ایسا طبقاتی نظام ہے جو محنت کرنے والوں اور محنت کے استحصال کرنے والوں پر مشتمل ہے۔ ایسے نظام میں قوتوں پر ایک طبقے کے اجارے کے نتیجے میں افراد کی زندگیوں کے مقاصد غالب طبقے کی آئیڈیالوجی کی رو سے طے ہوتے ہیں مثلاً لوء لوء کی زندگی کا فیصلہ اس کی سوتیلی ماں کرتی ہے۔ اس صورتحال کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

> ایک دفعہ میں نے ماں کو باپ سے کہتے سنا تھا نہیں ہم لوء لوء کی شادی نہیں کر سکتے ہیں۔ جو لے گا سے مفت میں لے گا بلکہ کچھ ہم ہی سے لے کر۔ پھر اگر یہ چلی گئی تو گھر کا کام کون کرے گا۔ (۱۸)

لوءلوء کے کردار اور اس کے والدین کی سوچ سے کچھ اہم پہلو سامنے آتے ہیں مثلاً جس طبقے کو حسن منظر نے بیان کیا ہے کیا وہاں لڑکیاں بیچی جاتی ہیں اور دوسرا اگر لڑکی کسی بھی وجہ سے شادی کے قابل نہیں تو اس کو کام کرنے کے لیے گھر میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اس سماجی طبقے میں لڑکیوں کے ساتھ یہ سلوک روا ہوتا ہے جو لوءلوء کے ساتھ ہو رہا ہے تو اس طبقے کو صرف عرب طبقہ کا نہیں بلکہ پوری دنیا میں کسی بھی تہذیب میں اس قسم کے سماجی نظام کا استعارہ بن جاتی ہے جس کا پھیلاؤ کئی تہذیبوں تک ہو سکتا ہے۔ حسن منظر نے لوءلوء کا کردار اس طرح بیان کیا ہے۔

"ایسا ہی ہے تو گھر سے نکل کیوں نہیں جاتی؟"

"میں کیوں گھر سے نکلوں۔ گھر میرا بھی ہے تم ہی اس کے ساتھ بھاگ جاؤ۔ ماں لوءلوء کو گالی دیتی ہے۔

لوءلوء بے غیر جھجکے ماں کو وہی گالی دیتی ہے۔

ماں کہتی ہے

تجھے شرم اڑ گئی جو حرام کرتی ہے۔

لوءلوء پلٹ کر کہتی ہے

مجھے بھی معلوم ہے ان بچوں میں کتنے میرے باپ کے ہیں میں قسم کھا کر بتا سکتی ہوں۔ اس نے شام کو ہی یہ الفاظ میرے باپ کے سامنے دہرائے۔

دونوں عورتیں رو رہی تھیں۔

باپ نے مٹی سے بھری جوتی لوءلوء کے منہ پر مارنی شروع کر دی۔ [۱۹]

> ک پہنچنے کے تین مہینے بعد مجھے اطلاع ملی کہ لوءلوءایک برطانوی جزیرے میں جاچکی ہے اور مجھے یہ پہلے معلوم تھا کہ وہاں اور بھی بہت سی لڑکیاں اس جیسی بغیر باپ بھائیوں کے رہتی ہیں اور ان کے شوہر بھی نہیں ہوتے۔ (۲۰)

اس برطانوی جزیرے جس کا ذکر ناول میں کیا گیا ہے جہاں اس طرح کی لڑکیاں جاتی ہیں بہت سے سوالات پیدا کرتا ہے۔ کیا اس جزیرے میں لڑکیاں اپنی مرضی سے جاتی ہیں یا زبردستی لائی جاتی ہیں اور وہاں ان سے کوئی ناجائز کام کروایا جاتا ہے۔ اگر برطانیہ میں اس قسم کا جزیرہ ہے تو دنیا کی تمام تہذیبوں میں اس قسم کی جگہیں ضرور ہوتی ہیں کیونکہ جسم فروشی کا دھندہ تو ہر ملک میں ہوتا ہے۔ اس لیے یہ صرف برطانیہ نہیں بلکہ تمام ملکوں کی عکاسی ہے۔ لوءلوء کے کردار کو سامنے رکھیں تو واضح ہوتا ہے کہ لوءلوءاور اس طرح کی دوسری لڑکیاں جو برطانیہ کے ایک جزیرے میں گھروں سے بھاگ کر زندگی گزار رہی ہیں وہ تمام کی تمام خود مختاریت رکھتی ہیں اور جسم فروشی کو اپنا حق سمجھتی ہیں یعنی وہ اپنے معاملے میں آزاد اور خود مختار ہیں جو چاہیں کر سکتی ہیں کسی کو یہ حق نہیں کہ ان کے زندگی گزارنے کے طریقے متعین کرے۔ ناول میں یہ اصول فلسفانہ پس منظر میں نہیں بلکہ بیانیہ میں ہی پیش ہوا ہے۔ ایک عام فلسفانہ اصول ہے جس کا اطلاق تمام انسانوں پر ہوتا ہے، ناول کے آخری حصے میں زید لوءلوء کی تلاش میں اس جزیرے میں جاتا ہے اور وہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے۔

> بعد میں اسے کچھ بیماریاں وہ گئی تھیں۔ اندرونی بھی اور کھال کی بھی۔ جن کے بعد اسے نوٹ کی طرح جو سرکولیشن میں نہ رہا ہو اور جسے قومی بینک واپس لے لیتا ہے اور وہ غائب ہو جاتا ہے وہ سوسائٹی میں سرکولیشن سے غائب ہوگئی۔ یہاں سمندر چاروں طرف ہے اور اس پانی میں شارکس بھی ہیں۔ پتہ نہیں قدرت کے کس بینک نے اسے واپس لے لیا۔ (۲۱)

اس ناول کا ایک کردار علی بن سعید یا ابو زید اس ناول میں Villon نظر آتا ہے لیکن اس کے علاوہ بھی اس ناول میں کہیں بڑے Villon موجود ہیں۔ بس سوچنے کی ضرورت ہے۔ ابن سعید بدو ہے اور پختہ علاقوں کا مالک ہے۔ ایک شرم، چالاک اور دوسروں سے کام نکلوانے والا۔ سعید کے کردار کے ذریعے بدو کلچر کی نمائندگی کی گئی ہے لیکن اس رخ کے ساتھ ساتھ ابن سعید کی زندگی کا ایک رخ اور بھی ہے جو کم ہی ہمارے

سامنے آتا ہے۔ جب وہ اپنے گاؤں ریگستان جاتا ہے تو زید کے بقول: ”رات کو سارے مرد عرصہ ناچتے رہے اور میرا باپ ایک بڑھیا کے ساتھ بیٹھ کر گھنٹوں روتا رہا۔ بعد میں پتہ چلا وہ بوڑھی عورت لوءلوء کی نانی ہے۔“(۲۲)

”العاصفہ“ کے تمام کردار خوشی کی تلاش میں رہتے ہیں جو انھیں نہیں ملتی لیکن محمد بادوغیش اور اس کی بیوی خوش اور مطمئن ہیں۔ ان کی خوشی کا راز ایک دوسرے کو قبول کرنا۔ رشتے کا احترام اور مضبوطی ہے۔ مرد اور عورت دونوں کو سمجھ نہیں آتا کہ اس رشتے کو کیا نام دیا جائے۔ زید بتاتا ہے۔

> مجھے لگتا ہے میرے دماغ میں فاطمہ کے لیے ایک کشش پیدا ہوتی ہے جو اس سے مختلف ہوتی تھی جو ایک محبت کرنے والے دوست کی بیوی کے لیے ہو سکتی ہے یا اپنی بہن کے لیے۔ میں اس کشش کو جھٹک دیتا تھا اور فاطمہ سے کہتا تھا جی چاہتا ہے دوبارہ پیدا ہوں اور میرے پیٹ سے وہ میرے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہتی تھی۔ (۲۳)

”العاصفہ“ ایک تہہ دار ناول ہے۔ پردے اٹھتے جاتے ہیں اور نئے نئے مناظر سامنے آتے جاتے ہیں۔ یہ محبت کی کہانی ہے وہ محبت جس کے بارے میں H.W.Beesher نے کہا تھا

> Of all earthy music that which reaches farthest into heaven is the beating of a truly loving heart. (۲۴)

”العاصفہ“ ناول لوکل بھی ہے، نیشنل بھی اور انٹر نیشنل بھی۔ اس ناول میں مقامی رنگ بھی ہے اور بین الاقوامی رنگ بھی موجود ہے۔ اس ناول کے کردار مقامی بھی ہیں اور بین الاقوامی بھی۔ ان کرداروں کے مسائل بھی دونوں طرح کے ہیں۔ غیر ملکی ہمارے ملک میں اپنے فائدے کے لیے آئے تھے اور ان کا زیادہ مقصد ہی لوٹ کھسوٹ ہے۔ انگریزوں نے برصغیر کو معاشی طور پر مفلوج کیا۔ انہوں نے یہاں دنیا کا سب سے بڑا نہری نظام دیا۔ ریلوے کا نظام متعارف کروایا لیکن یہ بھی واضح ہے کہ یہ سب ترقیاتی کام مقامی لوگوں کی فلاح کے لیے بلکہ اپنے مفاد کے لیے کیے گئے۔ اس کا فائدہ تو مقامی لوگوں کو ہوا لیکن اصل مقصد خام مال اور

تیار شدہ مصنوعات کی ترسیل میں سہولت پیدا کرنا تھا۔ اسی طرح نہری نظام کا مقصد بھی پیداوار حاصل کر کے اپنی فوج کے لیے خوراک کی ضروریات پوری کرنا تھا۔ وہ مقامی لوگوں کی فلاح و بہبود یا برصغیر کی ترقی کے لیے کس حد تک مخلص تھے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

عالمگیریت کی اس صورت کو نو آبادیات کہا جاتا ہے۔ اس کا سامنا بھی بہت سے ممالک کو تھا۔ اس کا مقصد دولت سمیٹنا تھا اور ملکی وسائل کو لوٹنا تھا۔ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ کیسے ملک کے وسائل کو لوٹا گیا۔ یہاں تک کہ قحط میں لوگ بچے فروخت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ تسلط کے اس دور میں ہر چیز بازار جنس بن گئی اور بھوک اعلیٰ اخلاقی اقدار کو کھا گئی۔ یہاں ایک مثال علامہ عبداللہ یوسف علی نے بیان کی ہے کہ

> انگلستان کا ایک وکیل ولیم ہکی William Hickey ۱۷۸۲ء اور ۱۸۰۸ء کے درمیان میں تین بار ہندوستان آیا اور آخری مرتبہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ کی خطیر رقم اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے ۱۷۸۹ء کے قحط کا حال اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ اس زمانے میں کلکتہ کے شہر میں بے کس اور لاچار لوگوں کا ایک دریا اُمڈ چلا آرہا تھا۔ لوگ جابجا سر راہ پڑے ملتے تھے۔ کئی دن تک پچاس کی اوسط میں لوگ روزانہ مرتے رہے اور یہ استحصال کسی ایک طبقے تک محدود نہ تھا۔ غیر ملکی آقا، ان کے اعلیٰ عہدیدار سے حکومتی مشینری کے نچلے طبقے تک سبھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہے تھے غیر ملکی آقا اس اصول پر کاربند تھے کہ جہاں تک اور جتنی جلدی ہو سکے ملک سے روپیہ اکٹھا کر کے وطن کی راہ لو۔ اعلیٰ حکام ماتحتوں سے کہیں زیادہ حریص تھے۔ اس لیے اپنی حرص پوری کرنے کے لیے انہیں ان ذرائع سے بھی دریغ نہ ہوتا جن سے ان کے ماتحت ظلم و جبر سے روپیہ وصول کر سکتے۔ [۲۵]

عالمگیریت کا مقصد ہر دور میں ایک ہی تھا یعنی ہر جائز و ناجائز طریقے سے سرمایہ اکٹھا کرنا، وسائل پر قابو ہونا ہے۔ یہی مقاصد قدیم دور میں بھی بڑی سلطنتوں کے رہے ہیں۔ جو مختلف علاقوں کو فتح کر کے ان کے وسائل سے استفادہ کرتیں۔ ان علاقوں کے لوگوں کا استحصال کر کے فنڈز کو بے دردی سے نوچا کھسوٹا جاتا۔ اسی مقصد کے تحت ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کا رخ کیا اور برطانوی دور حکومت میں مقامی لوگوں کا

استحصال کر کے سلطنت برطانیہ نے وسائل کا رخ اپنی طرف موڑا۔ یہاں تک کہ بنگال جو برصغیر کا خوشحال صوبہ تھا اس کی لاکھوں کی آبادی قحط کا شکار ہو کر موت کے منہ میں چلی گئی۔ بہر حال یہ استحصال ایک ہی سماج میں موجود طبقات کے درمیان بھی نظر آتا ہے۔"العاصفہ" میں بھی اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ ملکی وسائل ایلیٹ کلاس کے پیدا کردہ ہیں اور اب وہ بھی منافع کی دوڑ میں شامل ہیں۔ ان کو نہ اپنے لوگوں کی فکر ہے نہ اپنے ملک کی۔ یہ خود غرض، تنگ نظر اور وژن (vision) سے محروم لوگ ہیں۔ ماضی سے سبق سیکھنا اور مستقبل کے لیے منصوبہ بندی کرنا ان کے مذہب میں شامل نہیں وہ صرف آج کے بارے میں سوچتے ہیں۔ آج جو اپنے ملک میں ان کے ہاتھ میں ہے۔

> ک میں انگریز افسر اپنا فالتو کوتا اور شراب کے منکر Teetotalers پورے کا پورا عربوں کے ہاتھوں بیچ ڈالتے ہیں۔ اس طرح لوگ پیتے بھی ہیں اور ملک کی پارسائی کا بھرم بھی قائم رہتا ہے۔ وارین مجھے اپنے لیے ضروری سمجھتا تھا کیونکہ انگریزوں میں سے اس کے کسی مقامی ایجنٹ سے واقفیت ہو جائے تو شراب ہمارے ملک میں بھی لائی جا سکتی تھی۔
>
> سمندر میں تیل کی کھوج اور تیل کمپنی والوں کی ہماری حکومت سے دھوکے بازی، جو حقیقت میں ہمارے لوگوں سے دھوکے بازی تھی۔ لیکن ہم کیا ان کے خلاف منہ کھول سکتے ہیں۔ یہ امریکا اور یورپ والے ہماری حکومت کے پس پشت اپنی حکومت چلا رہے ہیں۔[۲۶]

"العاصفہ" اس دور میں اپنی جڑوں سے دور ہونے کی کہانی بھی ہے۔ حسن منظر خود ملازمت کے سلسلے میں مختلف علاقوں اور ملکوں میں رہے۔ یہی کیفیت ہمیں زید کے کردار میں بھی نظر آتی ہے۔ وہ چھوٹے موٹے کاموں کی تلاش میں مختلف جگہوں پر مارا مارا پھرتا ہے۔ خاص طور پر ک اور ب میں۔ یہ ک اور ب مختلف شہروں کے لیے علامتیں استعمال ہوئی ہیں۔ آج کے دور میں انسان جس طرح گھر، شہر اور ملک بدل رہا ہے پہلے دور میں اس کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ اس کی وجہ ذرائع نقل و حمل کی ترقی ہے۔ عالمگیریت کے باعث ذرائع نقل و حمل پہلے سے زیادہ آسان، بہتر اور سستے ہو گئے ہیں۔ لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ کم وقت اور کم خرچ میں پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن اپنی جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ جا کر بسنے والے اپنی شناخت کے کھو دینے کا

بہت درد محسوس کرتے ہیں اور یہ لوگ جو دوسری جگہ جا کر رہتے ہیں تو نیا کلچر اپناتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے کلچر کو بھی نہیں چھوڑتے ہیں اور ان لوگوں کے باعث ہی ایک عالمی کلچر پیدا ہو رہا ہے۔ ایسا کلچر جسے یونی کلچر کہا جاتا ہے۔ جو کہ عالمگیریت کا کلچر ہے۔ عالمگیریت کا مقصد یہی ہے کہ مقامی کلچر کو ختم کر دیا جائے اور ایک یونی کلچر ہو جو سب کے لیے یکساں ہو۔ حسن منظر نے ''العاصفہ'' میں اس صورتحال کی عکاسی کی ہے کہ امریکا نے ہر چیز پر قبضہ کیا ہوا ہے اور اس کے ذریعے وہ اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔

> باہر کے ملکوں سے جو کتب اور رسائل اور اخبار آتے تھے پہلے تیل کی کمپنی ان کا لیز ر کرتی تھی۔ کچھ رسالوں، اخباروں میں لفظوں اور سطروں پر بے ڈھنگے پن سے ایسی سیاہی بھری ہوئی ہوتی تھی کہ مٹائے نہیں مٹتی تھی۔ بعض میں سے صفحے غائب ہوتے اور اکثر وہ شمارے اور کتابیں بھی سرے سے غائب کر دیے جاتے تھے جو کمپنی کو پسند نہ ہوں۔ (۴۷)

عالمگیریت قومی حکومتوں کے کردار کو ختم کر کے اپنی تجارت و ثقافت کو فروغ دینے کی کوشش کر رہی ہے اور اس مقصد کے لیے یہ عالمگیر قوتیں مختلف حربے اختیار کرتی ہیں۔ کہیں فوجی آمروں کے ذریعے جمہوریت کی بساط لپیٹ دی جاتی ہے اور کہیں حکومتوں کو خرید کر یہ مقصد حاصل کیا جاتا ہے۔ جہاں وہ ان قوتوں کی حسب منشا کام نہ کریں وہاں انھیں مروانے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا ہے۔ حسن منظر نے ''العاصفہ'' میں عالمگیریت کی آلہ کار بڑی کمپنیوں اور ان کی آلہ کاری بڑی طاقتوں کے حوالے سے درست تجربہ پیش کیا ہے۔ ۸۰ء کی دہائی میں جب عالمگیریت کی یہ تحریک اپنی اس نئی تبدیل شدہ صورت میں اتنی واضح نہیں ہوئی تھی اس وقت بھی تیسری دنیا کے فرد کو یہ احساس ہے کہ عالمگیریت دنیا کو اکائی کے طور پر دیکھتی ہے۔ لیکن جو تفریق پیدا کرتی ہے تو Have اور Have not کی ہے اور اس کے علاوہ عالمگیریت کا طریقہ کار بدلتا رہتا ہے وہ مقاصد کے حصول کے لیے ہر حربہ اور ہر طریقہ جائز سمجھتے ہیں۔ ان کا مقصد زیادہ سے زیادہ دولت کمانا اور اکٹھی کرنا ہے اور جس قوت کے زور پر یہ عالمگیر قوتیں تیسری دنیا کا استحصال کر رہی ہیں وہ جدید ٹیکنالوجی کی قوت ہے۔ اب جنگوں کا زمانہ نہیں رہا ہے بلکہ اب ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر اپنا مقصد حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے وہ تیسری دنیا کی رسائی کبھی جدید ٹیکنالوجی تک ہونے نہیں دیتے ہیں اور اس لیے

وہ تیسری دنیا کے ممالک کو سیاسی عدم استحکام سے دوچار رکھتے ہیں اور بوقت ضرورت ان کو کام میں لا کر ان کے حقوق سلب کر لیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان ممالک میں دیگر اخلاقی برائیاں رشوت، سفارش، جبر، دھاندلی اور ناانصافی فروغ پاتی ہے اور تیسری دنیا کے ممالک پر ان ترقی یافتہ ممالک نے پوری طرح قبضہ کیا ہے۔

> اس دنیا میں امریکی اثر اتنا ہے کہ ادوار کا اندازہ اس سے لگایا جاتا ہے کہ امریکا کا صدر تب کون تھا، ترومین، آئزن ہاور، کینیڈی یا جونسن اور اب کون ہے۔ ایسا ہونا بھی چاہیے یہاں ہر چیز امریکا کی رضا سے ہے۔ اس جزیرے میں میرا خیال ہے طیور بھی امریکا کی اجازت سے اترتے ہیں اور وہاں کے آبدوزوں کی اجازت لے کر یہاں کے سمندر میں مچھلیاں پھیر امارتی ہوں گی۔ (۲۸)

جدید عالمگیریت ہو یا اس کا قدیم تصور مختلف ادوار میں اس کے مقصد میں یکسانیت موجود رہی ہے اور عالمگیریت کا مقصد ہر جائز و ناجائز طریقے سے سرمایہ اکٹھا کرنا ہی تھا۔ اس مقصد کے لیے دوسروں کا استحصال کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ استحصال کی یہ روایت ایک خاندان کے دوسرے خاندان، ایک قبیلے کے دوسرے قبیلے اور ایک ملک کے دوسرے کے وسائل پر قابض ہونے کے لیے حملے کے طریقہ کار میں ڈھلی۔ اس کے ساتھ ساتھ جائیداد کے تحفظ، خاندان کی بقاء اور ریاستی کنٹرول کو برقرار رکھنے کے لیے اخلاقی و اقداری ضابطے تشکیل دیے گئے۔ خیر و شر کا تصور بھی اسی لیے دیا گیا۔ خاندان کے بزرگ، قبیلے کے سربراہ اور ملک کے حکمران کو اتھارٹی مانا گیا۔ دوسری کی مادی اور غیر مادی ملکیت، ذہنی و روحانی، فنی و فکری ملکیت کا احترام لازمی قرار پایا۔ جائیداد، خاندان، طبقات اور ریاست کے ادارے وجود میں آئے اور آئین و قوانین کے تحفظ کے لیے فوج، پولیس اور عدالتی نظام وجود میں آیا۔ قوم پرستی، ، شہادت اور بہادری جیسے تصورات نے استحصال کو تقدس عطا کر دیا۔ کبھی رنگ و نسل کو بنیاد بنا کر ظلم و ستم، لشکر کشی اور استحصال کی راہ اپنائی گئی تو کبھی مذہب کو آڑ بنا کر دوسرے کے وسائل کو لوٹا گیا۔ اس کی شکلیں مختلف ادوار میں بدلتی گئیں۔ موجودہ دور کی شکل کو عالمگیریت کے دور کا نام دیا گیا ہے۔ سائنس کی ترقی، صنعت و حرفت، جمہوری نظام، نئے پیداواری

رشتوں، رسل و رسائل کے ذرائع، آلاتِ پیداوار اور سیاسی و سماجی نظاموں کی جدید ترین صورتوں نے دنیا کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ حسن منظر نے ” العاصفہ “میں بھی اسی سفاک نظام کو بیان کیا ہے جہاں انسان غیر جمہوری ریاست میں بے بسی اور گھٹن کے جذبات کے ساتھ زندگی گزار رہا ہے۔ جہاں وہ اپنے خیالات کا اظہار بھی کھل کر نہیں کر سکتا ہے کیونکہ اس معاشرے پر امریکا پوری طرح قابض ہے۔وہاں ہر بات امریکا کی مرضی سے ہوتی ہے اور شاہی خاندان کے ملک بھی ان کی مرضی کے بغیر بات نہیں کر سکتے ہیں۔

> یہ امریکا اور یورپ والے ہماری حکومت کے پس پشت اپنی حکومت چلا رہے تھے۔ باہر کے ملکوں سے جو کتب اور رسائل اور اخبار آتے تھے پہلے تیل کی کمپنی ان کا لیز کرتی تھی۔ خود آئل کمپنی جس ملک کی تھی وہاں کی عوام اپنے رسالوں، کتابوں کے اس حشر پر کبھی رضامند نہ ہوتے۔ ایک اور بات ایسی کتابیں یا رسالے بار بار منگوانے والے کبھی کبھی سرزنش کے لیے مرکز الشرطہ میں بلا لیے جاتے تھے جہاں انھیں دھمکیاں سننی پڑتی تھیں۔ان تیل کمپنی والوں کا لین دین ایسا تھا جو ہمارے یہاں کے ایک معمولی دکاندار کو بھی شرماتا۔[۲۹]

” العاصفہ “ کے اختتام پر حسن منظر نے ایک استحصال زدہ عرب معاشرے کو دکھایا ہے کہ جو صدیوں بعد بھی اپنے لیے کوئی باوقار معاشرت اختیار نہیں کر سکا بلکہ وہ صدیوں سے پرانی راہ پر گامزن معاشرے میں ہی زندگی پر مجبور ہے۔وہ اس معاشرت میں تبدیلی کا خواہاں ہے۔جہاں ملک کے سربراہ پر اگر ذرا سی تنقید کی جائے تو اسے ذنجبین میں پھنکوایا جاتا ہے۔اخباروں میں سب سے اچھا ہونے کی خبریں چھاپی جاتی ہے جہاں عورتوں کو محض عیاشی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ مغربی آقاؤں کے لیے خواتین کچھ اور ہوں۔ سزاؤں کی مضحکہ خیز نظام ہو، جہاں عوام کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ملک کا خزانہ زیادہ تر حکمرانوں اور ان کے بچوں کے تصرف میں خرچ ہوتا ہے۔جہاں باہر سے آنے والی کتب، رسائل اور اخبارات کی چھان بین کی جاتی ہے تاکہ اس ملک کے عوام کو دنیا کا شعور حاصل نہ ہو سکے بلکہ وہ غلام ہی رہیں۔اگر ان کو دنیا کا شعور آ گیا تو وہ شاہد بغاوت پر اتر آئیں لیکن ساتھ ساتھ حسن منظر نے یہ بھی بتایا کہ عرب پر امریکا اتنا عرصہ قابض رہا لیکن اتنا عرصہ لٹنے کے بعد اب حکومت کی آنکھ کچھ کھل رہی ہے کہ ان پر امریکا نے قبضہ کیا ہوا ہے۔ اس لیے وہ

شاہی خاندان کے لڑکوں کو تعلیم کے لیے یورپ اور امریکا بھیج رہا ہے تا کہ وہ وہاں سے تعلیم حاصل کر کے آئیں اور اپنے ملک میں آکر وہ کمپنیاں جن کو امریکا چلا رہی ہے اپنی کمپنیاں خود چلائیں اور اپنے فنانس کو سنبھالیں لیکن شاہی خاندان کے لڑکے جو بگڑے ہوئے ہیں وہ وہاں جا کر جو کھیلنے لگتے ہیں۔ قیمتی سے قیمتی کاریں خریدتے ہیں۔ انھیں اپنے ملک کے دفاع سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

> شہزادے ان قیمتی کاروں کے حادثوں میں اگر خود نہیں مر جاتے تو نئی کار کے لیے رقم گھر سے طلب کرتے تھے کہ پچھلی کار کھلونا تھی۔ ایک تصادم بھی نہیں جھیل سکی۔ اب اسے ایک زیادہ مضبوط کار خریدنی ہے۔ مر جانے والی کی لاش خاص طیارے سے ملک واپس لائی جاتی اور اسے شہید کی عزت نصیب ہوتی لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کس کی دولت خرچ کر رہے ہیں۔ اپنی پیدا کی ہوئی یا ہمارے مزدوروں کی؟ (۳۰)

حسن منظر نے ''العاصفہ'' میں بتایا کہ ایسی قوم میں انقلاب بھی نہیں آسکتے جیسے انقلاب روس، فرانس اور ایران میں آئے۔ جس کے نتیجے میں بہت سارے لوگ مارے جانے کے بعد ایک نیا سماج پیدا ہوا لیکن اس قوم میں انقلاب بھی نہیں آسکتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا معاشرہ ہے جہاں جاسوسوں اور ان کے گماشتوں کا جال بچھا ہوا ہے وہاں انقلاب بہت طویل عرصے بعد آتا ہے۔ پھر جہاں جمہوری شعور اور حقوق کا احساس جدید دور میں چند محدود افراد میں ہی پروان چڑھ رہا ہو وہاں تبدیلی کے لیے لمبا عرصہ درکار ہوتا ہے۔

اس ناول میں حسن منظر نے ایک معاشرے کی خوب صورت عکاسی کی ہے۔ حسن منظر سے قبل رشیدہ رضویہ نے اپنے ناولوں ''لڑکی ایک دل کے ویرانے میں'' اور ''گھر میرا راستے غم کے'' ان ناولوں میں انہوں نے عراق اور اس کے قریب کے عرب ممالک کے کرداروں کے ذریعے عراق کی پُر انتشار داخلی صورتحال کی کامیاب فنی و فکری عکاسی کی ہے۔ حسن منظر نے بھی عرب خطے کی داخلی صورتحال کی خوب صورت عکاسی کی ہے۔ رشیدہ رضویہ کے حوالے سے ڈاکٹر اختر نے لکھا تھا کہ انہوں نے نئی الف لیلیٰ مرتب کی ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان کے مطابق ''العاصفہ'' میں اس الف لیلیٰ کا پارٹ ٹو دکھایا گیا ہے۔

> حسن منظر کو یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ انہوں نے ایک عرب ملک ہی صحیح معنوں میں فوکس کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ آنے والے دور میں اردو ناول کا رجحان بن جائے کہ چند پاکستانی کرداروں کو لے کر ایک غیر ملکی سماج کے سماجی، سیاسی، تہذیبی اور اخلاقی سروکاروں کی منظر کشی کی جائے۔ (۳۱)

حسن منظر نے عرب ملک کے معاشرتی، سیاسی، سماجی اور اخلاقی رجحانات کو طنزیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ خاص طور پر استبدادی رجحانات۔ آئل کمپنی کے غیر ملکی مالکان کے لیے علیحدہ قوانین، عرب شہزادوں کی مستیاں اور امریکا میں اپنی عیاشیوں پر ڈالر خرچ کرنا۔ عورتوں کا عرب لباس کے اندر مغربی لباس پہننا جو کہ عالمگیریت کا واضح اثر ہے اس کے علاوہ عرب نوجوانوں کا دو تین شادیوں کی خواہش لے کر پیدا ہونا اس سب کی عکاسی کی گئی ہے۔ ناول کے مضمون اور تہذیبی پس منظر کو دیکھتے ہوئے "العاصفہ" جو عربی میں طوفانی ہوا کو کہا جاتا ہے یہ نام بہت موزوں معلوم ہوتا ہے۔ ناول میں حسن منظر نے شہروں کے نام ک، ب، ن اور ش وغیرہ لکھے ہیں۔ اگرچہ بہت سے اشارے موجود ہیں جن سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا تعلق کس ملک سے ہے لیکن حسن منظر نے اسے یہ نام دے کر تمام ملکوں کا ستعارہ بنادیا ہے۔ جہاں پر سیاسی جبر، غیر ملکی معاشی تسلط ہے۔ اس جبر اور تسلط والے معاشروں میں رہنے والوں کی کی زندگی کتنی مشکل ہے۔ اس کا گہرا احساس" العاصفہ "کے کرداروں میں سمودیا گیا ہے۔ BBC کی رپورٹ میں لکھا گیا ہے۔

> " العاصفہ "کو لکھتے ہوئے حسن منظر کا مختلف معاشروں کا گہرا مشاہدہ تو کارآمد ثابت ہوا ہے۔ لیکن اس ناول کی رمزیت ان رجحانات کو سمجھنے میں بھی بہت مددگار ثابت ہوتی ہے جو پاکستانی معاشرے میں روز بروز زیادہ واضح ہوتے چلے جارہے ہیں۔ (۳۲)

حسن منظر نے ناول میں واضح کیا ہے کہ آج کل شہری ترقی کے نام پر اونچی اونچی عمارتوں کی تعمیر کا ایک سلسلہ چل نکلا ہے۔ ہر ملک اپنے اپنے مفادات کے تحت الگ الگ انداز سے دنیا کو پیش کر رہا ہے۔ حسن منظر نہ صرف ماحول کی عکاسی کی بلکہ موجودہ حالات کے امکانی نتائج کی نشاندہی کی ہے کہ آج عالمی سیاست میں امریکا اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے جس طرح دنیا میں تباہی مچائے ہوئے ہے وہ سب پر عیاں ہے اور اس کا

امکانی انجام بھی ہم جانتے ہیں۔ حسن منظر نے بتایا ہے کہ جب ریت کی آندھی چلتی ہے تو ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ لوگ اس آندھی سے بچنے کے لیے اپنے گھروں کے دروازے اور کھڑکیاں تو بند کرتے ہیں لیکن وہ اس کے اثرات سے نہیں بچ سکتے ہیں۔ حسن منظر نے دراصل "العاصفہ" کو انسان کی بے بسی اور لاچاری کا استعارہ بنا دیا ہے۔ مذہب کے نام پر قبائلی روایات کو سعوی عرب کے لوگوں پر مسلط کیا جاتا ہے اور خاص طور پر عورتوں پر اس ماحول اور روایات کو زیادہ مسلط کیا جاتا ہے۔ اس ماحول میں جس طرح ریت کے طوفان نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ موجودہ دور میں جو عالمگیریت کا سیلاب ہے اس نے بھی اسی طرح ہر چیز کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔ سعودی عرب کی عورتیں جن پر ہر طرح کی پابندی ہے لیکن عالمگیریت کے باعث اب ان کے رہن سہن میں بھی تبدیلی آرہی ہے۔ "ہماری عورتیں جب برقعہ اتارتی ہیں تو دھچکا سا لگتا ہے۔ اس میں سے ایک مغربی عورت نکلتی ہے۔ اس کی تعلیم کی کمی کو مغربی لباس پورا کر رہا ہے۔"(۳۳)

عالمگیریت کے مطالعات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کارپوریشنز کا منافع مقامی ثقافت، ماحول، وسائل اور مقامی افرادی قوت کے استحصال پر مبنی ہے۔ یہ استحصال ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے لیکن عالمگیریت کی وجہ سے دنیا کے مختلف ممالک کے اندر مختلف طبقات کے درمیان آمدنی میں تفاوت بڑھا ہے۔ "العاصفہ" میں بھی اسی بات کی عکاسی کی گئی ہے۔ زید جو معاشرتی، سماجی اور سیاسی اصلاح کا خواہاں ہے وہ چاہتا ہے کہ ملک اس دور میں لَوٹ جائے جہاں امیر اور غریب میں فرق نہیں تھا۔ خلیفہ وقت، پیوند لگے کپڑے خود پہن کر اچھے کپڑے تن سے اتار کر ناداروں کو پہنا دیا کرتے تھے لیکن اب اس معاشرے میں غریب اور امیر کے درمیان فرق کیا جارہا ہے۔ عالمی معیشت گزشتہ دو صدیوں میں زیادہ غیر مساوی ہو چکی ہے کیونکہ ملک کے اندر عدم مساوات نے موجودگی کا کوئی نمایاں رجحان ظاہر نہیں کیا اور عالمی معیشت گزشتہ صدیوں میں زیادہ مربوط ہو گئی ہے۔ ان عوامل کا نتیجہ اقوام کے مابین عدم مساوات میں اضافہ ہے۔ اس حوالے سے پیٹر لنڈرف اور ٹیفرے جی ولیم سن Peter H. Lindref and Teffrey G. Williamson اپنے مضمون میں لکھتے ہیں۔

The world economy has become more unequal over the last two centuries. Since with in country inequality exhibits no ubiquitous trend, it follows that virtually all observed rise in world income inequality has been driven by widening gaps within nations. Meanwhile, the world economy has become more globally integrated over the past two centuries. (۴۴)

حسن منظر کا عہد ملکی اور غیر ملکی دونوں سطحوں پر تبدیلیوں کا عہد رہا ہے۔ انقلاب روس۱۹۱۷ء پھر مارکسزم، سوشلزم، فاشزم، کیپیٹل ازم، نو آبادیاتی نظام، فکری طور پر دعوت فکر دے رہے تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد دنیا اگلی جنگ کے لیے تیار تھی۔ فکری سطح پر بر صغیر میں بیک وقت دو دھارے رواں دواں تھے۔ ایک طرف علم، تہذیب وشعور کی روشنی تھی تو دوسری طرف انتہا پسندانہ سوچیں فرقہ واریت کو ہوا دے رہیں تھیں۔ حسن منظر جس ادبی مسلک سے تعلق رکھتے تھے وہاں فکر کے دھارے پریم چند، ٹالسٹائی، دوستوفسکی، ٹیگور کے ساتھ دیگر غربی ممالک ادیبوں کے مطالعہ سے تقویت پا رہے تھے۔ حسن منظر نے بھی ان ادیبوں سے استفادہ حاصل کیا۔

حسن منظر کی تخلیقات کی اہم خوبی تنوع ہے یہ تنوع موضوعات میں، لوکیل میں، کرداروں میں اور زبان اور اسلوب کی سطح پر دیکھا جاسکتا ہے لیکن ان کے ناولوں میں اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا ہے۔

ناول ”العاصفہ“ کو دیکھا جائے تو اس کا اسلوب سادہ و دلفریب ہے۔ درست الفاظ کا انتخاب، جملوں کی ساخت اور ربط ماحول کو دلکش اور معطر بنا کر کہانی کو دل میں اتا دیتے ہیں۔ اس اسلوب کی وجہ سے ان کے ناول کے کردار وواقعات نظروں کے سامنے آجاتے ہیں اور ہم ان کی موجودگی محسوس کرنے لگتے ہیں۔

حسن منظر سادگی و پرکاری سے بات کہنے کا ہنر جانتے ہیں وہ اپنے دل میں جھانکتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں اسی وجہ سے لکھنے والے کے دل کی بات پڑھنے والے کے دل کو چھوتی ہے۔ مثلاً ”العاصفہ“ کا ایک اقتباس

میں گھر میں داخل ہوا تو سب صحن میں جمع تھے۔ دھیمی روشنی ایک کونے سے آ رہی تھی اور چاندنی میں سب پلنگوں پر بیٹھے تھے۔ وہ رات گرمیوں کی ایسی رات تھی جب اوس میں بھیگے ہوئے بچھونوں پر چھوٹے بچے سوتے میں بار بار کنمناتے ہیں اور عورتیں بیٹھی ہوئی سوئی سی لگتی ہیں۔ (۳۵)

اردو ادب میں جہاں عالمگیریت کے ماتحت بہت سی تبدیلیاں آتی ہیں اور نئی نئی ادبی اصناف متعارف ہو رہی ہیں وہیں رائج ہو جانے والی اصناف میں داخلی تبدیلیاں بھی وقوع پذیر ہو رہی ہیں اور نئے طرز احساس کے اظہار کے لیے نئی نئی تکنیکیں بھی استعمال کی جاری ہیں۔ ان میں سے ایک بہت اہم تکنیک نثر کا نظمیہ انداز ہے۔ اردو کے جدید ناولوں، افسانوں، سفر ناموں، رپورتاژ سمیت تمام نثری اصناف میں یہ تکنیک بڑی کثرت اور خوبی کے ساتھ استعمال کی جا رہی ہے۔ جہاں لمبے طویل فقروں کا کام چھوٹے چھوٹے آزاد نظم کے مصرعوں سے ملتے جلتے جملوں سے لیا جاتا ہے۔ ”العاصفہ“ کی نثر خوبصورت اور شاعرانہ ہے۔ اس کی نثر میں ایک طرح کا جادو ہے۔ کئی چھوٹے چھوٹے جملے مصرعوں کی طرح لگتے ہیں مثلاً

اس کی رنگ موتی ایسی ہے اور ہونٹ باریک

اس دن میں نے لوء لوء کو گرم ہوتے دیکھا جس طرح لوہا تپائے جانے پر آہستہ آہستہ گرم ہونے لگتا ہے۔

باہر رہ کر تم نصف پاگل ہو گئے ہو اور پاگل نئی نئی باتیں سوچنے لگتے ہیں۔

پورا شہر اور حد نگاہ تک کے اطراف کو عاصفہ نے ڈھانپ رکھا تھا۔

میں نے کئی بار منیرہ سے کہا تھا اپنی ایک تصویر دو، موجودہ اور اس نے کہا بس جیسی ہوں ایسی ہی یاد رکھنا۔

ناول میں حسن منظر نے انگریزی اور عربی کے بے شمار الفاظ کا استعمال کیا ہوا ہے۔ جو زبان کی عالمگیریت کی نشاندہی کرتا ہے مثلاً

میں نے غصے میں کہا" ایش تبغیٰ؟

یاحاضرین القبر۔

واشوف قضی النھر (۳۶)

ہاتھ پھیرنے پرPop Conایسا لمس پیدا کرتے ہیں۔

ک میں انگریز اپنا فالتو کوتا اور شراب کے منکر Teetotalers پورے کا پورا عربوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں۔

It is a simple as Zaat Monsieur Zaid.

Empereurنے اگلی صبح اسے ایک عام امراۃ سےPrincessشہزادی بنادیا۔

Believe me mademoiselle it will zit you, your husband will appreciate it even more. (۳۷)

العاصفہ میں حسن منظر نے اس بات کی عکاسی خوبصورت انداز میں کی ہے کہ معاشرے میں معیار تبدیل ہوگئے ہیں اور جو معاشی لحاظ سے مستحکم ہے اس کے لیے قوانین کچھ اور ہیں اور غریب کے لیے کچھ اور ہیں۔ آج کے دور میں انسان ایسی دنیا کی خواہش رکھتا ہے جہاں اچھائی اور برائی کو واضح طور پر پہچانا جاسکے۔ العاصفہ اپنے سیاق وسباق میں اسی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ العاصفہ میں جدید دور کے مسائل کا ذکر ہے۔ عالمگیریت کے اثرات جس طرح ہر چیز پر مرتب ہوئے ہیں ادب پر بھی اس کے گہرے اثرات ہیں۔ العاصفہ میں بھی اس کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ موجودہ دور کے معاشی، سیاسی، سماجی مسائل کو حسن منظر نے نہایت کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے ناولوں میں معاشرتی تنوع بہت اہم ہے۔ نہ صرف پاکستان کے شہر بلکہ ان کے پہلو بہ پہلو ہمیں امریکہ، ایران، جنوبی افریقہ اور کئی افریقی و عرب ممالک کا اثر دکھائی دیتا ہے۔ ان کے ناولوں میں عالمی معاشرت کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ حسن منظر نے العاصفہ میں عرب ملک کی تصویر کشی کے باعث

حسن منظر اردو ناولوں میں منفرد ناول نگار دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو اعلیٰ انسانی قدروں سے جوڑتے ہوئے مختلف معاشروں میں رہنے والے افراد کے دکھ سکھ کو بیان کیا ہے۔ حسن منظر کے ناولوں میں عالمگیریت مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے انھیں ایسے خالص انسانی جوہر کی تلاش ہے جو ہر جگہ موجود ہیں لیکن معاشرتی مصائب اس پر گہری تہہ جما دیتے ہیں۔ شہروں کے احوال، ماحول کی یکسانیت اور لوگوں کے یکساں طرز عمل سے ہمیں حسن منظر کے اس تصور تک رسائی ہوتی ہے کہ وہ سب انسانوں کو ایک جیسا خیال کرتے ہیں۔ حسن منظر نہ صرف موضوعاتی سطح پر عالمگیریت کے مظہر کو اپنانے کی کوشش کی ہے بلکہ موضوعات کے مطابق ہی لسانی پیرائے بھی تشکیل دیے ہیں۔ موضوع اور لسانی پیرائے کی ہم آہنگی ان کے ناولوں میں عجیب لطف پیدا کرتی ہے۔ حسن منظر کا تشکیل کردہ اردو کا یہ لسانی پیرایہ ہمیں اپنے عصر کے تقاضوں سے زیادہ ہم آہنگ دکھائی دیتا ہے اور یہ اردو زبان کی اس قوت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی بدولت یہ زبان اپنا دامن وسیع کرنے پر ہمہ وقت تیار دکھائی دیتی ہے۔ ان کے ناولوں میں آنے والی یہ لسانی تبدیلیاں کسی بھی ناہمواری کا احساس نہیں ہونے دیتی ہیں۔ حسن منظر کے ناول ''العاصفہ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے مسکین احمد منصور لکھتے ہیں

العاصفہ جدید اردو ناول کی تاریخ میں جگہ پائے گا کیونکہ اس میں جدید دور کے مسائل کا ذکر ہے میں ایک نقاد کی اس رائے سے بالکل متفق ہوں کہ آنے والے دنوں میں اس ناول کا ذکر ہوتا رہے گا اور اس کے نئے نئے پہلو سامنے آتے رہیں گے۔ میری دلی خواہش ہے کہ العاصفہ انگریزی میں ترجمہ ہو کر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے۔ (۳۸)

حسن منظر نے بتایا ہے کہ سفید فام انسان کس طرح ساری دنیا میں انسانی اقدار کی پامالی کر رہے ہیں اور انسانوں کے استحصال سے اپنے سرمائے کے لیے انسانی خون کی کشید میں مصروف ہیں۔

سیاسی پہلو:

عالمگیریت میں جہاں ثقافتی، معاشی اثرات اہمیت کے حامل ہیں وہاں سیاسی جہت بھی نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ عالمگیریت معاشی عمل کے ساتھ ساتھ سیاسی عمل بھی ہے۔ جس کے پیچھے خاص ریاستی ادارے، نظریات، فکر اور ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں۔ اس جہت کے بارے میں قومی ریاستیں بہت سے تحفظات کا شکار ہیں۔ عالمگیریت کے علمبرداروں کی اس سلسلے میں بے تابی، ان کو لاحق خطرات اور اقتصادی حوالے سے مغربی ممالک کے تجارتی روابط میں بڑھوتری قومی مملکتوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کیونکہ اس نظام میں پوری حکومت، حکومتوں کے تمام ادارے اور ان کے طریقہ کار کو شامل کیا جاتا ہے۔ سیاسی عالمگیریت کا اہم پہلو ملک و ریاست کی کمی کی اہمیت اور سیاسی نظر نامے پر دیگر عناصر کا اضافہ ہے۔ سیاسی عالمگیریت اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ زیر بحث ہے۔ مشہور فکر جیراڈ نلٹی کا کہنا ہے

> Political globalization can be seen in changes such as global democratization, the formation of a global civil society, and the abandonment of the nation state as the sole actor in politics. (۳۹)

سیاسی عالمگیریت کو ایک مختلف تبدیلیوں جیسے دنیا کی جمہوریت اور ایک عالمی معاشرتی ادارے کی تخلیق کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے اور اسی طرح ریاستی مرکزیت میں تبدیلی خصوصاً سیاست کے میدان میں بھی۔

ریاست کا قدیم ماڈل اب عالمگیریت کے باعث متروک ہو گیا ہے اور اس وجہ سے نظام حکومت میں بھی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ اب ریاست کا دائرہ کار، اس کی سرگرمیاں اور صلاحیتیں تبدیل ہو گئی ہیں۔ اب نظام حکومت میں ریاست کے ساتھ ساتھ ذیلی ریاستیں، بالائے ریاستیں، ادارے اور مارکیٹ پر مبنی عالمی انتظامیہ اور عالمی سول سوسائٹی حصہ لیتی ہے اور اصول و ضوابط اور انضباتی سرگرمیوں میں بالائے ریاست ادارے،

مارکیٹ کی ایجنسیاں اور ساتھ ساتھ سول سوسائٹی کی تنظیمیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ اقوام متحدہ نے اپنے ادارے Bank for International statements کے ذریعے اپنے کاموں کا دائرہ پوری دنیا میں پھیلایا ہوا ہے۔ اس کا یہ اقدام بالائے ریاست اداروں کے مابین تعاون اور سرگرمیوں کی ایک اہم مثال ہے۔

عالمگیریت کے اس دور میں مختلف ممالک کی ذیلی حکومتیں پالیسی معاملات پر گفت وشنید کرتی ہیں اور پھر آپس میں معاملات طے کرتی ہیں۔ معاصر حکومتی ماڈل اس وقت تک نامکمل رہتا ہے جب تک اس میں صرف حکومتی ایجنسیوں، ذیلی حکومتی اداروں اور بالائے ریاست اداروں کو شامل کیا جائے۔ مارکیٹ کی قوتیں اور ادارے وہاں کردار ادا کرتے ہیں جہاں حکومتی ادارے خلاء چھوڑ جاتے ہیں۔ قوانین کی تشکیل اور اطلاق میں حکومتی اداروں کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ اداروں نے بھی نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔

ایک فعال حکومت اپنی معاشی، سیاسی اور سماجی پالیسیاں بنانے میں آزاد ہوتی ہے اور اپنے داخلی معاملات میں بیرونی عناصر کی مداخلت کو ناپسند کرتی ہے لیکن موجودہ دور میں یہ ماڈل فرسودہ ہو گیا ہے۔ سوویت یونین کے زوال کے بعد امریکہ نے نیو ورلڈ آرڈر متعارف کروادیا۔ اس کی بنیاد آزاد تجارت ،جمہوریت، امن، نسلی تعصب کے خاتمے پر رکھی گئی لیکن اس نئے ورلڈ آرڈر کے پس پشت ملٹی نیشنل کمپنیاں، مواصلاتی ادارے، عالمی مالیاتی ادارے ہیں جنہوں نے تمام سیاسی نظام کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ اس کا مقصد وہی معاشی ہے۔ کمزور ملکوں کے محدود وسائل کی حامل صنعتوں جن کا بڑی کمپنیوں کے ساتھ مقابلہ نہیں ہے ان کے وسائل کو لوٹنا ہے۔ ترقی پذیر ممالک اگرچہ آزاد ہیں لیکن ان ممالک کے تمام اختیارات عالمی طاقتوں اور ان کے معاون اداروں کے پاس ہیں۔ مقروض ممالک کا بجٹ اکثر ان اداروں کے نمائندے آئی۔ ایم۔ ایف اور ورلڈ بینک کی ہدایات کی روشنی میں بنایا جاتا ہے۔ ان اداروں کے نمائندے بھی اکثر بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں۔ اس کی مثال پاکستان میں ماضی قریب میں موجود ہے۔ ڈینی روڈرک Dani Rodrick لکھتے ہیں۔

Globalization has made providing social insurance by the government extremely difficult. International economic

integration is taking place in the context of resending government and reduced social obligations. (۴۰)

عالمگیریت نے معاشرتی تحفظ کی فراہمی کو حکومتوں کے لیے بہت مشکل بنادیا ہے۔۔۔ حکومتوں کے کردار کو ختم کرنے اور سماجی فرائض کو کم کرنے سے ہی عالمی معاشی نظام وقوع پذیر ہو رہا ہے۔

اگر کوئی حکمران اداروں کی پالیسیوں سے متفق نہ ہو تو اس حکمران کی جگہ دوسرا حکمران لانے اور حکومت کا تختہ گرانے میں بھی دیر نہیں لگتی۔ پاکستان کی حکومتوں میں بار بار تبدیلی اس کی اہم مثال ہے۔ اس تبدیلی کے پیچھے بھی انہی عالمی طاقتوں کا ہاتھ ہے۔ اس سلسلے میں جمہوریت ہو یا آمریت کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ جو حکومت بھی امریکی استعمار کی فرمانبردار رہے گی وہ حکومت جاری رہے گی۔ اس سے نہ صرف ان ممالک کے رہنے والوں کا استحصال کیا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات مزاحمت کے نتیجے میں کشت وخون کا بازار بھی گرم ہو جاتا ہے اور اس کے باعث قیمتی جانوں کا ضیاع بھی ہوتا ہے۔ امریکہ اور اس کے اتحادی جمہوریت اور بنیادی انسانی حقوق کا نعرہ لگاتے ہیں لیکن افغانستان، عراق، فلسطین میں لاکھوں بے گناہ انسانوں کو ان کے حقوق کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ لاکھوں معصوم بچے اور شہری لقمہ اجل بن گئے لیکن جمہوریت کے علمبرداروں کو کوئی فرق نہیں پڑا۔ سرمایہ دار ممالک میں کوئی ایسی جمہوریت نہیں جسے نمائندہ جمہوریت کہا جاسکے۔

حسن منظر کا ناول " حبس" جو ۲۰۱۶ء میں منظر عام پر آیا۔ اسے کراچی کے معروف ادارے شہرزاد نے شائع کیا۔ یہ ناول ۳۶۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا موضوع مسئلہ فلسطین ہے۔ اس ناول میں انہوں نے فلسطین کے لوگوں کی مشکلات کو نہایت تفصیل سے بتایا ہے۔ اس ناول کر مرکزی کردار ایریئل شیرون Ariel Sharon ہے جو اس ملک کا پہلا وزیر دفاع اور گیارھواں وزیر اعظم تھا۔ حسن منظر کا مطمع نظر ایریئل شیرون کی شخصیت کی تصویر کشی نہیں بلکہ اس کی زندگی کے ان آخری آٹھ سالوں کو جو اس نے دماغ کی شریان پھٹنے کے بعد فالج اور بے ہوشی کے عالم میں ہسپتال میں گزارے ان کو بیان کیا ہے۔ ایریئل شیرون وزیر دفاع اور وزیر اعظم بننے سے پہلے وہ فوج میں مختلف خدمات بھی سرانجام دیتا تھا اور انہی خدمات کے انجام

دیتے دیتے وہ جنرل کے عہدے تک پہنچا تھا۔ فوج میں ہونے کے باعث جو ظالمانہ اور سفاک فوجی آپریشن اس نے کیے تھے وہ اس کی وجہ شہرت بنے۔ ان کے ذریعے اس نے فلسطینیوں کو ان کی اپنی زمینوں اور گھروں سے بے دخل کر دیا تھا اور بستیاں اجاڑ کر ایک نیا ملک تعمیر کیا تھا۔ اس قبضے کے نتیجے میں قائم ہونے والی مملکت کے معماروں میں نمایاں نام ایرئیل شیرون ہے۔ حسن منظر تمہید میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> ایرئیل شیرون اس ملک جو ہمیشہ سے فلسطین کے نام سے جانا جاتا تھا لیکن ۱۹۴۸ء میں ازرائیل یعنی اسرائیل کہلانے لگا کا پہلا وزیر دفاع اور گیارہواں وزیر اعظم تھا۔ یہ تبدیلی صرف نام کی نہیں تھی۔ وہاں کی کل آبادی سے ملک کو خالی کرانے کے لیے کی گئی تھی۔ یورپ کے سفید یہودیوں کو وہاں لا بسانے کا یہ کار خیر فلسطینیوں نے نہیں کیا تھا نہ ان سے پوچھ کر کیا گیا تھا۔ اس کا تمغہ اعزاز پہلے برطانیہ اور اب امریکا کے سینے پر ہی ہے۔ [۴۱]

حسن منظر نے عالمگیریت کے سیاسی پہلو کی نشاندہی کی ہے کہ کس طرح امریکہ اور طاقتور حکومتیں ترقی پذیر ممالک اور وہاں کی حکومتوں پر قابض ہیں۔ اسرائیل اور فلسطین کی جنگ کے نتیجے میں فلسطین کے بچے، عورتیں، بوڑھے، مرد، معصوم شہریوں پر بمباری کر کے انھیں ہلاک کیا گیا۔ وہاں موجود ذرائع ابلاغ کی عمارتوں کو نیست و نابوس کیا گیا۔ وہاں کے سکول، رفاہ عامہ کی عمارتوں اور ہسپتالوں کو اسرائیل کی بمباری نے تباہ کر دیا۔ اس لڑائی کے باعث امریکا کا مکروہ چہرہ دنیا کے سامنے آ گیا جب اس نے مزاحمتی قرارداد کو یو۔ این ۔او میں اسرائیل کی حمایت میں ویٹو کر کے پاس نہیں ہونے دیا۔ اس سے دنیا نے جان لیا کہ امریکا میں کسی بھی پارٹی کی حکومت ہو اس کی خارجہ پالیسی نہیں بدلتی۔ حسن منظر "حبس" میں لکھتے ہیں۔

> اور تم سے پہلے اس زمین پر پناہ لینے کے لیے آنے والے اسپین اور پرتگال کے یہودی۔ Sephard: سمیت اسے اسرائیل کہنے سے تم یہاں کی کل آبادی میں ضم ہو جاؤ گے۔ خود کو تا قیامت سب سے علیحدہ رکھنے کے لیے بے اندازہ صرفے سے بچ جاؤ گے۔ آنے والے زمانے میں یہ احساس جرم بھی نہیں بتائے گا کہ بے گناہوں کے قتل اور ان کی آبادیوں پر

زمین، آسمان اور سمندر سے بمباری کرے۔ ان کی ملکیت پر قبضہ کیا تھا اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے فتویٰ لے لیا تھا کہ یہ قبضہ درست ہے۔(۴۲)

حسن منظر نے دراصل اس ناول میں ایریئل شیرون کے بے ہوشی اور غفلت کے آٹھ سالوں میں اس کے فکر و تخیل کی لغزشوں کو بیان کیا ہے۔ اس کی سوچیں، اس کی اذیتیں، اندیشے اور وہ سب باتیں جو اس کے ذہن میں تھیں ان کو پیش کیا ہے۔ انہوں نے شیرون کو اس کے ہسپتال کے کمرے میں بستر مرگ پر لیٹے ہوئے نہیں بلکہ اس کے ذہن کے اندر اتر کر اس کے دماغی عمل اور اسکے خیالات کو پڑھنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ناول ان حقائق پر مشتمل ہے جو گزشتہ صدی کے دوران فلسطین کی زمین پر رہے ہیں اور جنہیں کوئی بھی جان سکتا ہے۔ اب عالمی رائے عامہ تبدیل ہو رہی ہے۔ کیونکہ امریکا میں اسرائیل کی جارحیت کے خلاف آوازیں سننے میں آ رہی ہیں۔ اسرائیل کے تعلقات بہت زیادہ ہیں لیکن اس کے باوجود وہ میڈیا کی جنگ کر رہا ہے۔

امریکا اسرائیل کی حمایت کر رہا ہے کیونکہ امریکا میں یہودیوں سے بڑھ کر کوئی طاقتور لابی نہیں ہے۔ ماضی میں امریکا کے حکمران یہودیوں کے حمایتی رہے ہیں۔ انہوں نے ایسے اقدامات کیے جن کے باعث اسرائیل مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔ امریکا نے اقوام متحدہ سے ان قراردادوں پر سختی سے عمل کرایا جن سے اسرائیل مضبوط ہوتا۔ امریکا ۱۹۴۸ء سے لے کر اب تک اسرائیل کا معاون و مددگار رہا ہے اور اس سب کے پیچھے بھی امریکا کا ذاتی مفاد ہی ہے لیکن اب عالمگیریت کے اس دور میں میڈیا کے ذریعے امریکا کا چہرہ دنیا کے سامنے آ رہا ہے اور دنیا حقیقت سے آشناس ہو رہی ہے۔ حسن منظر نے اپنے ناول میں امریکا کی حکومت پر بات کرتے ہوئے لکھا ہے۔

امریکا سیدھے سادے لوگ ووٹ دے کر صدر لاتے ہیں یعنی نئی حکومت پھر نشست بیٹھ جاتے ہیں چاہے وہ دنیا بھر کی حکومتوں کو متزلزل کرتی پھرے۔ انہیں اپنے ملک سے باہر کی دنیا کی سیاست میں تل بھر بھی دلچسپی نہیں۔(۴۳)

دراصل اس ناول میں حسن منظر نے فلسطین کی سرزمین پر ہزار ہا سال سے بسنے والوں کو اس سے بے دخل کر دینے، ان کے کھیتوں، گھروں، سکولوں اور ہسپتالوں کو تباہ و برباد کرنے والوں کی عکاسی کی ہے۔

اس واقعہ کو ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا ہے جب دنیائے اسلام اس دردناک سانحے سے دوچار ہوئی جب فلسطینی عوام کو ان کی سرزمین سے جہاں وہ ہزار ہا سال سے رہتے چلے آرہے تھے وہاں سے نکال دیا گیا تاکہ وہاں ایک غیر ملکی خالصتاً یہودی استعماری ریاست کا قیام عمل میں لایا جاسکے جس کی بنیاد نسلی برتری کے اصول پر مبنی ہے۔ اسرائیلی فوج اور دہشت پسندوں نے فلسطین کی شہری آبادی کو اپنی زمینیں اور گھروں کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا جبکہ باقی ماندہ عرب نے اپنے آپ کو آناً فاناً ایک معزز و صاحب جائیداد اکثریت سے ایک محروم و مظلوم اقلیت میں تبدیل ہوئے اور خود کو اپنے ہی ملک میں غریب الوطن ہوتے پایا۔ بیسویں صدی میں جب دنیا کے مختلف ممالک میں بکھرے ہوئے بے وطن یہودیوں نے فلسطین آکر زمینیں حاصل کیں اور بستیاں بسانا شروع کیں اور اس کے بعد جب ۱۹۴۸ء میں اسرائیل قائم ہوا تو اس وقت ان کی کیفیات اور جذبات موجودہ دور کی نسبت مختلف تھے۔ امریکہ اور برطانیہ نے مل کر فلسطینی علاقے میں اسرائیلی حکومت قائم کروائی۔ اس حکومت کو قائم کروانے کا مقصد یہ تھا کہ عرب جو تیل کی دولت سے مالامال ہے۔ اسرائیل کے ساتھ جنگ میں الجھا کر انہیں معاشی، سیاسی، معاشرتی و تہذیبی لحاظ سے کمزور کر دیں اور اس مقصد کے حصول میں وہ کامیاب بھی ہوئے۔ اس سلسلے میں انہوں نے اخلاقی قدروں، تہذیبوں و معاشرتی اصولوں، انسانی رشتوں کو بھی پامال کر دیا اور اپنے مفادات کے حصول کو تمام چیزوں سے مقدس و مقدم قرار دے کر اس کی راہ میں آنے والی مشکلات کو دور کر دیا۔

بیت المقدس میں اسرائیل اور اس کے فوجی تاریخ کا شرمناک ظلم ڈھا رہے ہیں۔ فلسطینی عوام پر بمباری، قتل و غارت گری روز کا معمول ہے۔ سینکڑوں فلسطینی مسلمان اور ان کے گھر بمباری سے تباہ و برباد ہو گئے ہیں۔

اسرائیل کے قیام کے فوراً بعد عرب اور اسرائیل جنگ شروع میں جس میں بہتر اسلحے اور جنگی تربیت کی بدولت اسرائیل کو فتح ہوئی۔ ان جنگوں کے نتیجے میں اسرائیلی حکومتوں نے اسرائیل کے تحفظ کی خاطر

ضروری اقدامات کا نعرہ لگایا اور اس کی آڑ میں ہر جائز و ناجائز اقدامات کرنا شروع کر دیے۔ دنیا بھر میں سے یہودیوں نے اسرائیلی حکومت کی نہ صرف مالی مدد کی بلکہ مغربی خصوصاً امریکی حکومتوں کو مجبور کیا کہ وہ اسرائیل کے تمام اقدامات کی حمایت کریں۔ اقوام متحدہ میں اس کے خلاف قرارداد بھی پیش کی گئی لیکن امریکی حکومت کو مجبور کیا گیا کہ ان قراردادوں کو ویٹو کر دیں یا ان کے خلاف ووٹ دیں۔ یہ حکومتیں اپنی دولت مند اور بااثر یہودی شہریوں کی خوشنودی اور ان کے دباؤ کے تحت ایسا کرتی رہیں۔ اسرائیلی حکومتوں نے اسرائیل کے تحفظ کے نام پر نہ صرف عرب علاقوں پر قبضہ کیا ہے بلکہ اس قبضے کو برقرار رکھا ہے اور ان میں یہودی بستیوں کی تعمیر بھی شروع کر دی ہے۔ عربوں کو سیاسی و اقتصادی طور پر محکوم رکھنے، انھیں تعلیم اور سائنس سے نابلد رکھنے اور ان کی زبان اور ثقافت کی تخریب کاری اور بیخ کنی کے لیے ہر جائز و ناجائز طریقہ اپنایا۔

اسرائیلی فوجی حکومت کی تلوار اور دہشت و عذاب کی اس گھٹی ہوئی فضا میں سیاسی تحریک کے ساتھ ساتھ مزاحمتی ادب کی تحریک نے بھی جنم لیا اور نہ صرف فلسطین کے شعراء و ادباء بلکہ عرب دنیا میں ایک اچھوتے اور زندہ و جاوید ادب کی تخلیق کی گئی۔ برصغیر پاک و ہند کے شعرا اور ادباء نے بھی اپنی قلبی و دینی وابستگی کی وجہ سے مزاحمتی ادب میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اردو شعر و ادب میں بھی مسئلہ فلسطین کے باعث مزاحمتی ادب میں اضافہ ہوا ہے۔ مسئلہ فلسطین نے ہر شخص کو متاثر کیا ہے۔ یہ مسئلہ عالمی ادب کا موضوع رہا ہے۔ شاعر اور ادیب جو حساس ترین افراد ہوتے ہیں ان کا اظہار فطری ہے۔ یہ المیہ ہر بڑے قلم کار کے احساسات درد و کرب کے تجربات سے گزرا ہے۔ جس کے اظہار نے ادب کو وسعت بخشی ہے۔ معین شاداب اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

> نثر اور شاعری کی بہت سی اصناف میں مسئلہ فلسطین کو بیان کیا گیا ہے۔ ادب ہی نہیں بلکہ دیگر فنون لطیفہ میں اس دکھ کی عکاسی کی گئی ہے۔ مسئلہ فلسطین نے جس طرح عربی ادب کو نئی جہت عطا کی ہے۔ دیگر زبانوں کے ساتھ اردو شاعری کو بھی مالا مال کیا ہے۔ اس سے مزاحمتی ادب میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ [۴۴]

فلسطین پر یہودیوں کے قبضے اور اسرائیل کے منصوبے کے خلاف لکھنے والوں نے احتجاج درج کیا ہے اور اسرائیلی جارحیت اور اس کے جنگی جرائم کی مذمت کی ہے۔ فلسطینیوں کی جنگ تلوار کے ساتھ ساتھ لفظوں سے بھی لڑی جاتی رہی ہے۔ شعراء و ادباء نے فلسطینیوں پر ہوتے ہوئے مظالم دیکھ کر ان کے ساتھ اظہار یکجہتی کیا ہے اور ظلم کرنے والوں پر لعن طعن بھی کی ہے۔ اسرائیل اور ان کی حمایت کرنے والوں کو سنائی بھی ہیں۔ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلم ادیبوں نے بھی فلسطین پر ہونے والے مظالم کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ جہاں تک اردو قلم کاروں کا تعلق ہے تو علامہ اقبال سے یہ سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اسرائیل کا قیام اگرچہ علامہ اقبال کی وفات کے دس برس بعد عمل میں آیا لیکن وہ پہلے ہی سے اس خطے میں سامراجی سازشوں سے آگاہ تھے۔ اس کے علاوہ فیض احمد فیض، حبیب جالب، ادا جعفری، احمد فراز، کشور ناہید، فہمیدہ ریاض، شاہد حسین سمیت بہت سے شعراء شاعرات نے فلسطین کے موضوع پر نظمیں لکھی ہیں۔

ناول نگاروں میں الطاف فاطمہ، خالدہ حسن، انتظار حسین، خالد سہیل، حسن منظر جیسے بڑے ناول نگاروں نے فلسطین کے مسئلے کو اپنی کہانیوں میں اجاگر کیا ہے

حسن منظر نے اپنے ناول ” حبس “ میں مسئلہ فلسطین اور امریکہ کے کردار کو نہایت خوب صورتی کے ساتھ پیش کیا ہے جن کو جاننا ہر محب وطن کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

بلڈوزر چلا کر اپنے نئے شہر تعمیر کرنے والوں کی ڈھٹائی اور انسانیت کے نام نہاد علمبرداروں کی اس معاملے میں اسرائیل کی حمایت اور حوصلہ افزائی کرنے والوں کو بیان کیا ہے۔ انہوں نے صہونیت کے عزائم اور اس کے پس پردہ استعماری طاقتوں کے عزائم کو کھلم کھلا بیان کیا ہے اور انہوں نے ایریئل شیرون کے کردار کے ذریعے جو ہٹلر سے کہیں بڑھ کر ظالم تھا اس نے بے یارومددگار فلسطینی قوم کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا اور حق سچ کی تمیز کیے بغیر انسانوں کا قتل وعام کیا اس سب کو بیان کیا ہے۔ مغربی دنیا کے جمہوریت اور انسانیت کے علمبرداروں نے کیسے اس کی حمایت کی اور اقوام متحدہ میں کسی نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ جرمن قوم کس طرح اچانک یہودیوں کی دشمن بن گئی اور ان کو مارنے لگی۔ روس، فرانس، سپین، اٹلی، جرمنی، برطانیہ سب ہی ممالک سے انہیں ملک بدر کیا گیا لیکن اگر کوئی سوال اٹھائے گا تو امریکا اسے ویٹو کر دے گا۔

امریکا نے اسرائیل کی اس حرکت پر بجائے سینکشنز (پابندیاں) عائد کرنے کے نظریں دوسری طرف کر لی ہیں اور اگر اس دھاندلی کے خلاف کوئی فلسطینیوں کا حامی ملک اقوام متحدہ کا دامن انصاف پکڑے تو وہاں سیکورٹی کونسل میں اسرائیل کے ویٹو بردار Veto جنگ عظیم دوم کے فاتح ملک بیٹھے ہیں۔ (۴۵)

مغربی دنیا میں جانوروں تک کے حقوق کا خیال رکھا جاتا ہے اور وہ جانوروں کے حقوق کے لیے بے چین ہوتی ہے لیکن فلسطین پر ہونے والے مظالم پر وہ خاموش ہے۔ دراصل حسن منظر کا یہ ناول مغرب کے دوہرے معیار کا آئینہ دار ہے کہ جب مغرب کی استعماری قوت کو یہود پر ہونے والے ہولوکاسٹ کا کفارہ ادا کرنے کا خیال آیا تو قربانی کے لیے فلسطین کو چنا گیا اور اس کی ایک وجہ ان کا مسلمان ہونا بھی تھا۔

حسن منظر نے ایرک شیرون کے کردار کے ذریعے بیان کیا ہے۔ کھانے پینے میں حد سے زیادہ بے اعتدالی برتنے کی وجہ سے ایرئیل شیرون کی دماغ کی رگ پھٹ جاتی ہے اور اس پر فالج کا حملہ ہوتا ہے اور کوما میں چلا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ وہ ہدسہ ہسپتال یروشلم اور پھر شیبا میڈیکل سنٹر میں داخل رہتا ہے۔ اسے ہسپتال میں ماضی کے تمام کردار اور واقعات یاد آتے ہیں۔ جو کسی بھی لمحے میں اسے اکیلے نہیں چھوڑتے۔ وہ سب مریضوں، ڈاکٹروں اور نرسوں کی باتیں سنتا ہے اور انھیں فلم کی صورت میں دیکھتا ہے اور وہ اپنے ردعمل کا اظہار بھی اپنی حد تک کرتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ کس طرح نرسیں اور ڈاکٹر اس کے کمرے میں آتے ہیں اور اس کے بارے میں اپنی رائے کا کھل کر اظہار کرتے ہیں اور اس کے موجود ہونے یا نہ ہونے کو وہ اہمیت نہیں دیتے ہیں اور معاشقے چلاتے ہیں اور تاریخی و سیاسی تجزیے بھی پیش کرتے ہیں۔ زندہ ہوتے ہوئے بھی وہ اسے غیر اہم خیال کرتے ہیں۔ ایسی صورتحال میں وہ صرف خود سے مخاطب ہو سکتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے گزرے ہوئے واقعات کو یاد کرتا ہے۔ جب وہ اقتدار میں تھا اور کس طرح لوگوں کی توجہ کا مرکز تھا۔ پھر وہ اپنے بچپن کی محرومیاں یاد کرتا ہے، والدین کی اہانت اور بے بسی، ازدواجی زندگی کے اتار چڑھاؤ، اسکے ساتھ ساتھ اولاد کی تربیت اور اس میں کی گئی کمی بیشیوں کو یاد کرتا ہے۔ پیشہ وارانہ زندگی میں اس نے جو فیصلے لیے ان کے ساتھ ساتھ وہ ان منصوبوں، ترجیحات، تمناؤں، سیاسی منصوبوں اور پالیسیوں کو یاد کرتا ہے اور پھر وہ مستقبل کو

بھی اپنے ذاتی زاویہ نظر سے دیکھتا ہے۔ ایریئل شیرون کی یہ سب باتیں اور خیال کی واضح ترتیب اور منصوبہ بندی کے ساتھ سامنے آتے ہیں اور پڑھنے والے کے سامنے اس کی زندگی کی مختلف جہتیں کھولتے ہیں۔

اس ناول میں حسن منظر نے نہایت خوب صورتی کے ساتھ اس صورتحال کی وضاحت کی ہے کہ اس نے پوری زندگی بے گناہ فلسطینیوں کا خون بہانے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا کس طرح مکافات عمل کے تحت دماغی اذیت میں مبتلا ہے اور اس اذیت دینے والوں میں مظلوموں کے ساتھ ساتھ اس کے اپنے بھی شریک ہورہے ہیں۔۔ وہ اپنے دماغ میں آنے والے صابرہ اور شیتلہ سمیت بے شمار اور کیمپوں کا قصاب، کلپس اور دیگر واقعات کو یاد کرنے سے نہیں روک سکتے اور وہ ہر لمحہ اذیت کا شکار ہوتا ہے۔

> ایرک، مجھ سے نہیں، ڈیم اٹ، اصلی بلڈوزر چلانے والے سے چلا چلا کر کچھ کہہ رہی ہے لیکن اس کی آواز بس شور کا حصہ ہے۔ میرے لیے ان الفاظ میں نہیں ہیں بس بلڈوزر کے چلتے رہنے کی آواز ہے اور عمارتوں کے گرنے، بچوں اور عورتوں کے رونے چیخنے کی آوازیں اس سفید لڑکی کی آواز پر غالب آگئی ہیں۔ (۴۶)

لادینیت اور سیکولر خیالات کا مالک ہسپتال میں بیماری کے دنوں میں اسی خاتون کو سوچتا ہے جس کے خالق کے نام لیواؤں پر اس نے زمین تنگ کر رکھی تھی۔ وہ جہاں بھی فلسطینیوں کو دیکھتا ہے ان کو بے قصور قتل کروا دیتا تھا۔ لیکن ۲۰۰۶ء میں دماغ کی رگ پھٹنے کے بعد سے ۲۰۰۶ء تک وہ جو دوسروں کو موت کے گھاٹ اتارتا تھا ہر لمحہ موت کا ذائقہ چکھتا ہے کیونکہ ماضی کے واقعات اور آوازیں اس کی زندگی کو اجیرن بنائے ہوئے تھیں۔

> میں آوازوں کا کورس سننے پر مجبور ہوں اس لیے کہ کان خود بند نہیں کر سکتا ورنہ Stoppers لگا دیتا اور نرسیں کہیں بیٹھی اسٹاک مارکیٹ کے گھوڑے دوڑا رہی ہوں گی۔ ایریئل شیرون کے کردار کے علاوہ کئی دوسرے کردار بھی مرکزی کردار سے جڑے ہوئے ہیں اور یہ سب آپس میں جڑ کر ایک بڑے منظر نامے کو مکمل کرتے ہیں اور کسی ٹوٹی ہوئی تصویر کے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک منظر نامے کو مکمل کرنے میں حصہ لیتے ہیں۔ (۴۷)

اسرائیل کے حربوں اور شاطرانہ چالوں کو جاننا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ یہود اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کس حد تک جاسکتے ہیں۔ حسن منظر نے اس ناول میں ایریئل شیرون کے آٹھ سالوں میں فلسطین پر بیسویں صدی میں ہونے والے تمام مظالم کی نہایت عمدہ عکاسی کی ہے جو ہر محب وطن کے لیے جاننا ضروری ہیں۔ مقبوضہ عرب علاقوں میں یہود کی آبادکاریوں کا بانی دراصل ایریئل شیرون ہے۔ غزہ سے یہودی نو آبادیوں کا خاتمہ کا اعلان بھی اسی نے ہی کیا تھا۔ ایریئل کو بین الاقوامی میڈیا نے ہیرو بنا کر پیش کیا ہے حالانکہ اس نے فلسطینیوں پر بے انتہا مظالم کیے۔ اسرائیل نے یورپی یونین کی ابھرتی ہوئی طاقت کو دیکھتے ہوئے امریکہ اور یورپی یونین کے ساتھ تعلقات استوار کیے ہیں۔ اسرائیل کے پشت پناہ دراصل اور طاقتیں ہیں۔ اسرائیل کے قیام میں عالمی طاقتوں کا زیادہ ہاتھ ہے اور اس کی بقاء اور قوت کے پیچھے بھی وہی طاقتیں ہیں۔ ایک کم آبادی والے علاقے کو دنیا کے مسلم ممالک مل کر بھی ہڑپ نہیں کر سکتے۔ اصل وجہ ہی اس کی پشت پناہی کرنے والی طاقتور ریاستیں ہیں۔

۱۹۹۰ء کی دہائی میں سوویت یونین کے خاتمے کے بعد دو قطبی نظام ختم ہو گیا اور یک قطبی نظام سے بھارت نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا اور یہی خارجہ سیاست کا اصول بھی ہے۔ سوویت یونین کے خاتمے کے بعد ایک ہی عالمی نظام بننے کے لیے ہے۔ باقی ساری دنیا کے عافیت بھی اسی میں تھی کہ وہ اس نظام کو قبول کر لیں۔ اسرائیل کے اس طرح فلسطین پر مظالم کے پیچھے بھی دراصل امریکہ ہی کا ہاتھ ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ اسرائیل کو اسلحہ خریدنے اور فلسطینیوں کا قتل عام کرنے کے لیے تین ارب ڈالر کی سالانہ امداد فراہم کرتا ہے۔

> اقوام متحدہ اور عالمی طاقتوں کی مشترکہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں نے ہی فلسطین کے قلب میں خنجر گھونپا۔ جس ملک کی توسیع پسندانہ پالیسیوں کی وجہ سے مشرقِ وسطی کمزوری کا شکار ہوا ہے پورا خطہ اسی عطار کے لونڈے سے دوا لینے میں ہی عافیت محسوس کرتا ہے۔ (۴۸)

ایریئل شیرون جو اپنی زندگی میں فرعون بنا ہوا تھا جب طبیعت خراب ہونے کے باعث کومے میں چلا گیا تو کس طرح موسیٰ کے خدا کو جانتا ہے حالانکہ اس نے زندگی میں کبھی بھی اس کو نہیں مانا تھا۔ یہ ۲۰۰٦ کا شہر

ون ہے اگر تاریخ کو دیکھا جائے تو آج سے ۳۵۰۰ سال قبل فرعون نے اللہ اور حضرت موسیٰؑ کی نافرمانی کی۔ اور بنی اسرائیل کو عذاب دیے۔ جب حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کے ساتھ ہجرت کی تو فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا تعاقب کیا۔ حضرت موسیٰؑ اور اسکے لشکر کے لیے اللہ تعالیٰ نے پانی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور حضرت موسیٰؑ کا لشکر آسانی سے گزر گیا لیکن جب فرعون گزرنے لگا تو پانی آپس میں مل گیا اور جب اس نے دیکھا کہ وہ غرق ہونے لگا ہے تو اس نے کہا کہ موسیٰؑ اور اس کے خدا پر ایمان لے آیا۔ اسی طرح ایرئیل شیرون نے بھی بستر مرگ پر حضرت موسیٰؑ اور اللہ پر ایمان لے آتا ہے۔ اسی کی محنت، طاقت اور دولت نے اسے غلط فہمی میں ڈالے رکھا تھا۔ اور وہ اپنی زندگی میں فرعون بنا ہوا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے تمام واقعات کو یاد کرتا ہے۔ بچوں، عورتوں کی چیخوں کی آوازیں اسے ہر لمحے اذیت دیتی ہیں۔ وہ اپنے دماغ کو خیالات سے نکالنے کے لیے مختلف حربے استعمال کرتا ہے۔ وہ بچپن کو یاد کرتا ہے کہ کس طرح وہ بچپن میں اپنے ناپسندیدہ خیالات کو دماغ میں نہ لانے کے لیے کرتا تھا۔ اس نے چودہ سال کی عمر میں خود کو زیرزمین دہشت پسند تحریک میں بھرتی کر لیا تھا۔ وہ اس تحریک کو آسمان سے اترا ہوا تحفہ سمجھتا تھا۔ پھر وہ اپنی بھرپور زندگی میں مگن ہو گیا۔ ڈائنامائٹ، فائرنگ، عمارتوں کا اڑا دھم، زخمی ہونے والوں اور مرتے ہوؤں کی چیخیں اس سب میں وہ اپنے بچے اور لڑکپن بھول گیا لیکن آج بستر مرگ پر اسے وہ سب یاد آ رہا ہے۔

دراصل ایرئیل شیرون ہی وہ وزیر اعظم تھا جس فلسطین میں یہودیوں کو لا بسانے کا سب سے زیادہ حمایتی تھا اور اس کے لیے اس نے فلسطینیوں کا بے جا قتل عام کیا۔ دراصل صیہونی لابی جو مدتوں سے دنیا کو اپنی گرفت میں لانے اور اس کے وسائل پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہی تھی اس خواب کی پایہ تکمیل کے لیے اس نے ۱۸۹۷ء میں سوئزرلینڈ کے شہر میں یہودی دانش وروں کی ایک کانفرنس منعقد کی۔ اس کانفرنس میں انہوں نے یہ طے کیا کہ ایک ایسی عالمی حکومت کا قیام کیا جائے جس کی باگ دوڑ سلامتی کونسل لیکن اندرون طور پر یہودیوں کے ہاتھ میں ہو۔ تاکہ وہ اسرائیل کا قیام عمل میں لا سکیں اور دنیا بھر میں جو حکومتیں ہیں ان کے اختیارات کو محدود کر دیا جائے۔ ان کی حیثیت کسی کمیٹی یا تنظیم سے زیادہ نہ ہو۔ سیاسی، اقتصادی اور دفاعی امور کا تعلق اس عالمی حکومت کے پاس ہو۔ صیہونی تحریک انیسویں صدی میں شروع ہوئی اگر اٹھارویں اور

انیسویں صدی کے عالمی نظاموں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بڑی جنگ کے اختتام پر فاتح طاقت نے عالمی نظام جاری کیا اور برطانیہ اور فرانس کے درمیان جنگ ہوئی اور فرانس کو شکست ہوئی جس کے نتیجے میں فاتح برطانیہ نے ایک معاہدے کی شکل میں ایک عالمی نظام جاری کیا اور برطانیہ ایک طاقت بن کر ابھرا۔ اسی طرح ۱۷۴۰ء سے ۱۷۴۷ء تک برطانیہ اور فرانس میں ایک اور جنگ ہوئی جس میں فرانس کو پھر شکست ہوگئی اور برطانیہ نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ایک عالمی نظام جاری کر دیا۔ برطانیہ اور فرانس کے درمیان بڑی جنگ کے بعد معاہدہ پیرس لکھا گیا جس کو نیا عالمی نظام کہا گیا۔

اسی طرح امریکہ میں ایک جنگ The war of American independence کہلاتی ہے لڑی گئی اور اس جنگ کے بعد امریکہ نے عالمی نظام جاری کیا جس کے تحت ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی تشکیل ہوئی۔ ۱۸۰۳ء میں انگلینڈ اور فرانس نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے جنگوں کا ایک نیا سلسلہ شروع کر دیا اور ایک Consent of Europe کے نام سے ایک عالمی نظام لکھا۔ اس میں انہوں نے برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کے مفادات کا تحفظ کیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد نیو ورلڈ آرڈر جاری کیا گیا۔ اسی طرح دوسری جنگ عظیم کے بعد ایک نئے عالمی نظام کی بنیاد رکھی گئی اور اسی نظام کے تحت اقوام متحدہ بنی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد طاقت کا توازن امریکہ اور روس کے ہاتھ میں آگیا اور دو قطبی نظام رائج ہو گیا۔ بعد میں ۱۹۸۸ء میں روس جنیوا معاہدے پر دستخط کر کے سرد جنگ کا خاتمہ کر دیا اور امریکہ کی برتری کو تسلیم کر لیا۔ دو قطبی نظام کی جگہ یک قطبی نظام نے لے لی اور امریکہ سے ورلڈ آرڈر کی صورت میں بلا شراکت غیر اپنی سربراہی اور حکمرانی کے تسلط کو مسلط کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

یہ سیاسی عالمگیریت ہی ہے کیونکہ سیاسی عالمگیریت کا اصل مقصد ہی امریکہ اور یہودیوں کی اجارہ داری کو پوری دنیا میں مسلط کرنا ہے۔ مجوزہ عالمی حکومت میں امریکہ اور صیہونی اداروں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ دنیا میں جہاں چاہیں اعلان جنگ کر سکتے ہیں اور اپنی افواج کو داخل کر سکتے ہیں اور جو ملک بھی اس عالمی حکومت کے ماتحت نہیں آئے گا اس کا فیصلہ امریکا ہی کرے گا۔ اس سیاسی صورتحال کو حسن منظر نے اپنے

ناول میں بیان کیا ہے کہ جو بھی ملک فلسطین کی حمایت کرے گا اسے امریکہ Veto کر دے گا کیونکہ طاقت کا توازن امریکہ کے ہاتھ میں ہے اور طاقت کے بل بوتے پر ایک کمزور طاقتور بن گیا ہے۔

> ہمارا اشارہ پانے پر امریکا ان کے لیے اپنی وسیع و عریض زمین میں ہو سکتا ہے۔ نواڈا میں ایک وسیع و عریض جیل بنا کر اسے فلسطینی آزاد ریاست کا نام دے دے۔ اس جیل میں گھومیں پھریں۔ حرم رکھیں، بچے پیدا کریں اور بچوں کو اونٹوں کی پیٹھ پر باندھ کر ان کی ریس دیکھیں۔ بس باہر جانا امریکا کی اجازت پر ہو گا۔ ورنہ یہ وہاں سے آکر ہمارے ریستوران اور شوپنگ مالز کو بموں سے اڑاتے رہیں گے۔ (۴۹)

سیاسی عالمگیریت کے مقاصد میں ایک سیاسی ہدف یہ بھی ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک سوشل اور سرکاری تنظیمیں سیاسی میدان میں اہم کردار ادا کریں جس کی وجہ سے ملک کی حکومت خود بخود کمزور ہو جائے گی۔ طاقت ور اور لائق قیادت کے بجائے کمزور اور نالائق قیادت مسلط کرنا اور امریکی مفاد میں کام کرنے والی قیادتوں کو تحفظ بخشنا اور ان کی سرپرستی کرنا تاکہ ان کی عوام اور ان کے وسائل پر قبضہ کیا جاسکے۔

سیاسی عالمگیریت کا مقصد بھی دراصل معاشی مفاد ہے۔ معاشی مفادات کو حاصل کرنے کے لیے سیاست میں بھی مداخلت کی جاتی ہے تاکہ حکومتوں کے کردار کو ختم کر کے ان کے وسائل کو بھی لوٹا جائے۔ کمزور قومیں خواہ وہ اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں وہ ستائی ہی جاتی ہیں۔ ان میں سے کوئی تو ایسی ہیں جو ہمہ وقت بلبلاتی نہیں ہیں کہ ہمیں ختم کیا جارہا ہے۔ شاہد ان میں ستم جھیلنے کا ضبط ہے لیکن اسرائیل طاقتور قوم کو یا جو معاشی لحاظ سے مستحکم ہو اور جس کا سرمائے پر کنٹرول ہو وہ قوم جو کچھ بھی کرے اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ایرئیل شیرون کے دماغ میں بھی صرف یہی تھا کہ امریکا اور ازرےائیل دنیا کی تاروز آخر دو سب سے بڑی قوتیں ہیں اور دونوں میں مکمل ہم آہنگی ہے۔ امریکا اور اسرائیل دراصل یہی چاہتے ہیں کہ پوری دنیا میں صرف ان کی ہی اجارہ داری ہو۔ موجودہ دور میں ساری دنیا پر صرف مغرب خصوصاً امریکہ ہی کی اجارہ داری ہے۔ اقوام متحدہ کو سیاسی عالمگیریت کا حامل ٹھہرایا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کے کردار کے ذریعے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ کس طرح طاقتور ممالک کے لیے اپنا رویہ رکھتی ہے اور غریب اور کمزور ممالک کے بارے

میں اس کا رویہ اور پالیسیاں کس طرح کی ہوتی ہیں۔ دنیا بھر میں جو سیاسی مداخلت کی شدت اور توسیع ہے اسے ہی سیاسی عالمگیریت کا نام دیا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کے کردار کو بیان کرتے ہوئے حسن منظر لکھتے ہیں کہ فلسطین پر اسرائیل کے ظلم کے بارے میں اس نے خاطر خواہ کردار ادا نہیں کیا کیونکہ اسرائیل کی پس پشت امریکہ ہی اس کی حمایت کر رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> بغیر کسی آگاہی سیٹی کے فائرنگ شروع ہوگئی۔ بچے فرش پر گر پڑے، ان کے اوپر بڑی لڑکیاں جو اب کم عمر مائیں لگ رہی ہیں۔ قانا اور اقوام متحدہ کے کیمپ والے نشان اپنی جگہ لگے ہیں۔ گولیاں زمین پر سے اور آسمان سے بڑی احتیاط سے ماری جا رہی ہیں کہ ایک بھی اقوام متحدہ۔۔ میں نہیں چبھتی۔ (۵۰)

اس طرح جو بڑے بڑے عالمی ادارے ہیں وہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مفادات کے لیے قانون سازی کرتے ہیں۔ یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں اب حکمران ہیں اور ان کی حاکمیت کو ورلڈ بینک، آئی۔ ایم۔ ایف اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کی معاونت حاصل ہے۔ ورلڈ آرگنائزیشن کے لیے جو بھی قوانین بنائے جا رہے ہیں وہ ترقی پذیر ممالک کے لیے ضرر رساں ہیں۔ وہاں ہونے والے فیصلے اس مقصد کے پیش نظر کیے جاتے ہیں جن کے تحت غریب ممالک کا اپنے وسائل اور منڈیوں پر قبضہ نہ رہے۔ گویا معیشت پر غریب ممالک کا اپنا اختیار نہ رہے۔ حاکمیت کے اختیار اور معاشی پالیسیوں اور دیگر اختیارات کے ساتھ ہی ان کمپنیوں اور ان کے مفادات کو تحفظ دینے والے اداروں کے لیے قابل قبول ہوتی ہیں۔ گویا سیاسی عالمگیریت کے ذریعے بھی معاشی مفادات حاصل کیے جا رہے ہیں۔ سیاست میں دخیل ہو کر غریب ملکوں کے وسائل پر قبضہ کیا جا رہا ہے۔

حسن منظر نے اس ناول میں زائیونسٹ اور اینٹی زائیونسٹ کے خیالات کی عکاسی کی ہے۔ ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ اسرائیلی جب الگ الگ ملکوں میں تھے تو یہودی تھے لیکن جب وہ اسرائیل میں جمع ہوگئے تو اسرائیل ہی ان کی شناخت بن گئی۔ وہ جرمن، روسی، فرانسیسی، برٹش، اٹالین کچھ نہیں بلکہ وہ اسرائیلی ہیں۔ وہ یہ بات کبھی بھی فراموش نہیں کرتا ہے کہ مذہب اگر سیاسی بن جائے تو اس زمین سے امن و آشتی

رخصت ہو جاتے ہیں۔ حسن منظر نے ناول میں ایک نظم کا حوالہ بھی دیا ہے۔ جس کا عنوان ہے ”آؤ سنیں“۔

فلسطین کہاں گیا
جس میں فکروں سے آزاد تھے ہم
چوبیس گھنٹے جنگ کے لیے تیار نہیں
جنگ کرتے تو کس سے
مسلمانوں، عیسائیوں سے؟
وہ دن کیا ہوئے جب ہمارے
یہود مذہب کو مذہب سمجھتے تھے
اور ملک کو ملک
کسی ایک کی میراث نہیں
آلِ یعقوب کی گم کردہ میراث نہیں
آلِ آدم کے لیے
پھر پوجا کے لیے سونے کا بچھڑا بھیجا
دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہونے کا
دعویٰ کرنے والے قارون نے

اُسے صیہونیوں کے عزائم کا بھی علم تھا کہ وہ طے کر کے آئے ہیں کہ جارحیت سے ہی کام نکلے گا۔

زائیون کے پرستار خود کو خدا کی پسند دیدہ مخلوق ہونے کا دعویٰ کرنے والے جہاں جائیں گے وہاں پر ایسے حالات پیدا کر لیں گے کہ وقت کے نپولین ایسے فرمان جاری کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ جو تمہاری وہاں پر معاشی اجارہ داری کو ٹھپ کر دیں اور تم جانتے ہو جس ملک میں بھی رہو وہاں کے سرمایہ اور کاروبار پر مکمل تسلط تمہارا اوبیشن Obession رہتا ہے۔ (۵۱)

اسرائیل اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کوئی بھی حربہ استعمال کرنے سے گریز نہیں کر رہا ہے۔ ایک طرف تو انہوں نے فلسطینی مسلمانوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا تو دوسری طرف وہ انہی فلسطینیوں کے اگائی ہوئی پیداوار کو اپنے نام کے لیبل کے ساتھ عالمی منڈی میں بھیج کر کمائی کر رہے ہیں۔ یہودی خود کو اتنا محفوظ بنا دینے چاہتے ہیں کہ دوبارہ کوئی بھی حکومت ان کا قتل عام نہ کر سکے بلکہ وہ ساری دنیا کے ملکوں اور قوموں کو اتنا اپاہج بنا دینا چاہتے ہیں کہ اسرائیل ان کے درمیان انہیں ہانکنے کے لیے گھر میں پھریں اور سارے ممالک اور قومیں انہیں خوف اور فرمانبرداری سے دیکھیں۔ وہ پہلے ملٹری سے اور پھر سرمایہ کی بالادستی سے فوقیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ایرک: میں چلا چلا کر کہنا چاہتا ہوں۔۔ اور سرمایہ دار ملکوں پر ہم اپنی بالادستی قائم کر چکے ہیں۔

حسن منظر نے عرب اور اسرائیل تنازعے میں سفید یاد، یورپئیوں کی منافقت اور سیاسی فتنہ طرازیوں کو بھی بے نقاب کیا ہے۔ سفید فام یہودیوں کا نسلی تفاخر، غیر یہودیوں کو ہی نہیں بلکہ پرتگال اور اسپین کے یہودیوں کو بھی ہے بلکہ یہ نسلی تفاخر افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں رہنے والے لوگوں کے لیے بھی ہے کہ سفید فام یہودی انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اسرائیل کو بھی وہ صرف سفید فام یہودیوں کی ہی وراثت سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسی ایک یہودی کے مرنے کی وہ اہمیت تھی جو امریکی حکومت کے نزدیک کسی سفید امریکی کی کسی ایشیائی یا افریقی کے ہاتھوں مرنے کی تھی جو کہ ایک ناقابل معافی جرم تھا۔ حسن منظر نے یہودیوں اور صیہونیوں کے نظریے کو الگ الگ پیش کیا ہے۔ ان کے ناول پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر نجیبہ عارف لکھتی ہیں۔

> ناول میں یہودی اور صیہونی بیانیے کو غلط ملط نہیں کیا گیا ہے بلکہ واضح طور پر یہودیوں کو من حیث القوم صیہونی ایجنڈے سے الگ تھلگ دکھایا گیا ہے۔ صیہونیت کے عزائم اور پس پردہ استعماری طاقتوں کی طرف اشارے نہیں بلکہ کھل کر ان کا اظہار بھی کیا ہے۔ (۵۲)

صیہونیت کے پیچھے دراصل مغرب ہی استعماری طاقتیں ہیں جو کہ پوری دنیا پر قابض ہونا چاہتی ہیں۔ معاشی، ثقافتی، سیاسی، ہر میدان میں وہ صرف اپنی حکومت چاہتی ہیں۔ عالمگیریت کے اس دور میں کمزور ممالک پر معاشی، ثقافتی، سیاسی ہر لحاظ سے مغرب خصوصاً امریکہ کی ہی اجارہ داری ہے۔ حسن منظر نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ تمام صیہونی Zionist نہیں ہیں بلکہ ان میں بھی ایک تحریک ہے جس کا ایک ممبر شاول تھا۔ فلسطین اور اسرائیل کے درمیان اتنی غیر مساوی جنگ شاید ہی تاریخ میں کوئی ہوئی ہو۔ طاقت ور ممالک کا اسرائیل کے ساتھ اتنا تعاون، اتنا اسلحہ جبکہ دوسری طرف لڑنے کے لیے صرف اینٹ، پتھر اور پابندیاں ہی ہیں۔ اسرائیل کے ساتھ طاقتور ممالک خصوصاً امریکہ نے بہت زیادہ تعاون کیا ہے۔ طاقتور جب چاہتا ہے جہاں چاہتا ہے کمزور پر چڑھائی کر دیتا ہے اور اگر کوئی کمزور جواب دینے کی کوشش کرے تو اس دہشت گردی کا نام دیا جاتا ہے۔ اکیسویں صدی کا یہ نیا چلن آ گیا ہے۔ طاقت ور ممالک کمزور ممالک پر ہر لحاظ سے قابض ہونے کی کوشش کر رہے ہیں اس کے لیے وہ ہر جائز ناجائز طریقہ اپناتے ہیں۔ وہ جس کو چاہیں زندگی سے محروم کر دیں اور جس کو چاہیں موت معاف کر دیں۔ اہم بات یہ ہے کہ دنیا میں صرف دو قومیں ہیں۔ ایک حاکموں کی قوم اور دوسری محکوموں کی۔ حاکم قوم اس وقت امریکہ ہے۔ باقی سب اس کے تابع فرمانی کر رہے ہیں۔ حسن منظر لکھتے ہیں۔

> مغربی دنیا وقت کے اس دور میں
>
> سب کچھ کہہ سکتی ہے
>
> اور کہہ کر دنیا سے منوا سکتی ہے
>
> کیونکہ اس کا چمتکار ایٹم کی چھری ہے

اب مغرب کے ضمیر میں سیاہ ممی نہیں سو رہی ہے

وہ امن کا جیالا ہے جیسے

امریکا گھر گھر بانٹتا پھرتا ہے

اپنے صدیوں کے ستاؤں کو

اقتدار کے سنگھاسن پر بٹھا کر اب

مغرب ایک طرف ہو جانا چاہتا ہے۔ (۵۳)

حسن منظر نے اپنے ناول ''حبس'' میں نہایت ہی واضح طور پر امریکہ کی چالاکیوں کی وضاحت کی ہے کہ وہ اسرائیل کی مدد کر کے کس طرح فلسطین پر عرصہ حیات تنگ کر رہے ہیں۔ امریکہ اس وقت ایک طاقتور قوم ہے اور طاقت کے بل بوتے پر وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ فلسطین میں بھی یہی ہو رہا ہے کہ ایک طاقتور قوم نے طاقت کے بل بوتے پر ایک کمزور قوم کو وہاں لا بسایا ہے اور ایک کمزور قوم ایک طاقتور قوم کے بل بوتے پر وہاں پر مظالم کر رہی ہے اور طاقت ور قوم کے بل بوتے پر وہ بزدل لوگ خود کو دلیر سمجھنے لگ گئے ہیں۔ ایریئل شیرون جو کہ ہٹلر سے کہیں بڑھ کر ظالم تھا۔ اس نے کس طرح مظلوم اور بے یار و مددگار فلسطینیوں کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا اور حق و ناحق کی تمیز کیے بغیر اس نے کس طرح بچوں، عورتوں کو اپنے ظلم کا شکار کر کے دہشت گرد ہونے کا ثبوت دیا۔ دراصل امریکہ بھی اسرائیل کی مدد کر کے اپنے مفاد حاصل کرتا ہے۔ ایک فلم ڈائریکٹر نے لکھا کہ

> لبنان میں بے گھر اور دربدر فلسطینیوں کے کیمپوں کو جب شیرون کے اسرائیلی ٹینکوں نے گھیر لیا تو اس نے ان فوجیوں کو جو فلا نجسٹ کر دیا۔ اس روز میں نے دیکھا کہ ایریئل شیرون جس کو ایرک بھی کہا جاتا ہے اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ فلسطینیوں کے بچوں کو اس طرح شکار کر رہا تھا جس طرح وہ خرگوش ہوں۔ وہ نفرت کے اس پیڑ کا بیان کرتے ہیں جس کی جڑیں انسان کے دل میں ہیں۔ ایریئل شیرون جو کہ مظالم کر کے بچوں کو چیختے چلاتے سن

کر، ہوائی جہازوں کی گونج دار آواز اس کے دل کو خوش کن محسوس ہوتی ہے۔ گولہ باری جب ہوتی ہے تو اس کی آواز اس کے دل کو لبھاتی ہے۔ وہ اس کی آواز سن کر بہت خوشی محسوس کرتا ہے کہ گولہ باری سے زیادہ مدھر آواز کسی بھی ساز کی نہیں ہوتی ہے۔ (۵۴)

حسن منظر نے بتایا ہے کہ یہ ایک ایسا شخص جو صرف نفرت کر سکتا ہے۔ یہ نفرت اس کے لیے فلسطینیوں، عرب یہودی سے یکساں ہے اور اس کی یہ نفرت موت کے سامنے بھی ہار نہیں مانتی ہے۔ وہ بیماری کے اس عالم میں بھی صرف نفرت ہی کرتا ہے اور حکومت کرنے کے ہی خواب دیکھتا ہے کہ اگر ڈاکٹر اس کی زندگی بچا لیتے ہیں تو وہ دجلہ اور فرات کی زمین کے لیے بھی جنگ کرے گا اور اسرائیل کو وسیع تر کرے گا۔ کسی ملک پر حکومت کرنے کے لیے وہ ہر حربے کو جائز سمجھتا ہے۔ خواہ وہ سوتے ہوئے یہودیوں کا قتل عام ہو، حکومت لانے کے لیے مددگار کا احسان بس اتنی دیر ہوتا ہے جب تک وہ مددگار اور کارآمد ہو۔ کسی ملک کی تسخیر میں جتنے کمزور اور بچے مارے جائیں اتنی ہی ہیبت غنیم ان پر طاری ہوتی ہے اور اس کے اپنا ملک چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہونے سے حملہ آور کا بڑا کام وہ نادانستہ طور پر خود کرتا ہے۔ فلسطین پر اسرائیل کے حملے کا بیان کرتے ہوئے وہ کہتا ہے۔

سنتے ہو کوئی کہہ رہا ہے۔ انتیس (۲۹) فلسطینی موت کے گھاٹ اترے، ایک سو ستر (۱۷۰) زخمی ہوئے اور باہر انتیس (۲۹) مرے۔ کل ۵۴ عرب اسرائیل میں کم ہوئے۔ ہوں؟ حساب میں کچھ گڑبڑ ہے۔ ۲۹+۲۹= ۵۸۔ (۵۵)

اس جلاد ایریئل شیرون نے زندگی بھر بے گناہ فلسطینیوں کا خون بہانے کا موقع ضائع نہیں کیا اور ان کا قتل کر کے وہ خوشی محسوس کرتا ہے۔ وہ مسجد میں نماز پڑھنے والوں کو قتل کر کے خوشی محسوس کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مرنے سے پہلے جانور کو اشر کرنا میں نے نہیں سیکھا ہے اور اس سے بہتر سلوک کی توقع اقوام متحدہ کو بھی اس سے نہیں ہوگی۔

اس ناول میں حسن منظر نے اسرائیل کی حمایت کرنے والی مغربی دنیا کو جمہوریت اور انسانیت کے نام لیواؤں کا بھی بیان کیا ہے کہ وہ کس طرح جمہوریت کے نعرے لگاتے ہیں لیکن فلسطین کے معاملے میں انہوں

نے اسرائیل کی حمایت کی ہے۔ دراصل انہوں نے اس ناول میں عالمگیریت کے سیاسی پہلوؤں کی نشاندہی بھی کی ہے کہ پہلے کھاتے پیتے ملٹری طاقت سے چور حکام اپنے عوام کو باور کراتے ہیں، کم کھاتے پیتے کمزور ملکوں کے عوام کی حیثیت کیا ہے اور پھر الیکشن ان کمزور کھاتے پیتے ملکوں کی مدد کی بنیاد پر لڑے جاتے ہیں کہ انہیں حفاظت پہنچائی جائے گی۔ اس سب کے بعد بھی الیکشن سے وجود میں آنے والی حکومت سے عوام توقع رکھتی ہے کہ وہ اعانت اور حفاظت وہاں پہنچ رہی ہے اور اگلے الیکشن تک سو جاتے ہیں۔ امریکہ جو اسرائیل کی حمایت کر رہا ہے۔ امریکی عوام کو باور کرایا گیا کہ جو پہلے فلسطین تھا وہاں مغرب کے ستم کشیدہ یہود پر ظلم ہو رہا ہے۔ امریکی عوام نے اپنی حکومت کا اعتبار کیا اور کہا کہ دل کھول کر ان کی مدد کرو۔ امریکی عوام مطمئن رہتی ہے اور برطانیہ، فرانس، آسٹریلیا وغیرہ بھی۔ آخر کو بقول خود دنیا کا سب سے بڑا طاقتور ملک ہے اور اس کا صدر دنیا کا سب سے طاقتور آدمی۔ امریکہ کے خیال میں پتھروں اور چھروں سے مکان اور کھیت کی حفاظت جارحیت ہے اور ٹینکوں اور جیٹ طیاروں سے آبادی پر بمباری اس کا جواب ہے لیکن یہ جارحیت تب تک جاری رہے گی جب تک خود امریکہ کا ہر آدمی آگے بڑھ کر یہ نہ کہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ خود کو دنیا کی سب سے طاقتور حکومت کہنے والے کے منہ سے نکلنے والا مستقل جھوٹ۔ تب تک فلسطین پر یا دوسرے کمزور ممالک پر ظلم ہوتے رہیں گے۔

فلسطینی نوجوان جو انجینئرنگ کا طالب علم تھا اس کو محض ایک شبے کی بنا پر اسرائیلی فوج نے تشدد کا نشانہ بنایا کہ بالآخر وہ خودکش حملے میں جان دینے پر آمادہ ہو گیا۔ اسی طرح ایک سفید فام یہودی عورت جو شیرون کے صیہونی ایجنڈے سے شاکی تھی۔ ایک امریکی لڑکی جو بل ڈوزر کے نیچے کچلی گئی وہ اس یقین سے بل ڈوزر کے سامنے کھڑی ہوئی تھی کہ قومیت سے خائف ہو کر بل ڈوزر رک جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اتنی طاقت ور اور اہم ہے کیونکہ امریکی تھی نا بل ڈوزر اس پر نہیں چلایا جائے گا۔ لیکن وہ صیہونیت کی کرشنگ مشین میں کچلی گئی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ سیاست کی اس کرشنگ مشین میں اینٹ پتھر ہی نہیں نہتے انسان بھی بغیر خمیر کی روٹی کی طرح چپٹے ہوتے ہیں۔ ان سب واقعات کے باوجود امریکہ خاموش رہا کیونکہ اسرائیل اس وقت بہت مضبوط ہے اور اس کے ہر عمل پر خاموش ہونا امریکہ کے لیے اہم ہے۔ انہوں نے

سرمایہ دار ملکوں پر اپنی بالادستی قائم کی ہوئی ہے۔ موجودہ دور میں صرف امریکہ اور اسرائیل کو اپنے دفاع کا حق ہے۔ امریکا کے سفید پرکھوں یہودی ملکوں کو کیونکہ موجودہ دور میں وہ پرکھے امریکا کے ہیرو بن چکے ہیں لیکن حسن منظر کے خیال میں امریکہ کے عوام ہمیشہ تو نہیں سوتے رہیں گے آخر وہ ایک دن ضرور جاگیں گے۔

> سفید مغرب کے عوام ہمیشہ تو نہیں سوتے رہیں گے ۔ ایک دن درختوں کے چرچرانے عربوں کے درودیوار کے گرائے جانے اور اسرائیلی گولیوں سے دم توڑنے کی آوازوں سے ان کی طویل نیند ٹوٹ جائے گی اور انہیں پتہ چلے گا سیاسی مصلحت کی نیند کی گولی سے انھیں اتنے سال بے موقع سلایا گیا اور وہ خود اپنے آپ کو کوسیں گے۔ (۵۶)

اسرائیل نے پہلے ملٹری کے زور پر اور اب عقل اور سرمائے کی بالادستی کے باعث دوسرے ملکوں پر قبضہ حاصل کر لیا ہے۔ موجودہ دور میں ترقی یافتہ ممالک کا بنیادی محور تیل ہے کیونکہ تیل مشینی زندگی کی قوت معرکہ ہے۔ مشینیں جدید ترقی یافتہ کا اصل محور و مرکز ہیں۔ زیادہ تر مشینوں کا ایندھن تیل ہے۔ دنیا میں صنعتی انقلاب جب سے آیا ہے اس کے بعد سے تیل کو یہ اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ اس تیل کے حصول کے لیے وہ نیٹو فوج کو اپنے ساتھ ملا کر حیلے بہانوں سے ان ممالک پر حملہ کر دیتا ہے جہاں سے اس کو تیل ملنے کی اُمید ہوتی ہے۔ دنیا بھر میں جن ممالک میں بھی گزشتہ دنوں جنگیں لڑی گئی ہیں ان میں زیادہ تر تیل کی دولت سے مالامال تھے۔ تیل پر اسرائیل کا قبضہ ہے کیونکہ وہ معاشی لحاظ سے مستحکم ہیں۔ انہوں نے تاریخ سے سبق سیکھا ہے ان کے خیال میں مغرب صرف ڈرنا سکھاتا ہے اس لیے ہی تاریخ کے اہم واقعات کو پرانوں کی دلچسپ کہانیاں کہہ کر سکولوں میں پڑھایا جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسرائیل آج تخت پر بیٹھا ہے۔

> اس تخت پر ہم سے زیادہ کسی اور ملک کا یا قوم کا حق نہیں ہے۔ یہ تخت مہاگنی اور سونے کے پتھروں ہے۔ یہ تخت بنا ہوا ہے۔ تیل کا جس پر ہم نے عربوں کو پہرے پر بیٹھا رکھا ہے۔ اس پر بیٹھ کر ہم دنیا بھر کے سیم وزر کے بازار کو اپنا مطیع رکھا جاسکتا ہے۔ ہم صحیح جگہ بیٹھے ہیں اور بڑے آرام سے۔ (۵۷)

اسرائیل کو عرب سے خطرہ نہیں ہے اگر تھوڑا بہت ہے بھی تو وہ صرف دریائے اردن کے کنارے پر بسنے والوں سے لیکن ان کا ساتھ دینے والا بھی کوئی عرب نہیں ہے۔ ان کے پاس مہلک ہتھیار ہیں اور وہ انہیں ایک دوسرے پر چلانے کے کام میں لاتے ہیں۔ عرب کے تیل پر اسرائیل کے قبضے کی وجہ سے عرب بھی فلسطین پر ہونے والے مظالم کے حق میں کوشش نہیں کرتا ہے بلکہ اس نے بھی اسرائیل کو تسلیم کر لیا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ اسرائیل معاشی لحاظ سے مستحکم ہے اور سب ملک اس کے تابع بن رہے ہیں۔

امریکہ اور یورپ نے دنیا بھر میں جمہوریت کو پھیلانے کا عزم کر رکھا ہے وہ بین الاقوامی اداروں مثلاً اقوام متحدہ، نیٹو، یورپی یونین وغیرہ کو اپنے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے آلہ کار کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ امریکہ جو جمہوریت اور انسانی حقوق کی بات کر رہا ہے وہ ہر ملک کے لیے یکساں مفید ہوں۔ دنیا کے بیشتر ملکوں میں قبائلی نظام ہزارہا سال سے جاری ہے ان لوگوں پر جمہوریت مسلط کرنا فائدہ مند نہیں ہوتا مثلاً افغانستان، عراق، شام، مصر وغیرہ ایسے ممالک ہیں جہاں امریکہ اور اتحادی ممالک نے جمہوریت تھوپنے کی کوشش کی ہے لیکن وہاں کے بیشتر لوگ اپنی روایات کی پاسداری کرتے ہیں۔

دنیا کے طاقت ور ممالک سائنس، ٹیکنالوجی اور معیشت میں بھی مضبوط ہوتے ہیں اور وہ اس بنیاد پر کمزور ممالک کو قرضے دے کر ان کی سیاست میں بھی دخل انداز ہوتے ہیں۔ وہ جمہوریت کے نعرے تو لگاتے ہیں لیکن مظالم کے لیے نہیں بولتے۔ فلسطینیوں پر جو مظالم ہو رہے ہیں اقوام متحدہ اس پر کوئی ردعمل نہیں دیتی ہے۔ ”گولیاں زمین پر سے اور آسمان سے بڑی احتیاط سے ماری جا رہی ہیں کہ ایک بھی اقوام متحدہ میں نہیں چبھتی ہے۔“ (۵۸)

بلکہ اگر کوئی ملک فلسطین کی حمایت کرنے کی کوشش کرتے تو اقوام متحدہ اسے ویٹو کر دے گا۔ اقوام متحدہ امریکا کے اسٹیج پر ایک ڈھیلی ڈھالی تنظیم ہے۔ اس میں وہی ہوتا ہے جو امریکہ چاہتا ہے۔ اسرائیل کے حق میں امریکہ کبھی نہیں بولتا ہے کیونکہ اگر اسرائیل چاہے تو یو۔ این۔ او کا خرچہ اکیلے اٹھا سکتا ہے۔ اسرائیل کی حکمرانی مغربی دماغ پر ہے۔ امریکہ سے اسرائیل کو خطرہ نہیں ہے کیونکہ وہاں یہود عیسوی تہذیبیں جڑیں

پکڑ چکی ہیں۔ "امریکا اور ازاے ائیل دنیا کی تاروزِ آخر سب سے بڑی قوت !یہی بل کلنٹنBil Clinton کے دماغ میں تھا۔ دونوں میں مکمل ہم آہنگی تھیTotal alignment۔" (۵۹)

امریکہ جو جمہوریت کے نعرے لگاتا ہے۔ فلسطین کے معاملے میں امریکہ کی دوہری رائے نظر آتی ہے۔ اسرائیل کو فلسطین کی سرزمین پر باہر سے لاکر وجود دیا گیا اور پھر اس کے وجود کو قائم رکھنے کے لیے عالمی سازش کی گئی جس میں امریکہ، برطانیہ سرفہرست ہیں۔ اقوام متحدہ کے قیام تک اسرائیل کا نام کا کوئی علاقہ فلسطین یا کسی بھی سرزمین پر وجود نہیں رکھتا تھا۔ یہ یہودی نسل کی بنیاد پر نہ کہ مذہب کی بنیاد پر دہشت گردوں نے قائم کی جو کہ خود کو صیہونیت کے پیروکار کہتے تھے۔ دوسرا اقوام متحدہ کی رکنیت کی بھی اس وقت پانچ شرائط تھیں اور اسرائیل کے نسلی یہودی جو کہلائے جاتے ہیں وہ ان شرائط پر پورا نہیں اترتے تھے۔ اس لیے اس کا قیام عمل میں لایا گیا لیکن مسلمان یا عرب ممالک ہی نہیں بلکہ موجودہ عالمی نظام جو اقوام متحدہ کی مرکزیت کے تحت دنیا بھر پر نافذ ہے۔ اس کے مطابق بھی یہ شہر اسرائیل کا حصہ نہیں ہے یعنی یروشلم لیکن اسرائیل اقوام متحدہ کو بھی نہیں مانتا ہے۔ دراصل پس پردہ اسرائیل اور امریکہ ایک ہی ہیں۔ اسرائیل اپنی ایک الگ حیثیت منوا کر ساری دنیا پر قابض ہونا چاہتا ہے۔

> جیسے حالات آج ہمارے حق میں ہیں کبھی نہیں بدلیں گے۔ سدا ہمیں فتح پر صبح ہوتی رہے گی۔ سفید مغربی دنیا ابد تک ہمارا ساتھ دیے جائے گی۔ نہ ان کے خزانے کبھی خالی ہوں گے نہ ہم پر بند۔ نہ ہی یورپ، امریکا، آسٹریلیا میں بسنے والے ہمارے ہم مذہبوں کے۔۔ سفید دنیا کو زوال نہیں ہوگا۔ (۶۰)

دراصل اسرائیل ملک نہیں بنا رہے ہیں بلکہ زائیون بنا رہے ہیں تاکہ ایشیاء کے اس ذرا سے ٹکڑے میں دنیا بھر کی طاقتوں کے لیے ایک نئی قسم کی کالونی کا کام دیں اور اس کے بدلے میں وہ ان کی تمہاری حفاظت کر رہے ہیں۔ جن کا یہ ملک قرنوں سے ہے وہ اس کا جھنڈا اقوام متحدہ پر دوسرے ملکوں کے ساتھ ہوا میں اڑتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کے پاس نہ نیوی ہے نہ ائیر فورس اور فوج اور جنہوں نے باہر سے آکر اس ملک پر قبضہ کیا ہے ان کے لیے ان لوازمات کو ضروری سمجھا گیا۔

> استعماری نو آبادیوں کے خاتمے پر مغرب کو ایک اور نو آبادی کی ضرورت تھی۔اب تم جو چاہے کرو۔ اپنی ملک کی حفاظت کے لیے پر اس ملک پر حملہ کرو جس سے تمہیں خطرہ ہو۔ امریکا، برطانیہ، فرانس تمہاری پشت پناہی سے ہاتھ نہیں کھینچیں گے۔ورنہ ان کا تمہیں علیحدہ کہیں بسانے کا خواب مٹی میں مل جائے گا۔اس خواب کی تعبیر تم جانتے ہی ہو ایک نئی درآمد کیے ہوئے آبادکاروں کی امریکی یورپی کالونی۔ اس کالونی کے ٹوٹنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ خدانہ کرے ٹیمپل ٹوٹے گا۔ [۶۱]

یہی وجہ ہے کہ اسرائیل کے ان مظالم پر امریکا اور اقوام متحدہ وغیرہ خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں کیونکہ اس کے پیچھے ان کے اپنے مفادات ہیں۔

اسرائیل کو یہ فوقیت سرمائے کی بالادستی کے باعث حاصل ہوئی ہے۔اس نے سرمایہ دار ملکوں پر اپنی بالادستی قائم کی ہوئی ہے اور ان کے سرمائے پر قابض ہے۔ فلسطین میں وہ اپنی مملکت بنا کر دراصل ساری دنیا پر قابض ہونا چاہتا ہے۔وہ خود کو اتنا مضبوط کر دینا چاہتا ہے کہ جہاں چاہے اعلان جنگ کر دے، جہاں چاہے اپنی فوجیں داخل کر دے کوئی بھی ملک جو اس عالمی حکومت کے ماتحت نہیں آئے گا امریکہ اسے ویٹو کر دے گا۔ تمام ممالک کی مقامی حکومتوں کو ختم کر کے اقوام متحدہ کے ماتحت کر دیا جائے۔ بعض مفکرین کے مطابق عالمگیریت استعمار اور اشتراق کی تحریکوں کے مجموعے کا نام ہے ان کے ذریعے مغربی اور صیہونی طاقتوں کے مالی تحفظ کو یقینی بنانے کے ساتھ ان کے مذہبی عقائد ، اخلاقی اقدار اور معاشرتی ثقافت کو پوری دنیا میں نافذ کیا جائے۔دراصل معیشت پر قبضہ کرنے کے لیے سیاست میں دخیل ہوا جاتا ہے۔ عالمگیریت معاشی عمل ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی عمل بھی ہے۔مقامی حکومتوں پر اپنی سیاسی پالیسیاں مسلط کرنے کے بہت سے حربے ہیں اور اگر کوئی حکمران ان پالیسیوں سے اتفاق نہ کرے تو اس کی جگہ دوسرا حکمران لایا جاتا ہے۔جو حکومت امریکہ کی فرمانبردار ہو گی وہی حکومت جاری رہے گی۔سعودی بادشاہت اس کی مثال ہے۔ عالمی منڈی ، عالمگیریت کے تحت نہ صرف سماجی اخراجات کو بلکہ یہ ریاست کی حاکمیت کو بھی چیلنج کرتی ہے۔ سرمائے کی متحرک فطرت سے حکومتوں کو ہدایات دیتی ہے کہ وہ کیا کر سکتی ہیں اور کیا نہیں اور ٹیکس لگانا جو کہ

صرف کسی بھی قومی ریاست کا صوابدیدی اختیار ہے۔ معاشی لحاظ سے مستحکم ملک دوسرے ممالک پر قابض ہیں۔ جس ملک کا سرمائے پر کنٹرول ہے سب اس کے تابع ہیں۔ اسرائیل نے پوری دنیا کے تیل پر قبضہ کیا ہے۔اسی طرح فلسطین، عرب وغیرہ کے سرمائے کو وہ اپنا لیبل لگا کر منڈی میں فروخت کر رہا ہے۔

> ہم نے زیتون کے درختوں کو ان کی طرح سر بسجدہ کر دیا بعد میں ہم نے سیکھا ان کا نیچر کا یہ عطیہ رائیگاں کیوں جائے۔ اب وہ پروڈیوس آوف ازرئیل کے ٹھپے کے ساتھ یورپ کے Kitchens اور مے خانوں کو جا رہا ہے اور ہمیں فورین ایکسچینج کما کر دے رہا ہے۔ اور جب ایک فارم کی پروڈیوس ختم کر لیتے ہیں تو دوسرے فارم پر تمہاری نظر ہوتی ہے۔۔۔ دنیا بھر سے نئے لائے جانے والوں کے لیے مزید فورین ایکسچینج۔ واقعی تجارت میں دنیا کی کوئی قوم تمہاری ہم پلہ نہیں۔ (۶۴)

کوئی بھی قوم یا ملک اس وقت تک ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کا سرمائے اور کاروبار پر مکمل کنٹرول نہ ہو۔ عالمگیریت کے سیاسی پہلو کا ایک اہم عنصر بھی یہی ہے۔ سترہویں صدی سے قبل کی سیاست اس ریاستی نظام کے بغیر تھی اور پھر عالمگیریت کی بنیاد پر یہ نظام اب ماضی کا قصہ بن چکا ہے۔ اسرائیل نے مختلف ممالک کے ساتھ تجارتی معاہدے کیے ہیں۔ ان معاہدوں کی وجہ سے کاروباری روابط میں موجود رکاوٹیں ختم ہو جائیں گی اور یورپ کے ساتھ دیگر ممالک کے ساتھ کاروبار آسان ہو گا۔ اسرائیل دراصل دوسرے ممالک کے ساتھ تجارتی روابط کر کے ان کے کاروبار اور حکومت میں دخیل ہونا چاہتا ہے۔ اسرائیل میڈیسن کی دنیا کا شہنشاہ ہے۔ اسی طرح مالیات کی دنیا کا بھی وہ خود کو سرمائے اور ٹیکنالوجی کی دنیا میں اتنا مضبوط کر دینا چاہتا ہے کہ ساری دنیا اور ساری قومیں اس کے اشارے پر چلیں۔ اسرائیل کے اب ٹریڈ یونین کے مقاصد پورا کرنا چاہتا ہے۔ عربوں کے تیل پر بھی یہودیوں کا قبضہ ہے اور عرب ان کی اطاعت کر رہے ہیں۔ اس طرح کی کوئی قوم ہو سکتی ہے جس کی بنیاد مذہب پر ہو وہ اس مذہب کو صرف اپنوں کے لیے سنبھال کر رکھنا چاہتی ہو۔ مذہب دنیا بھر میں لوگوں میں بانٹنے کے لیے ہوتا ہے سمیٹ کر رکھنے کے لیے نہیں کیونکہ ہر مذہب انسان کی اجتماعی زندگی کا سرمایہ ہے لیکن اس ڈر سے کہ اس دولت میں کوئی شریک نہ ہو جائے یہ نہیں

ہو سکتا ہے لیکن حقیقت میں یہ دنیا جہاں کی دولت کو ایک جگہ محفوظ کر لینا چاہتے ہیں۔ اور وہاں سے ہو کر وہ ورلڈ مارکیٹ کو کنٹرول کرنا چاہتے ہیں کیونکہ یہودی دماغ سے بڑھ کر کوئی دماغ نہ پیچیدہ ہوتا ہے نہ سازش کرنے اور اسے چھپائے رکھنے میں ماہر۔

> میری زندگی کا ایک ایک دن ازرے ائیل کی ملٹری تاریخ کے ہر صفحے پر پڑھا جا سکتا ہے اور جو وہاں نہیں ہے وہ موساد Mossad کے ریکارڈ میں محفوظ ہے وہاں تک کسی کی رسائی ہے۔ موساڈ کو قائم کرنا اور دنیا بھر میں دن رات سر گرم رکھنا ہمارا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ موساڈ کی سی مستعدی ہر ملک میں اس سے ہمارے تعلقات ہوں نہ ہوں، کے۔جی۔بی اور سی۔آئی۔اے کے لیے باعث رشک ہے۔ اس وقت اگر اسرائیلی معیشت مضبوط بنیادوں پر استوار ہے تو اس کی سب سے بڑی وجہ امریکہ کی اقتصادی امداد کے علاوہ وہ تجارتی مراعات ہیں جو امریکہ نے اسرائیلی مصنوعات کی درآمد پر عطا کر رکھی ہیں۔ (۶۳)

اس کے علاوہ گزشتہ چار دہائیوں میں امریکہ نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مشرق وسطیٰ میں ان تمام طاقتوں کو یا تو کمزور کر دیا ہے یا بالکل ہی ختم کر دیا ہے۔ جو اسرائیل کا مقابلہ کر سکیں مثلاً مصر جو آبادی اور عسکری طاقت کے لحاظ سے عرب دنیا کا سب سے طاقتور ملک تھا اس کو اپنی امداد کا محتاج بنا کر بے اثر کر دیا۔ اسی طرح شام کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونک کر اسرائیل کی سیکیورٹی کو یقینی بنا دیا۔ عراق پر بھی براہ راست حملہ کر کے اسے مکمل طور پر بے اثر بنا دیا گیا۔ اس خطے میں اب صرف ایران ہے اور اسے بھی اب پر امن ایٹمی پروگرام کا بہانہ بنا کر معیشت کو مفلوج کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسرائیل اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ لچکدار اور تکنیکی طور پر ترقی یافتہ مارکیٹ کی معیشتوں میں سے ایک ہے۔ اسرائیل اپنی تکنیکی تیاری، وینچر کیپیٹل کی دستیابی اور اپنی تحقیقی تنظیموں کے معیار کے لحاظ سے دنیا کی معیشتوں میں مسلسل اونچے نمبر پر ہے۔

اسرائیل کے فلسطین پر مظالم، ان کو اسلحہ بارود کی فراہمی، ان کی معیشت کو مستحکم کرنا ان سب کی بڑی وجہ امریکہ اور عالمی طاقتوں کی جانب سے اسرائیل کی ناجائز حمایت ہے۔ اس حمایت کی سب سے بڑی وجہ

یہ ہے کہ دنیا کے بیشتر تجارتی ادارے، بینک، مالیاتی ادارے اور ذرائع ابلاغ کے زیادہ تر بڑے ادارے یہودیوں کی ملکیت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مشرق وسطیٰ کی سیاست اور عربوں کو کنٹرول کرنے کے ضمن میں امریکہ کے لیے پولیس مین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہودی یورپ اور امریکہ کی سیاست اور معیشت پر بھرپور کنٹرول رکھتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر کی حکومتیں بنانے اور گرانے میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔ ظاہر ہے جو ملک یا قوم سیاسی، مالی اور ابلاغی اعتبار سے ایسی طاقت ہو اس کو کون ناراض کرنا چاہے گا۔

> جس پر ترس کھانے کا یہ عالم ہو کہ اس کے بڑے سے بڑے ظلم اور اقوام متحدہ کے معاہدوں کو توڑنے پر بھی امریکہ اور اس کے حواری اس پر Sanctions (پابندیاں) عائد کرنے کو تیار نہ ہوں۔ [۶۴]

امریکہ پر اسرائیل کا کنٹرول ہے۔ دنیا بھر کی زیادہ تر معیشت یہودیوں کے کنٹرول میں ہے۔ عالمگیریت کو فروغ دینے والے بڑے بڑے ادارے مثلاً آئی۔ ایم۔ ایف، عالمی بینک وغیرہ ان کے کنٹرول میں ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کو قرضہ دینے میں ان کا ہی ہاتھ ہوتا ہے۔ ترقی پذیر ممالک اپنی معیشت کو تحفظ دینے کے لیے ان ممالک یا اداروں سے قرضے لیتے ہیں۔ یہ قرضے غیر مشروط نہیں بلکہ ان کو ری شیڈول کروانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ قرضوں کی ادائیگی کے طریقہ کار کے ساتھ ان کی شرائط بھی ترقی پذیر ممالک کو ماننی پڑتی ہیں۔ یہ شرائط آزاد تجارت، نجکاری، معاشی پابندیوں کو ختم کرنے سے ہوتی ہوئی معاشی اور سیاسی سرگرمیوں میں عدم مداخلت کی طرف لے جاتی ہیں۔ ترقی پذیر ممالک اگرچہ آزاد ہیں لیکن ان کے تمام سیاسی اور معاشی اختیارات ان عالمی حکومتوں اور ان کے معاون اداروں کی مرضی کے تابع ہیں۔ آئی۔ ایم۔ ایف اور ورلڈ بینک کے نمائندے ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھ کر غریب ممالک کے فیصلے کرتے ہیں۔ مسلم حکمران تادیر اقتدار میں رہنے کے لیے ان یہودی لابی کے رحم و کرم پر رہتے ہیں۔

اقوام متحدہ جو انسانی حقوق کا اہم ادارہ ہے اس نے فلسطین کے حق میں قرارداد منظور کی لیکن اسرائیل نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اسرائیل دنیا میں خود کو مکمل طور پر معاشی، سیاسی حوالے سے قابض

کرنا چاہتا ہے اور اس کے اس عمل میں امریکہ اور دیگر مغربی ممالک اس کا بھر پور ساتھ دے رہے ہیں اس حوالے سے حسن منظر اپنے ناول ''حبس'' میں لکھتے ہیں۔

> ہم کنٹریکٹ برج کھیل رہے ہیں جس میں برطانیہ اور اقوام متحدہ ہمارے پارٹنر ہیں۔ اقوام متحدہ کے کھلے ہوئے پتے ہمارے سامنے موجود تھے اور جو عربوں کے ہاتھ میں تھے انھیں بھی ہم جانتے تھے۔ ہم چال بھی چل سکتے تھے اور اپنا دفاع بھی کر سکتے تھے۔ ہم کیا قوم ہیں ایک چھوٹی سی قوم جو دنیا بھر کی سوچ کو بدل کر اپنے پلان کے تابع کر سکتی ہے۔ (۶۵)

اسرائیل کی کسی بھی قسم کی جارحیت پر کوئی ملک آواز نہیں اٹھا سکتا ہے۔ فلسطین پر ہونے والے مظالم پر تمام دنیا خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ ساری دنیا پر اس وقت امریکہ کی اجارہ داری ہے اور امریکہ کے ویٹو کرنے کے ڈر سے کوئی بھی فلسطین کے خلاف یو۔این۔او میں آواز نہیں اٹھائے گا لیکن مسلم دنیا کی بے حسی اس معاملے میں بہت زیادہ ہے۔ مسلم دنیا اسرائیل کو تسلیم کر رہی ہے۔ عالمی سطح پر اسرائیل کے حربوں اور مفاد کو جاننا ہر محب وطن کے لیے ضروری ہے کہ یہودیوں نے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے کس طرح فلسطینی مسلمانوں کو ان کے اپنے گھروں سے نکال دیا اور ان کا قتل عام کیا۔ عالمی سطح پر اسرائیل کے ان مظالم کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے۔ ہمیں فلسطینیوں کے درد کو محسوس کرنا چاہیے۔ ہم ظلم کرنے والوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لیکن مظلوم کے ساتھ اظہار یک جہتی تو کر سکتے ہیں۔ موجودہ دور میں عالمگیریت کا اہم ذریعہ ذرائع ابلاغ ہے جو کہ اس وقت یہودیوں کے مکمل کنٹرول میں ہے اس میں وہی دکھایا جاتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ ان کا مکمل کنٹرول ہے کہ اخباروں اور رسالوں میں کیا چھپ رہا ہے۔ موویز اور ٹیلی وژن کا کیا رجحان ہے۔ ریڈیو کیا سنا رہا ہے ان کے خلاف کہیں نپولین یا ہٹلر کا کردار نہ پیدا کر دیں اور اس مقصد کے لیے انہوں نے میڈیا کو ہی اپنے کنٹرول میں کیا ہوا ہے۔

اترے فراواں امن عرش سے　　　آواز حیات اور امن صرف اپنے
اور آوے حیات ہم پر اور کل ازرے ائیل پر　　　اور اسرائیل کے لیے من مانگو

مانگو سب جہاں کے لیے

اب کہو

عزادار اور مجمع

(آمین)

وہ جو امن کو تخلیق کرتا ہے اپنی رفعتوں میں

اتارے امن

ہم پر اور کل ازرے ائیل پر

اب کہو

(آمین) (۶۶)

حسن منظر نے اپنے ناول "حبس" میں اسرائیل کے وزیر اعظم ایریئل شیرون کی بے ہوشی اور غفلت کی ان آٹھ برسوں کے دوران ہونے والی فکر و تخیل کی لرزشوں کو بیان کیا ہے۔ اس کے ذہن میں اس کی سوچیں، اس کے اندیشے، اس کی اذیتیں کھبلا رہی تھیں۔ انہوں نے شیرون کو اس کے ہسپتال کے کمرے میں نہیں بلکہ اس کے ذہن میں اتر کر دیکھا ہے۔ انہوں نے جدید ترین طبی کوششوں سے ایریئل شیرون کے دماغی عمل کی تصویر اتارنے اور اس کے خیالات کو پڑھنے کی کوشش کی ہے جسے حقیقت ثابت نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ گزشتہ صدی میں ارض فلسطین پر ہونے ان ٹھوس مادی حقائق پر مشتمل ہے اور ان حقائق کو ئی بھی دیکھ اور جان سکتا ہے۔ یہ ناول حقیقت اور فینتاسی کا ایک امتزاج ہے۔

حقیقت کی کئی سطحیں ہوتی ہیں۔ ناول میں زندگی کی طرح یہ کسی نہ کسی طور پر کارفرما ہوتی ہیں۔ عام طور پر ان کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلی سطح کائنات کے جانے پہچانے تجربے پر بنیاد رکھتی ہے اور جیسے شعور و ادارک کے دائرے میں لا کر شناخت کیا جا سکتا ہے اور دوسری وہ ہے جو کسی عمومی تجربے سے ماورا اور

سراسر انفرادی نوعیت کی ہوتی ہے۔ فکشن میں حقیقت کی ان سطحوں سے معاملہ کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایک حقیقت دوسری پر غالب آجاتی ہے۔ حقیقت کی جانی پہچانی سطح کو پیش کرنا اور قابل توجہ بنادینا بھی ایک عمدہ کام ہے لیکن اس حقیقت کو ایک عام آدمی پڑھے بغیر بھی چھو سکتا ہے۔ڈاکٹر نجیبہ عارف کے خیال میں

> جب فکشن نگار کائنات کی عام نظر آنے والی تصویر کو اپنے تخیل کی پرواز، اپنی بصیرت کی رنگ آمیزی سے ایسی صورت میں پیش کرتا ہے جو پڑھنے والے پر حقیقت کی ایک ناموجود مگر امکانی صورت حال واضح کر دیتی ہے تو فکشن کا اثر اور دائرہ کار وسیع تر ہو جاتے ہیں اور اس میں ایک ایسا ترفع پیدا ہو جاتا ہے جو سادہ حقیقت نگاری سے بہت آگے کی چیز ہے۔ (۶۷)

ڈاکٹر حسن منظر نے اپنے اس ناول میں اس ترکیب کا ہی استعمال کیا ہے۔ اس طریقہ کار کے استعمال سے انہوں نے تاریخ کے ٹھوس حقائق کا چہرہ پیش کیا ہے۔ فینتاسی سے مراد جدید دور میں بے رحم حقیقت نگاری کے مقابل اختیار کیا جانے والا اسلوب نگارش ہے جس کا مطلب ہے کہ ادب صحافتی رپورٹ کی طرح حقائق واعداد کا طومار نہیں ہوتا بلکہ اس میں تخیل کی پرواز بھی ہے اسی خصوصیت کے باعث یہ ادب کو قابل قرات بناتی ہے۔ دور جدید میں سرئیلزم، میجک رئیلزم وغیرہ جیسے رجحانات کی بنیاد ہی تخیلی دنیا ہے۔ جس میں حقیقت کے ساتھ ساتھ تخیل کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ قدیم اور جدید فینتاسی میں بنیادی فکر سوچ اور تخیل کا ہے۔ جدید دور کا انسان ماضی کی طرح اسطورہ اور غیر مرئی تخیل کا قائل نہیں بلکہ وہ فرضی انداز فکر اور تخیل میں بھی جدید تر سائنسی ایجادات، معروضیت اور دریافتوں کو سامنے رکھتا ہے۔ جدید دور کا انسان سائنس کے ذریعے معلوم ہو جانے والے زمان و مکان سے اگلے منطقوں کی فکر میں ہے۔ سائنس فکشن بھی کم و بیش اسی منطقہ ادب سے تعلق رکھتی ہے جس میں سائنسی ادب کی سیڑھی کے ذریعے نامعلوم کی جانب سفر کیا جاتا ہے۔ سائنس فکشن آنے والے دنوں میں حقیقت کے طور پر سامنے آئے گی۔ کیونکہ سائنس انسان کے خیالات کو عملی صورت دینے ہی کا عمل ہے۔

حسن منظر نے بھی بظاہر فینتاسی طریقہ کار کے ذریعے ٹھوس حقائق کو پیش کیا ہے۔ ان کا یہ ناول بظاہر ایریئل شیرون کے خیالات کی بازگشت ہے مگر حقیقت میں انہوں نے اسرائیل اور فلسطین کے تصادم کو پیش

کیا ہے۔ یہ تصادم کئی ہزار سالوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے کئی اساطیری حوالے بھی دیے ہیں۔ کئی تاریخی اور نیم تاریخی قصے بھی پیش کیے ہیں۔ کئی اہم تاریخی دستاویزات بھی ہیں اور حقائق کو دیکھنے کے لیے کئی ایسے نقطے بھی ہیں جو بالکل واضح ہیں لیکن عام دیکھنے والی آنکھ سے پوشیدہ رہتے ہیں۔

۱۲۹۰	انگلستان	
۱۳۹۱	فرانس	
۱۳۲۱	اوسٹریا	
۱۴۲۴	جرمنی	
۱۴۳۹	اوسبرگ	Ausberg
1442	بیویریا	Baveria
1454	مورایا	Moravia
1488	پارما	Parma
۱۴۸۹	میلانو–اٹلی (۶۸)	

وہ فردوسی امن بس 1492ء تک رہا۔ فرڈنینڈ کون تھا؟ ازابیلا کون تھی؟ جنہوں نے مسلم اسپین کا خاتمہ کر کے دوبارعیسائی اسپین پیدا کیا۔

اسی طرح کے اور بہت سے حوالے موجود ہیں جو تاریخی دستاویزات کو پیش کرتے ہیں۔ اس ناول میں حسن منظر نے ایریئیل شیرون کے علاوہ آوازوں کو بھی کردار کی صورت میں پیش کیا ہے۔ یہ وہ آوازیں ہیں جن کو وہ مجبوراً سنتا ہے۔ ان آوازوں کا منبع نامعلوم ہے۔ کبھی تو یہ آوازیں جیتے جاگتے انسانوں کا نام اوڑھ لیتی ہیں اور کبھی یہ ماورائی معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً مقتول و مظلوم فلسطینیوں کی آوازیں اس کے علاوہ وہ تاریخی

کرداروں کی اور وہ آوازیں جن کا تعلق حیات بعد الموت سے ہے اور جو ایریئل شیرون کو اس کے اعمال کا آئینہ دکھاتی ہیں اور اس کی حقیقت کو پیش کرتی ہیں کہ اس نے زندگی میں کیا کیا ہے۔

> آواز: تم دو، ایک ہوتے تھے بلکہ تین دو بل ڈوزر، ایک صدر امریکا اور تمہاری حقارت اور استزا کے مقابلے میں وہ اکیلا ڈٹا رہتا تھا کہ شاید اس کی قوم والوں کے لیے ظلم سے نجات کی کوئی راہ نکل آئے۔ (۶۹)

پورے ناول کو ان مکالماتی آوازوں سے تیار کیا گیا ہے۔ یہ آوازیں مکالمے کی صورت میں سامنے آتی ہیں۔ ناول کا زیادہ تر حصہ شیرون اور ان آوازوں کے درمیان مکالمے اور شیرون کی خود کلامی پر مبنی ہے۔ ان آوازوں کو ایک خیال یا وہم قرار دینے کے بجائے حسن منظر نے ان کو حقیقی ہونے کا التباس بڑی کامیابی سے کیا ہے۔ کوئی بھی آواز یا مکالمہ خیال یا وہم نہیں لگتا ہے بلکہ ایک کردار کی صورت میں حقیقی انداز میں سامنے آتا ہے۔ ان آوازوں کے ذریعے وہ اپنے ماضی کے واقعات کو یاد کرتا ہے ان کے ساتھ گفتگو کرتا ہے۔

> ڈاکٹر ریوبن نرس شونا سے: اس کا ای ای جی پیٹرن عجیب ہے بے ہوش ہے لیکن لگتا ہے ہم جو بھی بات کرتے ہیں سن رہا ہے بلکہ کچھ اور بھی، اپنی اور کسی دوسرے کی۔ کبھی لگتا ہے کئی آوازیں ایک ساتھ سن رہا ہے۔
>
> ڈاکٹر ڈیلبرٹ مان: اور کبھی ان آوازوں سے گفتگو کر رہا ہے
>
> This electro encephalogram is a beauty.
>
> ڈاکٹر جیکب کچھ کہہ سکتے ہو آوازیں کس قسم کی ہیں۔
>
> ریوبین: عورتوں کی، مردوں کی، بچوں کی، سب کی سب عربی میں اور میری عربی اتنی اچھی نہیں ہے۔
>
> بلڈوزر سوچ رہا ہے بڑی عمارتیں گر رہی ہیں۔ باغ اور کھیت بلڈوزر کے نیچے آکر۔ (۷۰)

یہ ناول عصری صورت حال اور تاریخ کو ساتھ لے کر چلتا ہے اور ایسے سوال اٹھاتا ہے جو انسانی ضمیر کو جگاتے ہیں اور جنہیں پوچھنے کی اجازت عالمی ادارے نہیں دیتے ہیں۔ اس کتاب کو شروع سے آخر تک ختم کرنا بہت مشکل ہے۔ تاریخ، فلسفہ، تہذیب، سیاست، فلم اور آرٹ کے سیکڑوں حوالے، زمان و مکان کی تیز آہنگی، مختلف حقائق کی طرف اشارے اور احساس کی نازک سطحوں پر بھاری اور ہلکی مسلسل دستکیں کتاب کے رواں دواں مطالعے کو جگہ جگہ روک لیتی ہیں۔ ناول زیادہ تر مکالماتی انداز میں ہے۔ یہ مکالمہ کئی دنیاؤں اور کئی زمانوں میں بیک وقت ہوتا نظر آتا ہے۔ داخلی دنیا میں بھی۔ ان مکالموں میں کہانیاں بھی ہیں اور اساطیری حوالے بھی۔ ایسے مکالموں میں شامل رہنا اور اسے ادراک کے حیطہ سے باہر نہ نکلنے دینا ایک جدوجہد کا متقاضی ہے جو کہ حسن منظر نے کی ہے جو ناول میں نظر آتی ہے۔

حسن منظر کی اس جدوجہد میں اضافہ کرنے والا ایک اور عنصر املا ہے۔ املا کے معاملے میں بھی انہوں نے کچھ اجتہادی کاوشیں کی ہیں۔ انہوں نے املا کے معاملے میں کچھ بنیادی تبدیلیاں شعوری طور پر کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ان تبدیلیوں کو شعوری طور پر رائج کرنے کے خواہش مند بھی ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اردو بولنے والے انگریزی کے ان الفاظ کو درست تلفظ کے ساتھ ادا کریں جو اردو املا کی وجہ سے اردو بولنے والے درست طور پر ادا نہیں کرتے ہیں۔ ناول کے آغاز میں حسن منظر نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے۔

> اس تحریر میں اردو میں مستعمل انگریزی الفاظ مثلاً Coffee, ball, lawn, doctor, hall اور college کو اس طرح اردو رسم الخط کو لکھا گیا ہے۔۔ کون سی کانفرنس کہنے اور لکھنے میں غور کریں تو پتہ چلتا ہے ایک ہی آواز کو دو طرح ادا کیا جاتا ہے۔ ہندی میں اس دشواری سے بچنے کے لیے یہ کام الف کی علامت پر ایک ہلال جیسا نشان بنا کر لیا جاتا ہے تاکہ عام پڑھنے والے معالج کو ڈوکٹر، تعلیم گاہ کو کولج اور ایک کھیل کو فٹ بال پڑھے۔ (۷۱)

حسن منظر نے شعوری طور پر انگریزی کے الفاظ کو اسی کی املا میں لکھنے کی جو کوشش کی ہے بعض اوقات یہ املا مثلاً ڈوکٹر، روکٹ، بروڈکاسٹنگ جیسے الفاظ پڑھنے والے کے لیے اجنبی محسوس ہوتے ہیں اور یہ

جانے پہچانے الفاظ بھی نامانوس ہونے لگتے ہیں۔ عالمگیریت کے تحت اردو ادب میں لسانی و لسانیاتی اور ہیتی و تکنیکی طور پر دو طرح کی تبدیلیاں آتی ہیں۔ عالمگیریت کے زیر اثر اردو زبان و ادب میں بیرونی ممالک اور ان کی زبانوں کے الفاظ و اسماء کا ورد بہت بڑھ گیا ہے تقریباً سبھی ادباء کے ہاں یہ پایا جاتا ہے۔ انگریزی کے الفاظ اس قدر استعمال کیے جاتے ہیں کہ ہم الفاظ کو مد نظر رکھتے ہوئے ان زبانوں سے نا آشنا آدمی بھی کافی حد تک بات سمجھنے اور پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ بیرونی اصطلاحات کا استعمال اس طرح بھی ہوتا ہے کہ ان کو اردو الفاظ کی شکل دے دی جاتی ہے۔ ان الفاظ کی املا بھی مخصوص کی جاتی ہے جس سے ان کا استعمال بڑھ جاتا ہے بلکہ آسان بھی ہو جاتا ہے اور ان کی اصل اصطلاحات کے ساتھ بھی وابستگی بر قرار رہتی ہے لیکن حسن منظر نے ان الفاظ کو ان کی اصلی زبان میں پیش کرنے کی شعوری طور پر کوشش کی ہے جس کے باعث یہ الفاظ بعض دفعہ نامانوس ہو جاتے ہیں۔ ایک مدت تک کوئی بھی لفظ زیر استعمال رہنے کے بعد زبان کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس صورت میں اصلاح زبان کے نیک جذبے سے بھی کی جانے والی ترمیم کو بھی عام لوگوں تک پہنچانے اور سمجھانے میں ایکسٹرا وقت درکار ہوتا ہے۔ انگریزی الفاظ کے درست تلفظ کی ادائیگی کے لیے اگر املا تبدیل کیا جائے اور تلفظ ایک طریقے سے سہی مگر غلط ہی رہے ساتھ ساتھ اس کے املا میں بھی غلطی آجاتی ہے۔ ڈاکٹر نجیبہ عارف کے مطابق

> میرا یہ خیال ہے کہ چوں کہ اردو میں اعراب کا استعمال رائج نہیں ہے اس لیے واولین (ایسی واو جس سے پہلے آنے والے حرف پر زبر ہو) یعنی ما قبل مفتوح جیسے پَودا، غَور، حَوض کا تلفظ کم از کم ہم پنجابیوں کے ہاں تو پہلے ہی درست نہیں ہوتا اور ہمارے بچے اکثر واولین کو واو مجہول (ایسی واو جو صرف اپنے سے پہلے حرف کی آواز کو آگے بڑھانے جیسے روئی، شور، روزہ، سوچ کے طور پر بولتے ہیں۔ جیسے کون، قوم اور فوج کے بجائے کون، قوم، فوج بر وزن بول خدشہ ہے کہ اب اگر انگریزی الفاظ کے درست تلفظ کی ادائیگی کے لیے املا تبدیل کیا جائے تو ڈوکٹر بگڑ کر ڈوکٹر ابروزن تول کرنا نہ ہو جائے۔ یعنی تلفظ تو ایک اور طریقے سے سہی مگر غلط ہی رہے۔ ساتھ ساتھ املا بھی ہاتھ سے جائے۔(۷۳)

ان سب باتوں کے باوجود اگر حسن منظر کے اسلوب کو دیکھا جائے تو بہت ہی اثر انگیز اور توجہ کا باعث ہے۔ بعض جملے تو ایسے ہیں جو اپنے مفہوم کی وسعت کے باعث ضرب المثل کی طرح یاد رہ جانے والے ہیں۔ دیگر ناولوں کی طرح اس ناول میں بھی حسن منظر نے دیگر زبانوں خصوصاً انگریزی زبان کے الفاظ بلکہ جملے کثرت سے استعمال کیے ہیں۔ موجودہ دور میں عالمگیریت کی زبان انگریزی ہی ہے۔ انگریزی کا استعمال اور اس کے الفاظ اردو زبان میں باکثرت موجود ہیں۔ حسن منظر اور دیگر ادیبوں کے ہاں ان کا بھرپور استعمال کیا جاتا ہے۔ حسن منظر کی تحریریں فنی و فکری خصائص کے ساتھ ساتھ گہری تاریخی بصیرت اور عصری حساسیت کی حامل ہیں۔ ان کا ناول حبس موضوع اور اسلوب دونوں حوالوں سے گہری تاریخی بصیرت اور عصری حساسیت کا حامل ہے۔ ان کا دور ملکی اور غیر ملکی دونوں سطحوں پر تیز رفتار تبدیلیوں کا عہد رہا ہے۔ حسن منظر جس ادبی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں وہاں فکر کے دھارے پریم چند، ٹالسٹائی، دوستوفسکی، ٹیگور کے ساتھ ساتھ دیگر مغربی بالخصوص روسی ادیبوں کے مطالعے سے تقویت پا رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تنوع وہ عنصر ہے۔ جو ان کی تخلیقات میں موضوعات، کرداروں اور اسلوب کی سطح پر نمایاں طور پر شناخت ہوتا ہے۔ انہوں نے فکشن کو اپنے عہد، خانگی حالات، تعلیم، تجربات حیات ماضی قریب و بعد کے مطالعے سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اپنے ناول "حبس" میں منتخب معاشرے بنیادی اداروں کے کردار پر اعتماد کا اظہار نہ کرتے ہوئے اس معاشرے کی تنزلی کے اسباب کو سمجھانے کی کاوش کی ہے۔ یہ ناول سیاسی، سماجی اور مقتدر بیانہ پر مبنی تاریخ، ایک توازن تاریخ و شعور کی راہ دکھاتا ہے اور کچھ سوالوں کو جنم دیتا ہے جس کا جواب قاری سے طلب کرتے ہیں۔ ان کے اس ناول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> حسن منظر پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں۔ انہوں نے اپنے پیشے کی تمام مہارت "حبس" میں صرف کر دی ہے اور اردو کو ثروت مند کیا ہے۔ مجھے ایسے بے بضاعت اور معمولی لکھنے والے ان کو لفظوں کے لعل و گہر تر کر سکتے ہیں۔ کہ یہی ہماری بساط ہے۔ (۷۴)

اسی طرح غلام قادر ناول کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> یہ ساری کتاب ان مکالموں جن کا بظاہر کوئی وجود نہیں پر مشتمل ہے لیکن اس کے باوجود یہ مکالمے ہر جگہ حاوی نظر آتے ہیں۔ یہ ایک ایسی تکنیک ہے جو سائیکالوجی کے طالب علموں کو ایک نئی جہت عطا کرتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اس بات کو واضح کرتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی تخلیقات میں سب سے پیچیدہ تخلیق انسان ہے اسی طرح انسانی جسم میں دماغ بھی سب سے زیادہ ہے۔ (۷۵)

حسن منظر نے اس ناول میں عالمگیریت کے سیاسی پہلوؤں کی عکاسی نہایت خوب صورت انداز میں کی ہے۔ عالمگیریت نے جہاں معاشی، ثقافتی اور معاشرتی سطح پر اثرات مرتب کیے ہیں وہاں سیاست پر بھی اس کے اثرات ہیں۔ کسی ملک پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کے لیے اس کی معیشت پر قابض ہونے کے لیے ان کی سیاست میں دخیل ہو جاتا ہے اور سیاست میں اپنی مرضی کا حکمران اور بڑے اداروں پر اپنے نمائندے بٹھا کر ان کی معیشت پر قابض ہو جاتا ہے تا کہ ان کے سرمائے پر بھی قابض ہو جا سکے۔ عالمگیریت کا نمایاں پہلو معیشت ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بہت سارے فیصلوں کے پیچھے سیاست کا ہاتھ ہے سیاسی طاقت کے شعبوں سے ہی مارکیٹوں کو آزاد کرنے یا نرخوں کے خاتمے کا تعین کیا جاتا ہے۔ متعدد تحریکیں قوم پرستی کے خاتمے اور مبینہ طور پر سرحدوں کی دھندلاہٹ کا سامنے کرنے کے بعد ابھر رہی ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کی قومی حکومتوں نے اپنے اختیارات کا کچھ حصہ بین الاقوامی اداروں کو دے دیا ہے اسی وجہ سے ملٹی نیشنل کمپنیوں کی طاقت میں اضافہ ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ فیصلہ سازی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ سیاسی عالمگیریت کے باعث ہی قوم پرستی کے اختیارات کی تجدید ہو رہی ہے۔ سیاسی اور معاشی عالمگیریت نو استعمار یا نو سامراجیت کے ظہور کا باعث بنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب اسلحے سے غلبہ حاصل کر کے کے بجائے بڑی طاقتوں کے ذریعے ہی معاشی اور ثقافتی کنٹرول کیا جائے گا۔

جمہوریت کو پھیلانے میں سیاسی عالمگیریت کا بڑا ہاتھ ہے۔ جمہوریت کو پھیلانے میں امریکہ کا بڑا ہاتھ ہے جو جمہوریت کے نعرے لگاتا ہے۔ اس کے علاوہ اقوام متحدہ کی تخلیق سیاسی عالمگیریت کی بہترین مثال ہے

لیکن یہ سب اپنے ذاتی مفاد کے لیے کام کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ فلسطین کے معاملے میں ہونے والے مظالم کے معاملے میں امریکہ اور مغربی ممالک کا کوئی کردار نہیں ہے۔ اس کی عکاسی حسن منظر نے کی ہے۔

> ایرک: الیکشن کے بعد امریکی صدر کو راہ دکھانا ہمارا کام رہ جاتا ہے جہاں جو حکومت ہم لاتے ہیں اس میں ہماری ناقابل پیمائش عقل کا چھینٹا ہوتا ہے اور کون نہیں جانتا دنیا کا سب سے اہم آدمی ہم نے پیدا کیے ہیں۔ سیکورٹی کونسل کیا کہتی ہے اور یو ایس سیکریٹری اوف ٹیسٹ اور امریکی صدر جو کہتے ہیں ہم اسے درخور التنا نہیں گردانتے۔ (۷۶)

اس ناول کے علاوہ حسن منظر نے دیگر ناولوں میں بھی عالمگیریت کے سیاسی پہلوؤں کو بیان کیا ہے۔ اسلامی ممالک کی لائق اور طاقتور قیادت کو ہٹا کر کمزور اور نالائق قیادت مسلط کرنا اور امریکی مفاد کے لیے جو قیادت کام کرے اس کو تحفظ بخشنا اور ان کی سرپرستی کرنا تاکہ وہاں عوام اور ان کی تمام دولت پر قبضہ کیا جا سکے۔ سیاسی عالمگیریت کا ایک اہم مقصد ہے۔ عالمگیریت کے شعبوں میں مغربی اور امریکی اقدار کا غلبہ رہا ہے۔ سیاست کو امریکی مفاد کے مطابق ڈھالا گیا ہے کیونکہ اس کا مقصد مادیت کا حصول ہے۔ سیاسی عالمگیریت اصل میں اقوام متحدہ یا ڈبلیو ایچ او جیسی بین الاقوامی تنظیموں کی ترقی اور بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کا مطلب ہے کہ حکومتی کاروائی بین الاقوامی سطح پر ہو۔ بین الاقوامی ادارے مثلاً ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن، یورپی یونین وغیرہ اس کے فروغ میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ آئی۔ ایم۔ ایف، ورلڈ بینک اور عالمی تجارتی ادارے جیسی عالمی تنظیموں پر مشتمل ایک عالمی ادارے اور اس کی بڑھتی ہوئی سیاسی طاقت کو عالمگیریت کہا جاتا ہے۔ یہ نہ صرف سیاست بلکہ نیم سرکاری اداروں، معاشرتی حرکات اور رائے عامہ کو بھی متاثر کرتا ہے۔ حسن منظر نے اس کی عکاسی ان الفاظ میں کی ہے۔

> پہلی نوکری جو تلمیذ کو ملی وہ ایک بینک کی تھی۔ جس کا سارا سیٹ اپ اسے تھرڈ کلاس لگا۔ بینک ایجنٹ جس کی مین شاخیں جیسا کہ اندر کا ایک بورڈ بتاتا تھا انگلینڈ، آسٹریلیا اور جنوبی افریقا میں ہیں اس کے علاوہ بائیس اور شاخیں دوسرے ملکوں میں تھیں۔ (۷۷)

سیاسی عالمگیریت کے اہم پہلوؤں میں سے ایک قوم ریاست کی گرتی ہوئی اہمیت اور سیاسی منظر نامے پر دیگر اداروں کا عروج ہے۔ سیاسی عالمگیریت نے دنیا کو اس طرح اپنی لپیٹ میں لیا ہے کہ ریاستی حدود اپنی اہمیت کھونے لگی ہیں۔ مختلف کمپنیاں اور ادارے حکومتوں کی معاشی اور سیاسی پالیسیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جس ملک میں بھی سرمایہ کاری کرتے ہیں وہاں اپنا سیاسی اثر و رسوخ بھی قائم کر لیتے ہیں اور حکومتی عہدے داروں سے مل کر مختلف مراعات حاصل کر لیتے ہیں۔ سیاسی اور معاشی مقصد کے حصول کے لیے سب کچھ کیا جاتا ہے۔ حسن منظر "دو مختصر ناول" میں لکھتے ہیں۔

> چرچ انہیں مدد نہیں دے سکتا جو کرسچین نہ ہوں یا مذہب چھوڑ کر کچھ اور بن چکے ہوں۔ لیکن کتنے ہی مسلمان ملکوں کو مدد دیتا ہے۔ اعتراض کرنے والے نے کہا: "وہ دوسری بات ہے سیاسی، جہاں سیاسی مقصد نہ ہوں وہاں مذہب کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ میرا مشورہ ہے تم اس شہر کو چھوڑ کر کسی اور چھوٹے شہر میں جا کر رہنے لگو۔ (۴۸)

بحیثیت مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں کہ عالمگیریت نے معاشی اور سیاسی لحاظ سے اپنے اثرات مرتب کیے ہیں۔ علاقائی، تجارتی بلاکس کی تشکیل اور مختلف بین الاقوامی معاہدوں میں شرکت سے متعلق سیاسی عوامل نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ ایک مضبوط اور فعال حکومت اپنے داخلی اور خارجی معاملات میں آزاد ہوتی ہے وہ کسی کی مداخلت کو پسند نہیں کرتی ہے لیکن سوویت یونین کے خاتمے کے بعد نیو ورلڈ آرڈر جو متعارف کروایا گیا اور جس کی بنیاد آزاد تجارت، بنیادی حقوق، امن اور نسلی تعصب کے خاتمے پر رکھی گئی دراصل اس کے پیچھے یہی بڑے بڑے ادارے ہیں جنہوں نے تمام ترقی پذیر ممالک کے سیاسی نظام کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے اور اس کا مقصد صرف معاشی ہی ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں اب عوام کی زندگیوں کا فیصلہ قومی حکومتوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اب منصوبہ سازی اور ملکی پالیسیوں کا انتخاب عالمی سرمایہ کار کرتے ہیں۔ گویا غریب ممالک کا اپنے وسائل اور منڈیوں پر قبضہ نہ رہے۔

معیشت اپنا مرتکز اظہار سیاست میں کرتی ہیں۔ سیاسی عمل ہی خود مختاری، حاکمیت کے اختیار اور معاشی پالیسیوں اور دیگر پالیسیوں کا انتخاب کرتا ہے۔ لہذا ایک کمزور سیاسی نظام اور کمزور حکومت محدود

اختیارات کے ساتھ ہی ان ملٹی نیشنل کمپنیوں اور ان کے مفادات کو تحفظ دینے والے اداروں کے لیے قابل قبول ہوتی ہے۔ کسی ملک کی پالیسیوں کو اپنی مرضی کے مطابق کرنے اور حکومتوں کے بے دخل کرنے میں آئی۔ ایم۔ ایف اور ورلڈ بینک موثر ہتھیار ہیں۔ ترقی پذیر ممالک اگرچہ آزاد ہیں لیکن پھر بھی وہ ان عالمی اداروں کی مرضی کے تابع ہیں۔ واور فورسٹر Vivore Forrester اپنی کتاب Horrerur Economy جس کا انگریزی ترجمہ The Economic Horror کے نام سے ہوا ہے میں لکھتے ہیں۔

> Nothing could prove the private economy's power and hegemony. Nothing but blackmail is exerted from them on developed-country policies that reduce public expenditure and social welfare systems, regulate deregration and allow companies to lay off workers without restriction, abolish minimum wages, make work more flexible, and so on. (۷۹)

گویا عالمگیریت کے معاشی اور سیاسی پہلو ساتھ ساتھ ہی چلتے ہیں۔ معاشی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے سیاست میں مداخلت ضروری ہے۔ سیاست میں دخیل ہو کر ہی معاشی مفادات حاصل کیے جاتے ہیں۔

حوالہ جات

(۱) LuiHerbon, Globalization, Debunking the Mylt. (Page 20)

(۲) JasephStiglitz, Globalization and its Discontents. New York.

(۳) ww.Nortan and company 2003. (Page 04)

(۴) International forum on globalization available on http;//www.ifg.org/analysis.htm.

(۵) Hassan M. Kabir, Globalization and Sustainable development in the POIL countries in Globalization and Muslim World Bangladesh institute of Islamic Thought BIIT Dhaka 2003. Page 25

(۶) مبین مرزا، عالمگیریت اور ہمارا عصری و ادبی تناظر، ایکسپریس اتوار جولائی ۲۰۱۷

(۷) مسکین احمد منصور، ماہنامہ چہار سو راولپنڈی، ۱۱ مئی ۱۹۹۹ء

(۸) حسن منظر، ڈاکٹر العاصفہ، شہرزاد پبلی کیشنز بی ۱۵۵، بلاک ۵، گلشن اقبال، کراچی (صفحہ ۱۲۸)

(۹) ایضاً، صفحہ ۳۶

(۱۰) ایضاً، صفحہ ۹۸

(۱۱) ایضاً، صفحہ ۶۴

(۱۲) ایضاً، صفحہ ۹۹

(۱۳) ایضاً، صفحہ ۹۸

(۱۴) ایضاً، صفحہ ۱۲۸

(۱۵) ایضاً، صفحہ ۱۳۷

(۱۶) ایضاً، صفحہ ۱۳۷

(۱۷) ایضاً، صفحہ ۱۵۸

(۱۸) ایضاً، صفحہ ۱۷۰

(۱۹) ایضاً، صفحہ ۶۴

(۲۰) ایضاً، صفحہ ۲۷،۲۶

(۲۱) ایضاً، صفحہ ۳۵

(۲۲) ایضاً، صفحہ ۴۰

(۲۳) ایضاً، صفحہ ۱۱

(۲۴) ایضاً، صفحہ ۱۱۰

(۲۵) ایضاً، صفحہ ۱۱۱

(۲۶) ایضاً، صفحہ ۱۱۴

(۲۷) ایضاً، صفحہ ۹۸

(۲۸) ایضاً، صفحہ ۹۹

(۲۹) ایضاً، صفحہ ۱۷۴

(۳۰) ایضاً، صفحہ ۹۹

(۳۱) ایضاً، صفحہ ۱۰۰

(۳۲) ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے ہمہ گیر سروکار، فکشن ہاؤس، حیدر آباد، لاہور، کراچی، صفحہ ۶۵

(۳۳) اجمل کمال، حسن منظر کا العاصفہ و دیگر نیا ادب.www.Bbb.Com>070822.ajmal.org

(۳۴) حسن منظر، العاصفہ، صفحہ ۶۴

(۳۵) Linderf peter, does globalization make the world more unequal in globalization and income inequality (Icfaci university press Hyderabad), 2010. (page 28).

(۳۶) حسن منظر، العاصفہ، صفحہ ۹۰

(۳۷) ایضاً، صفحہ ۱۳

(۳۸) ایضاً، صفحہ ۱۴۶

(۳۹) مسکین احمد منصور، اشکوں میں رعنائی، ماہنامہ چہار سو، راولپنڈی ۱۱ مئی ۱۹۹۹

(۴۰) Gerard Delantyan Chris Rumford "Political globalization" in George Ritzer. The Blackwell companion to globalization, John wily and (Page 414)-Sons

(۴۱) Dani Roderick, has globalization gone too far? Washington institute for international economics 1997. (Page 04)

(۴۲) حسن منظر، ڈاکٹر، حبس، شہرزاد پبلی کیشنز، کراچی، صفحہ ۴۰

(۴۳) ایضاً صفحہ ۵۴

(۴۴) ایضاً صفحہ ۳۰

(۴۵) معین شاداب، شعر و ادب میں مسئلہ فلسطین کی گونج۔ www.qaumiawaz.com.

(۴۶) حسن منظر، ڈاکٹر، حبس، صفحہ ۱۳۱

(۴۷) ایضاً، صفحہ ۶۶

(۴۸) ایضاً، صفحہ ۶۴

(۴۹) (68221) American veto power. www.independenturdu.com/node Israels.biggestweapon.

(۵۰) حسن منظر،ڈاکٹر، حبس، صفحہ ۲۵۳

(۵۱) ایضاً، صفحہ ۱۴۱

(۵۲) نجیبہ عارف،ڈاکٹر،عالمگیریت اور اردو ادب، www.sangatacademy.net .

(۵۳) حسن منظر،ڈاکٹر، حبس، صفحہ ۲۰

(۵۴) ایضاً، صفحہ ۲۱

(۵۵) حسن منظر،ڈاکٹر، حبس، صفحہ ۳۱۱،۳۱۰

(۵۶) ایضاً، صفحہ ۷۱

(۵۷) ایضاً، صفحہ ۱۰۳

(۵۸) ایضاً، صفحہ ۱۲۷

(۵۹) ایضاً، صفحہ ۲۵۳

(۶۰) ایضاً، صفحہ ۲۶۷

(۶۱) ایضاً، صفحہ ۱۲۵

(۶۲) ایضاً، صفحہ ۱۷۱

(۶۳) ایضاً، صفحہ ۳۵۷

(۶۴) ایضاً، صفحہ ۲۹۰

(۶۵) ایضاً، صفحہ ۲۹۱

(۶۶) ایضاً، صفحہ ۲۰۹

(۶۷) ایضاً، صفحہ ۳۵۸

(۶۸) نجیبہ عارف،ڈاکٹر،اردو ادب اور عالمگیریت، صفحہ ۲

(۶۹) حسن منظر، حبس، صفحہ ۱۵۲

(۷۰) ایضاً، صفحہ ۱۰۹

(۷۱) ایضاً، صفحہ ۶۵

(۷۲) ایضاً صفحہ ۱۳

(۷۳) نجیبہ عارف،ڈاکٹر،اردو ادب اور عالمگیریت، صفحہ ۲

(۷۴) زاہدہ حنا،حسن منظر،ستائش کی تمنا،نہ صلے کی پروا۔www.express.com.pk

(۷۵) غلام قادر، تبصرہ، حبس۔www.humsub.com.pk.

(۷۶) حسن منظر،ڈاکٹر، حبس،صفحہ ۳۱

(۷۷) حسن منظر،ڈاکٹر،انسان اے انسان،صفحہ ۱۸۱

(۷۸) حسن منظر،ڈاکٹر،دو مختصر ناول بیر شیبا کی لڑکی،ماں بیٹی۔ صفحہ ۸۷

(۷۹) Viviane Forrester,The Economic Horror, Blackwell Oxford 1999. (Page 95)

باب پنجم:

مجموعی جائزہ

گزشتہ صدی کی آخری تین دہائیوں سے عالمگیریت کی اصطلاح علمی وادبی حلقوں میں رائج ہے اور دعوت فکر دے رہی ہے۔ گزشتہ صدی کے آخر میں رونما ہونے والے واقعات میں سقوط ماسکو ایک ایسا واقعہ ہے جس کے اثرات بہت دوررس تھے۔ سوویت یونین کے خاتمے کے بعد برطانیہ اور امریکہ کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ دنیا کی اقوام کو فکری سطح پر اپاہج بنانے اور اپنے ماتحت کرنے کے لیے کمربستہ ہو گئے اور اپنے ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے عالمگیریت کے خوشنما لبادے میں اپنے مقاصد کو چھپانے کی ضرورت اس لیے محسوس کی تاکہ عالمی ضمیر کو مطمئن کیا جاسکے اور پھر اس کی آڑ میں دیگر اقوام کے استحصال کا ایک باقاعدہ لائسنس بھی حاصل ہو سکے۔

عالمگیریت جدید دور کا ایک ایسا سماجی اور معاشی نظام ہے جس کے تحت دنیا بھر میں یکساں زندگی کے فروغ کی طرف قدم بڑھایا جارہا ہے۔ یعنی مقامی یا علاقائی مظاہر کو عالمی سطح پر دیکھنے کا عمل عالمگیریت ہے۔ عالمگیریت ایک عالمی معاشرے کے لیے ابھرنے والی اصطلاح ہے جس میں دنیا کے ایک حصے میں سیاسی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی واقعات دنیا کے دوسرے حصے میں بھی لوگوں کے لیے اہمیت کے حامل ہوتے ہیں یعنی دنیا بھر میں ایک ہی نظام حیات ہو جس میں سب لوگ اپنی زندگیاں ایک ہی طریقے سے بسر کریں۔ عالمگیریت کے تحت دینا بھر میں ہونے والی تبدیلیوں نے انسانی تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز کر دیا ہے جس سے مختلف علاقوں اور معاشروں کے درمیان باہمی انحصار اور ارتباط ماضی کی نسبت زیادہ بڑھ گیا ہے اور اس کو عملی اور نظریاتی طور پر جدید دور میں بہت تیزی سے مقبول بنانے کی کوشش کی جارہی ہے تاہم اس میں پیچیدگیاں بھی ہیں اور ان کے باعث عام آدمی کے لیے اس کو سمجھنا مشکل ہے۔ عالمگیریت کو کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے اس کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر یہ اپنی اثر پذیری اور اپنے اہداف کے حصول کی طرف عمل پیرا ہے۔ جدید تاریخ سے یہ پتا چلتا ہے کہ دنیا نے بہت سے عالمگیر رجحانات کو یکجا کر دیا ہے۔ مثلاً قومیت کا عروج بڑے پیمانے

پر پیداوار اور مزدوروں کی تقسیم، مواصلات اور عالمی معاشرتی تحریکیں وغیرہ، مواصلات اور ذرائع نقل و حمل میں ترقی کے بعد عالمگیریت نے بہت زیادہ تیزی سے پھیلنا شروع کیا۔ میڈیا اور انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ہونے والی ترقی نے دنیا کے دور دراز کے علاقوں کو بھی قریب کر دیا ہے اور دنیا نے گلوبل ویلج کی صورت اختیار کر لی۔ دنیا کی آبادی کا ایک بڑا حصہ بین الاقوامی رجحانات، علوم، مسائل، تجربات وغیرہ سے استفادہ حاصل کر رہا ہے اور کسانوں اور تاجروں کو سرمایہ کاری اور معاشی ترقی کے مواقع فراہم کر رہا ہے۔ عالمگیریت نے مجموعی طور پر انسان کی زندگی کے تمام شعبوں پر اثرات مرتب کیے ہیں۔ مذہب کے بجائے عقلیت، برادری کے بجائے انفرادیت، روحانیت کے بجائے مادیت اور مابعد الطبیعات کے بجائے سائنس، تفصیل کے بجائے اختصار وغیرہ جیسے عوامل سامنے آئے ہیں۔

عالمگیریت کے باعث جہاں بہت سے فوائد ہیں وہاں اس کے نقصانات بھی ہیں۔ عالمگیریت کے فوائد کا پلڑا ترقی یافتہ ممالک کی طرف بھاری ہے اور اس کے نقصانات کا سامنا ترقی پذیر ممالک کو ہے جو معیشت کی دوڑ میں پیچھے ہیں ان کا وجود محض صارف کا ہے۔ ترقی پذیر ممالک کے لیے بیرونی ماحول میں ابھرنے والا یہ نمونہ ان کے انتخاب کی محدود حد اور اس کے نتیجے میں کمزور سودے بازی کی پوزیشن کی وجہ سے ان پر بہت زیادہ مسلط کیا جا رہا ہے۔ عمومی طور پر عالمگیریت کے معنی یہی ہیں کہ دنیا میں ایک ایسا معاشی نظام قائم کیا جائے جس میں آزاد تجارت، سرمائے کی آزادانہ نقل و حرکت اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے عالمی معیشت پر خصوصیت کے ساتھ اس کے تسلط کو دائمی شکل دی جائے۔ اس طرح دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کو مستحکم کر لیا جائے اور دنیا کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے۔ عالمگیریت کو استعمار کی جدید شکل بھی کہا جا سکتا ہے جس میں دیگر ممالک پر فوج کشی کر کے قبضے کے بجائے ان کی معیشت پر قبضہ کر کے وہی مقاصد حاصل کیے جاتے ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عالمگیریت کے باعث جدید مصنوعات کی فراہمی سے عام لوگوں کا معیار زندگی بھی بلند ہوا ہے۔ استعماری ممالک پوری دنیا میں تسلط حاصل کرنے کے لیے ملٹی نیشنل کمپنیوں کا قیام عمل میں آیا اور انہیں الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے دنیا بھر میں متعارف کروایا گیا۔ عالمگیریت کے اس عہد کا مابعد صنعتی عہد کہا گیا کیونکہ صنعتی دور میں اشیاء کی پیداوار پر زور تھا جبکہ مابعد صنعتی عہد میں پیداوار کی کثرت

نے کھپت کے مسئلے کو جنم دیا اور اب خود انسانی ضرورتیں تخلیق کی جانے لگیں۔یعنی اس دور میں صرف اشیاء ہی پیدا نہیں کی جاتی بلکہ انسان کے اندران اشیاء کی طلب کو پیدا کرنے کے تصور کو بھی جنم دیا۔ معاشی عالمگیرت نے اپنا رشتہ ثقافت سے بھی استوار کیا کیونکہ عالمگیریت کے لیے ہر شے کو خواہ وہ مذہب ہو یا ثقافت یا پھر زبان بکنے والی ہے۔اس وجہ سے ثقافتی عالمگیریت معاشی عالمگیریت کا ایک ضمیر ہے کیونکہ عالمگیریت دنیا بھر کے لسانی اور لسانی تنوعات کے خاتمے اور دنیا بھر میں یکساں کلچر اور یکساں زبان کے فروغ کی خواہاں ہے اور اس کے لیے مصروف کار بھی ہے۔

خوراک کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو فاسٹ فوڈ اس ثقافتی عالمگیریت کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ لباس میں دیکھا جائے تو جینز، ٹی شرٹ وغیرہ آج کل ہر خاص وعام بالخصوص نوجوانوں کا پسندیدہ لباس ہے۔ اس کے علاوہ ہالی ووڈ کی فلمیں اس وقت دنیا بھر میں دیکھی جاتی ہیں۔ انگریزی زبان بالخصوص امریکی انگریزی نے ہر جگہ اپنی جگہ بنالی ہے۔خوراک اور لباس کے ذریعے تو ثقافت کا سطحی اظہار ہوتا ہے لیکن زبان صرف ذریعہ اظہار نہیں ہے بلکہ یہ خیالات، تصورات اور بیانوں کی تشکیل کا ایک پلیٹ فارم بھی ہے۔ یہ برانڈز دور حاضر کے ایسے لات وعزات ہیں جن کی پوجا کی جارہی ہے اور اس سب کا نتیجہ یہ ہے کہ سرمایہ دنیا کے چند افراد، خاندانوں اور ملکوں کی ملکیت بنتا جارہا ہے اور علم جو کل تک طاقت تھا عالمگیریت کے باعث یہ سرمایہ بن گیا ہے اور اس سرمائے کے زور پر ہر چیز حسن بازار بن گئی ہے۔ لیکن جدید دور میں یہ ایک نئی طرز سے دنیا کے سامنے کھڑی ہوئی ہے۔ جدید دور میں اس کے یہی معنی ہیں کہ طاقتور ممالک پوری دنیا پر اپنا معاشرتی، معاشی، ثقافتی اور سیاسی غلبہ چاہتے ہیں۔ اس لحاظ سے بعض ماہرین نے عالمگیریت کو سیاسی نقطہ نظر سے بعض نے معاشی لحاظ سے، بعض نے معاشرتی لحاظ سے اور بعض نے ثقافتی حوالے سے دیکھا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ ماہرین کا مختلف طرز ہائے زندگی اور مختلف شعبہ جات سے تعلق ہے۔ ماہرین کا اس کے میادین کار میں اختلاف ہے لیکن ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اختلاف کی وجہ ماہرین کا فکری اختلاف ہے۔

جس ماہر کا تعلق جس میادین سے ہے اس نے اسی حوالے سے تحقیق کی اور اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے یعنی جس ماہر کا تعلق معیشت سے تھا اس نے معیشت کو عالمگیریت کا میدان قرار دیا۔ اسی طرح اگر کسی مفکر کا

تعلق سیاست سے تھا تو اس نے سیاست کے میدان میں ہی عالمگیریت کو ہتھیار بنایا۔ عمرانیات کے ماہرین نے معاشرے کو ہی عالمگیریت کا میدان بنایا ہے۔ اسی طرح مذہب سے لگاؤ رکھنے والوں نے یہ کہہ دیا کہ یہ دوسرے مذاہب کو نقصان پہنچانے اور اپنے مذہب کی ترویج کی کوشش کرتا ہے اس لیے اس کا میدان مذہب ہے۔ یہ اختلافات ہونے کے باوجود اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ عالمگیریت نے پوری دنیا پر اپنے اثرات مرتب کیے ہیں۔ عالمگیریت کے باعث جب سے دنیا گلوبل ویلج بن گئی ہے ہر چیز تبدیل ہونا شروع ہو گئی ہے۔ رہن سہن، لباس، زبان ہر چیز پر اس نے اپنے اثرات مرتب کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر مفکرین نے عالمگیریت کے تینوں پہلوؤں کو اہم قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں مختلف مفکرین کی رائے مختلف ہے کچھ نے اسے مثبت قرار دیا ہے اور کچھ نے اسے منفی اثرات کا حامل بتایا ہے جو دنیا میں امریکی اثر و رسوخ بڑھانے کا ایک ذریعہ ہے۔ جن مفکرین کے نزدیک عالمگیریت ایک مثبت عمل ہے انہوں نے جو تعریفات کی ہیں ان میں بھی اس کے فوائد و ثمرات جھلکتے ہیں اور جن مفکرین نے اسے منفی طور پر دیکھا ہے ان کی تعریفوں میں اسے ایک عمل قرار دیا گیا ہے جو دنیا میں امریکی غلبے کے لیے مشق کیا جا رہا ہے اور اس کے سیاست، معیشت، ثقافت، معاشرت پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

دراصل عالمگیریت ایک ایسے نظام کی داعی ہے جس میں ہر فرد، قوم اور ملک کو ترقی اور تجارت کرنے کے لیے یکساں مواقع میسر ہوں۔ سرمائے کی آزادانہ نقل و حرکت سے ساری دنیا یکساں طور پر مستفید ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ثقافتی عالمگیریت کے تحت ایک یکساں عالمی کلچر ہو جس میں دنیا بھر کے افراد عالمی شہری ہوں۔ عالمی کلچر سے منسلک ایک عالمی زبان بولتے ہوں۔ اسی طرح عالمی خوراک اور عالمی لباس کو اپنائے ہوئے ہوں۔ عالمگیریت کو تاریخ کا فطری موڑ اور وقت کی ضرورت قرار دے کر اسے انسان کی فلاح کا موثر ذریعہ قرار دیا گیا اور اس کی خوب تشہیر کی گئی لیکن حقیقت میں عالمگیریت کی آڑ میں طاقتور ممالک ترقی پذیر ممالک کے سرمائے اور وسائل کو ہڑپ کر کے انھیں معاشی طور پر کمزور کرنا چاہتی ہے۔ عالمگیریت کی آڑ میں کھیلے جانے والے اس کھیل کو ناقدین نے امریکنائزیشن (Americanization) اور ویسٹرنائزیشن (westernaization) کا نام دیا ہے۔

عالمگیریت نے جس طرح زندگی کے ہر شعبے کے اپنی لپیٹ میں لیا ہے اور کسی فرد، ملک یا معاشرے کا الگ تھلگ رہنا ممکن نہیں اسی طرح کسی زبان وادب کے لیے بھی الگ تھلگ رہنا ممکن نہیں ہے۔ جب زندگی یا معاشرہ کسی عمل سے متاثر ہوتا ہے تو اس کا اظہار ادب میں بھی ہوتا ہے۔ عالمگیریت کے زیر اثر دنیا میں رابطے اور علمی وادبی ترسیل کی یکساں زبان کے فروغ کے لیے بھی کوشش کی جارہی ہے اور اس کوشش کے نتیجے میں دنیا کی سب زبانیں متاثر ہوئی ہیں۔ اردو زبان بھی ان زبانوں میں شامل ہے۔ اردو زبان میں انگریزی اور دیگر زبانوں کے نفوذ نے اس کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کر کے اس کا دامن وسیع کیا ہے اور نہ صرف اس کا دامن وسیع کیا ہے بلکہ صرفی ونحوی ترتیب کو بھی متاثر کیا ہے اور مزید متاثر کر رہا ہے۔ اس کے باعث اردو زبان کی گرامر میں بھی تبدیلیاں آرہی ہیں اور ان تبدیلیوں کے باعث اردو زبان کا حلیہ بھی بدل رہا ہے۔ اردو زبان میں دیگر زبانوں کو استعمال کرنے نئے افعال تخلیق کیے جارہے ہیں۔ طرز زندگی کے تبدیل ہونے کی وجہ سے جس طرح زبان پر اثرات مرتب ہوئے ہیں اسی طرح ادب بھی نئی کروٹیں لے رہا ہے۔ اب دنیا بھر میں کہیں بھی تخلیق کیا جانے والا ادب ہر جگہ بڑی آسانی سے پہنچ جاتا ہے جو مقامی ادب اور ادیب کو متاثر کر رہا ہے۔ اب کوئی بھی ادب مقامی یا علاقائی نہیں رہا بلکہ یہ عالمی حدوں کو چھو رہا ہے۔ عالمگیریت کے موجودہ دور میں پوری دنیا میں ادبی تبادلے کے ایک ذریعے کے طور پر انگریزی کا ایک غالب مقام ہے اور انگریزی زبان کے تسلط میں کسی ادب پارے کی پہچان بھی یہی ہے کہ اس کا انگریزی میں ترجمہ ہو۔ عالمی منڈی میں نمائش کے نام پر انگریزی زبان کا تسلط اقلیتوں کی زبانوں کے پیچھے بہت بڑی گردش ہے کس نے عالمی ادب میں ناخوشگوار تسلط قائم کیا۔ ہندوستان کے لکھنے والوں کو مغرب کے توسط سے پہچان مل جاتی ہے کیونکہ ان کی کتابیں مغرب میں شائع ہوتی ہیں۔ جبکہ مغرب کے ساتھ اہم روابط کی وجہ سے بہت ساری ادبیات کا انگریزی میں ترجمہ نہیں ہوتا ان ک اپنی زبان میں لسانی اہمیت بھی ہو۔ یہ انگریزی زبان کے تسلط کے اثرات ہیں۔ عالمگیریت کے باعث عالمگیر واقعات اور تبدیلیوں سے ہمارا ادب متاثر ہو رہا ہے اور اس میں موضوعات پیشکش ، اسلوب اور تکنیک کے حوالے سے نئے نئے تجربات ہو رہے ہیں جو کہ عالمگیریت ہی کی عطا ہیں۔ جدید دور میں انٹرنیٹ کے باعث دنیا بھر کی لائبریریوں اور دیگر ماخذ علوم تک رسائی آسان ہو گئی ہے۔

عالمگیریت کے عمل نے دنیا بھر کی لوگوں کی زندگیوں کو بہت بدل دیا ہے۔ ان تبدیلیوں کی وجہ سے ان کا ادب بھی تبدیل ہو رہا ہے۔ عالمگیریت نے دنیا بھر کی زبانوں میں تخلیق ہونے والے ادب کو بھی متاثر کیا ہے اور ان کو آپس میں قریب لانے اور ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے اور اردو ادب کو بہت متاثر کیا ہے۔ اردو شعراء اور ادباء نے دنیا میں رونما ہونے والے اہم اور متاثر کن واقعات سے گہرا اثر لیا ہے اور ادب کا میدان وسیع نظر آتا ہے۔ شعراء نہ صرف قلبی واردات یا مقامی روایات کو ہی اپنی شاعری کا حصہ نہیں بناتے ہیں بلکہ ان کی شاعری سارے کرہ ارض کے موضوعات تک وسیع ہو گئی ہے۔ عالمگیر یکساں ثقافت کے باعث یکساں مسائل بھی پیدا ہو گئے ہیں جن سے یکساں سوچ اور فکر کا مرحلہ سامنے آگیا ہے۔ اردو شاعری میں جو موضوعات کا پھیلاؤ ہے اس میں عالمگیریت کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ان موضوعات کے ذریعے شعراء نے عالمی منظر نامے کو ہی پیش نہیں کیا بلکہ وہی ہیئت اور تکنیک بھی استعمال کی ہے جو کہ عالمگیریت کے اثرات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان موضوعات میں تنہائی اور بے گانگی، انسان کی کم ادراکی، رشتوں کی ٹوٹ پھوٹ، معاش سے جڑی حیات، تیل کی لڑائی، سائنسی افکار و اصطلاحات، میڈیا کلچر کی پیش کش، تانثیت وغیرہ شامل ہیں جنہوں نے اردو شاعری کو بالکل نیا انداز عطا کر دیا ہے۔ جو عالمی شاعری کے موضوعات سے منسلک اور بین الاقوامی دھارے سے مربوط ہے۔ اردو شاعری میں بین الاقوامی شخصیات، اماکن اور واقعات بھی جگہ پا رہے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اردو زبان اور شاعری عالمی ادب اور عالمی سماج سے متاثر ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ اردو شاعری نے بھی بہت سی بیرونی اصناف کو بھی اختیار کر کے اردو ادب کا دامن وسیع کیا ہے۔

عالمگیریت کا عمل ہمارے معاشرے میں تیزی سے سرایت کر گیا ہے۔ جس نے ہمارے سماجی و روحانی، اخلاقی اور معاشرتی زندگی کو یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ ہمارے ناقدین اور تخلیق کاروں نے عالمگیریت کے اس عمل کا شدید اثر لیا اور اپنی تخلیقات بشمول فکشن اور تنقید میں عالمی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں اور ان کے سماجی اور ادبی مظاہر کو قبول کیا ہے اور اردو کے پڑھنے والوں کو ان تبدیلیوں سے روشناس کروایا ہے اور دنیا بھر کے لوگوں کو قریب لا کر ان میں فکر و عمل کی یکسانیت پیدا کی ہے۔ ہمارے تخلیق کار عالمگیریت کی روایت

سے پوری طرح واقف ہیں اور اس کے ساتھ مربوط ہیں۔ انہوں نے عالمگیریت کے تحت ہونے والی تبدیلیوں کو اردو ادب میں سمجھ کر عصری تقاضے نبھانے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے ان موضوعات کا کھل کر اپنی تحریروں میں بیان کیا ہے جن کا تعلق بین الاقوامی فکر اور عالمی طرز احساس سے ہے۔ ان میں نائن الیون، سائبر ورلڈ، تارکین وطن، میڈیا، تیسری دنیا کا اضطراب، عالمی خوراک، جنس، دہشت گردی، جنگیں، عالمی حالات وواقعات وغیرہ بہت اہم ہیں۔ جن میں عالمی معاشرے اور عالمگیریت کی صورت گری ہوتی ہے اور ان کے باعث اردو فکشن کو وسعت حاصل ہوئی جو عہد جدید میں وقت کی اہم ضرورت ہے۔

موضوعات کے علاوہ فنی سطح پر بھی عالمگیریت کے زیر اثر بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ یہ تبدیلیاں دو سطح پر ہوئی ہیں ایک لسانی سطح پر اور دوسری ہیئت اور تکنیک کی صورت میں مغرب سے بہت استفادہ حاصل کیا ہے۔ ان میں زبان کی تجدید نو، مقامی لب ولہجہ، الفاظ کی ساخت، بیرونی اسماوالفاظ کا ورود کثیر اللسانی اظہار، دیگر زبانوں کی اصطلاحات کے تراجم وغیرہ شامل ہیں۔ عالمگیریت کے اثر ونفود کی وجہ سے اردو ناول اور افسانے کی اصناف نے اسلوب، لفظیات، تکنیک اور دیگر معاملات میں کافی ترقی کی ہے۔ اردو ادب میں عالمگیریت کے زیر اثر دیگر ممالک بالخصوص یورپ اور امریکہ سے نئے ادبی اصناف کو بھی درآمد کیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ نئی نئی تکنیکیں بھی قبول کی گئی ہیں جن میں سرئیلزم، شعور کی رو، فینتسی، آزاد تلازمہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح مختلف اصناف کو ملا کر نئی اصناف بنانے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ دیگر زبانوں میں لکھنے والے ادیبوں کی زبان وبیان اور ادبی اظہار کے تجربات کو دیکھتے ہوئے ہمارے ادیبوں نے بھی بعض تجربات کر کے ادبی جمود کو توڑ کر مسلمات کی حدبندیاں عبور کرنے کی سعی کی ہے جس کی وجہ سے ہمارے اردو ادب کے جدید ادیبوں نے عالمگیریت کے زیر اثر اپنے اسالیب کو اس قدر منقلب کیا ہے کہ ان کا موازنہ بین الاقوامی ادیبوں سے کیا جاسکتا ہے۔

ان اثرات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا مشکل نہیں ہے کہ عالمگیریت نے ہمارے معاشرے کو ہی متاثر نہیں کیا ہے بلکہ اردو ادب کو بھی ہر لحاظ سے متاثر کیا ہے۔ اس میں فکری اور فنی دونوں طرح کی تبدیلیاں سامنے آئی ہیں اور یہ تبدیلیاں شاعری اور نثر دونوں ادبی شعبوں میں رونما ہوئی ہیں یہی وجہ ہے کہ جدید اردو ادب فکری

اور فنی دونوں حوالوں سے ماضی کے ادب سے مختلف ہے بلکہ اس عالمی ادبی دھارے سے بھی مربوط ہے جو عالمگیریت کے تحت ساری دنیا میں یکساں ادب اور یکساں نظام زندگی کے لیے کوشاں ہے۔ ادب میں عالمگیریت بہت تیزی سے سرایت کر رہی ہے اور دنیا کے دیگر ممالک کے ادب کی طرح اردو ادب میں بھی انقلاب برپا کر رہی ہے۔ آج کے دور میں اردو ادب نہ صرف مقامی ادب ہے اور نہ ہی یہ تنہا ہے بلکہ اس کی ایک بین الاقوامی پہچان اور شناخت ہے اور یہ پہچان اور شناخت عالمگیریت کے عمل ہی کی مرہون منت ہے۔

عالمگیریت کا اثر اردو ادب پر مغربی ادب کی طرف سے زیادہ ہے اور اردو ادب سے مغربی ادب کی طرف کم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو کے ادب پاروں کو دیگر زبانوں میں کم ترجمہ کیا جارہا ہے جبکہ مغربی ادب کے تراجم کا رجحان بہت زیادہ ہے۔ اردو کے شاعر اور ادیب کی نگارشات بھی تراجم کے ذریعے مغرب تک پہنچتی ہیں یہاں تک کے بعض قلم کار براہ راست انگریزی اور دوسری زبانوں میں لکھتے ہیں جس کی وجہ سے مغربی معاشرے کو ہمارے مسائل اور انداز زیست کے بارے میں آگاہی ہوتی ہے لیکن یہ بہت کم تعداد میں ہو رہے ہیں جبکہ اردو کے شاعر اور ادیب مغرب کے رجحانات اور تکنیکوں سے بہت متاثر ہو رہے ہیں اور ان کو اپنی ادبی تخلیقات میں استعمال بھی کر رہے ہیں۔ یہ عمل مسلسل جاری ہے اور عالمگیریت کی وجہ سے پھیلنے والے نظریات اور اقدار کے علاوہ مختلف زبانوں کے ادب کی باہمی آمیزش نے اردو ادب کو متشکل کرنے میں نہایت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔ عالمگیریت نے اس اثر و نفوذ کے عمل کو تیز کرنے کے لیے عمل انگیز کا کام کیا ہے۔

عالمگیریت نے گزشتہ صدی کی آخری دو دہائیوں میں ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل کی ہے۔ اس سے پہلے بھی عالمگیریت کے نقوش موجود تھے لیکن وہ عالمگیریت قدیم دور کی عالمگیریت ہے۔ قدیم دور کی عالمگیریت کے نقوش بھی ہمارے ادیبوں کی تحریروں میں ملتے ہیں لیکن ۱۹۸۰ء کے بعد کے لکھنے والوں کا ذہنی افق الیکٹرانک میڈیا کی بدولت بہت وسیع ہو گیا ہے۔ اب جدید موضوعات ہماری تحریروں میں جگہ پا رہے ہیں۔ اس دور کے لکھنے والوں میں حسن منظر کا نام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ حسن منظر نے ۱۹۸۰ کی دہائی میں لکھنے کا آغاز کیا۔ ان کے ناولوں کا منظر نامہ بین الاقوامی ہے۔ عالمی ادب کے وسیع مطالعے کی وجہ سے ان کی

فکری اور موضوعاتی سرحدیں پوری دنیامیں پھیلی ہوئی ہیں ان کے ناولوں میں ایسے موضوعات کثرت سے ہیں جن کا تعلق بین الاقوامی فکری دھارے اور عالمی مسائل سے جڑا ہوا ہے۔ ان کے ناولوں میں عالم گیریت کی کار فرمائی واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ ان کے ناولوں کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ناول نگار عالمی معاشرے سے بخوبی آگاہ ہیں اور عالمگیریت کے باعث آنے والی تبدیلیوں کو انہوں نے نہ صرف محسوس کیا ہے بلکہ اپنی تخلیقات کا حصہ بھی بنادیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ان کی تحریریں مقامی کلچر سے جڑے ہونے کی وجہ سے ان معاشروں، مظاہروں اور اعمال و افعال کی مذمت بھی کرتی ہیں جو ہمارے معاشرے، عقائد اور سماجی اقدار کے خلاف ہیں ان کے ناولوں میں کئی علوم کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ ان کے ناولوں کو بخوبی پڑھ کر لطف اندوز صرف وہی ہوسکتا ہے جس کی بین الاقوامی تناظر اور بدلتے ادب پر بھی نظر ہو اور اسے عالمی حالات حاضرہ، سائنسی ایجادات وغیرہ سے بھی واقفیت ہو کیونکہ ان کے ناولوں کے موضوعات بین الاقوامی ہیں بلکہ انہوں نے ایسے موضوعات کا انتخاب کیا ہے جس کا تعلق ایسے مسائل سے ہے جو پوری دنیامیں یکساں ہیں۔ انہوں نے مقامی حالات وواقعات کے ساتھ ساتھ عالمی منظر نامے کو بھی پیش کیاہے اور ناول نگاری کی نئی راہیں متعین کی ہیں۔ انہوں نے سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کو ایک نئے انداز میں پیش کیا ہے۔ عالمگیریت کے باعث حالات کی اس تیزی سے بدلتی ہوئی صورتحال میں جو نئے مسائل جنم لے رہے ہیں ان کو نئی جدت کانام دیاجاسکتاہے اور حسن منظر نے بھی اس جدت کے ساتھ اپنے قلم کی زورآزمائی کی ہے۔

حسن منظر کے ناولوں میں معاشرتی تنوع نہایت اہمیت کا حامل ہے نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے مختلف ممالک ان کے ناولوں میں ظاہر ہوتے ہیں مثلاً امریکہ، جنوبی افریکہ، ایران، عرب، کینیا وغیرہ۔ ان سب ممالک کا اثر حسن منظر کے ناولوں میں دکھائی دیاہے ایک سطح پر تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ حسن منظر ایک ایسا ناول نگار ہے جس نے اپنے ناولوں میں عالمی معاشرت کی جھلکیاں دکھائی ہیں یہ نہیں کہ حسن منظر کے ناولوں میں ان ممالک کا جغرافیہ دکھائی دیتاہے بلکہ ان ممالک کے رسوم ورواج، لوگوں کا رہن سہن اور معاشرت بھی اختصار مگر جامعیت کے ساتھ اپنی جھلک دکھاتا ہے۔ اپنے ناولوں میں عالمگیریت کی تصویر کشی کے باعث حسن منظر اردو ناول نگاروں میں منفرد ناول نگار نظر آتے ہیں۔ حسن منظر کے ہمعصر ناول نگاروں کے ہاں بھی

عالمگیریت موجود ہے لیکن حسن منظر کی انفرادیت یہ ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو اعلیٰ انسانی قدروں سے جوڑتے ہوئے مختلف معاشروں میں رہنے والوں کے دکھ سکھ کو بیان کیا ہے۔ حسن منظر کے ناولوں میں جس عالمگیریت سے ہمارا سامنا ہوتا ہے وہ کارپوریٹ کلچر کی عالمگیریت سے بہت مختلف ہے کہ یہاں مقصد منافع خوری کا گھٹیا اور غیر انسانی محرک نہیں بلکہ خاص انسانی جوہر کی تلاش ہے جو ہر جگہ موجود ہے لیکن معاشرتی مصائب اس پر گرد کی گہری تہہ جما دیتے ہیں۔ حسن منظر نے اپنے ناول انسان اے انسان اور العاصفہ میں اس بات کو بھی موضوع بنایا ہے کہ سفید فام انسان کیسے ساری دنیا میں انسانی اقدار کی پامالی کر رہا ہے اور انسانوں کے استحصال سے اپنے سرمائے کے لیے انسانی خون کی کشید میں مصروف ہے۔ یہ عالمگیریت کے معاشی پہلو ہیں جن کو حسن منظر نے اپنے ناولوں میں نہایت عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انہوں نے العاصفہ میں مقامی لوگوں اور سفید فام لوگوں کے رویوں اور طرز عمل کو بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ مقامی لوگ اپنی مادی محرومیوں کے باوجود انسانی سطح پر زیادہ اہم ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے عالمگیریت کے سیاسی پہلو کو بھی بیان کیا ہے کہ سیاسی طور پر کس طرح عالمگیریت ترقی پذیر ممالک کی حکومتوں میں داخل ہو کر اس ملک کے وسائل پر قابض ہوتی ہے ان کے ناولوں کا یہ آہنگ کہ انہوں نے جدید معاشرت کو اپنے ناولوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا انھیں اردو ناولوں میں ایک نمایاں مقام دیتا ہے کہ ان کے ناول پڑھتے ہوئے ہمیں طرح طرح کے تہذیبی اور معاشرتی منطقے دکھائی دیتے ہیں وہ اردو قاری کے ایسے ذائقے بناتے ہیں جو مختلف اور خوش کن ہیں۔

حسن منظر نے سماجی حقیقت نگاری کے ناول لکھے ہیں اور سادہ بیانیہ انداز کو بطور طرز نگارش اپنایا ہے لیکن کہیں کہیں انہوں نے اس سے انحراف کرتے ہوئے ناول نگاری کے دیگر اسالیب کی جانب بھی توجہ دی ہے۔ ان کے ناولوں کا ایک نہایت اہم عنصر لسانی تنوع بھی ہے۔ ان کے ناولوں کی زبان زیادہ تر سادہ ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ کرداروں کا تعلق جس طبقے سے ہے وہ اسی طبقے کی زبان بھی استعمال کرتے ہیں ان کے ناولوں میں انگریزی الفاظ کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ کہیں تو پورے پورے جملے ہی انگریزی میں ہیں۔ اس کے علاوہ عربی، فارسی، سندھی وغیرہ کے الفاظ بھی شامل ہیں لیکن ان کے ناولوں میں آنے والے لسانی پیرائے کی یہ

تبدیلیاں اس انداز سے رونما ہوتی ہیں کہ ناولوں میں ناہمواری کا احساس نہیں ہوتا۔ ان کی اس خوبی کی بدولت ہی ہمیں حسن منظر ایک ایسے ناول نگار دکھائی دیتے ہیں کہ انھوں نے نہ صرف موضوعاتی سطح پر ہی عالمگیریت کے مظہر کو اپنانے کی کوشش کی ہے بلکہ اپنے ناولوں کے موضوعات کے مطابق لسانی پیرائے بھی تشکیل دیے ہیں۔ موضوع اور لسانی پیرائے کی ہم آہنگی ان کے ناولوں میں ایک لطف پیدا کرتی ہے۔ حسن منظر کا تشکیل کردہ اردو کا یہ لسانی پیرایہ ہمیں اپنے عصر کے تقاضوں سے زیادہ ہم آہنگ دکھائی دیتا ہے اور یہ اردو زبان کی اس قوت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی بدولت یہ زبان اپنا دامن وسیع کرنے پر ہمہ وقت تیار دکھائی دیتی ہے۔ بدلتے زمانے میں جو نئے نئے مسائل انسان کو درپیش ہیں خواہ وہ سیاسی ہوں یا سماجی، معاشی ہوں یا اقتصادی، تہذیبی ہوں یا نفسیاتی حسن منظر نے بڑی چابکدستی سے منصہ شہود پر لائے ہیں۔

نتائج:

عالمگیریت دور جدید کا ایک ایسا عمل ہے جس کے تحت ساری دنیا کے لوگ ایک معاشرے میں یکجا ہو کر عمل پذیر ہوں گے۔ یہ عمل معاشی، ثقافتی، سیاسی اور ٹیکنالوجیکل قوتوں کا مجموعہ ہے۔

عالمگیریت کی اصطلاح نئی ہے لیکن اس کا تصور قدیم ہے۔ عالمگیریت کے حوالے سے قدیم اور جدید دو طرح کے تصورات پیش کیے گئے ہیں۔ قدیم تصور کے حوالے سے دیکھا جائے تو تاریخ کے مختلف ادوار میں نمودار ہونے والی بڑی بڑی سلطنتوں مثلاً سمیری سلطنت، مسلم ریاست، یونانی سلطنت وغیرہ اپنی حدود کی توسیع اور معاشی مفاد کے پیش نظر کیا کرتی تھی اور پھر مفتوحہ علاقوں کے وسائل کو لوٹ کر اپنے خزانوں میں اضافہ کرتی ہیں اس کے ساتھ ساتھ بعض اوقات ان کی زبان کی جگہ اپنی زبان بھی رائج کی جاتی تھی۔ پھر نوآبادیاتی دور میں ترقی یافتہ اقوام دور دراز کا سفر کرتی اور لشکرکشی کرتیں۔ برطانیہ نے اپنے صنعتی انقلاب کے دوران ہندوستان کے وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس کے بعد طاقت ور ملکوں پر جب قبضہ کرنا مشکل اور مہنگا محسوس ہوا تو یہ کام ملٹی نیشنل کمپنیوں سے لیا جانے لگا اور یہ عالمگیریت کا جدید تصور تھا۔ قدیم دور میں وسائل کی محدودیت کی وجہ سے اقوام عالم کے درمیان تعلقات میں وسعت نہیں تھی لیکن موجودہ دور میں

انفارمیشن ٹیکنالوجی، انٹرنیٹ اور ذرائع ابلاغ نقل وحمل کی برق رفتاری نے انسان کے لیے دور دراز کے علاقوں سے معلومات کی رسائی کو آسان بنا دیا ہے۔ عالمگیریت کا یہ تصور قدیم دور میں بھی تھا لیکن اس کی نوعیت مختلف تھی۔ اس تصور کو بیسویں صدی میں ہونے والی ایجادات اور ترقیات کی بدولت تقویت ملی۔ عالمگیریت کے مختلف تناظرات میں مختلف مباحث پیش کیے گئے ہیں۔ زیادہ طرح مفکرین نے عالمگیریت کے تین پہلوؤں کو اہم قرار دیا ہے۔ معاشی پہلو، سیاسی پہلو، معاشرتی پہلو۔ جس ماہر کا تعلق معیشت سے تھا اس نے معاشی پہلو پر توجہ دی، جس کا تعلق سیاست سے تھا اس نے سیاسی پہلو کو اہمیت دی، جس کا تعلق عمرانیات سے تھا اس نے اس پہلو کو اہم قرار دیا۔ اس کے کسی بھی پہلو سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عالمگیریت نے ہر میدان میں اپنے منفی اور مثبت اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس کے منفی اثرات کا جھکاؤ ترقی پذیر ممالک جبکہ اس کے مثبت اثرات ترقی یافتہ ممالک پر مرتب ہوئے ہیں۔ صنعتی عہد میں اشیاء کی پیداوار پر زور تھا جبکہ صنعتی عہد کے بعد انسان کی ضرورتیں تخلیق کی جانے لگی ہیں۔ پہلے عالمگیریت کے صرف معاشی مقاصد تھے لیکن اب معاشی عالمگیریت نے اپنا رشتہ ثقافت سے بھی استوار کر لیا ہے۔ دنیا بھر میں یکساں کلچر اور یکساں زبان کے فروغ کی کوشش کی جا رہی ہے۔ فاسٹ فوڈ ثقافتی عالمگیریت کا ایک اہم مظہر ہے۔ اب عالمگیریت سیاست میں بھی اپنا کردار ادا کر رہی ہے اور ترقی پذیر ممالک کی سیاست میں داخل ہو کر ان کے وسائل پر قابض ہوا جا رہا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک جس ترقی پذیر ملک میں چاہتے ہیں اپنی مرضی کا حکمران مسلط کر دیتے ہیں۔

اردو ادب پر عالمگیریت کے اثرات دو طرح کے ہیں جدید شاعری اور جدید نثر ان کا تعلق کسی بھی جگہ سے ہو ان میں ایسی مناسبت پائی جاتی ہے جو یکسانیت کے قریب ہے۔ ادب ادب سے متاثر ہوتا ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ کے باعث عالمی ادب تک رسائی آسان ہو گئی ہے جو کہ مقامی ادب کو متاثر کر رہی ہے۔ اردو ادب میں عالمگیریت کے اثرات کے باعث موضوعات کی سطح پر پھیلاؤ آ گیا ہے۔ اردو شعراء عالمگیری شاعری کے موضوعات سے منسلک اور بین الاقوامی دھارے سے مربوط ہیں۔ اردو شعراء نے میڈیا کلچر کی پیش کش، تیل کی لڑائی، معاش سے جڑی حیات، ماحولیات وغیرہ جیسے عالمی موضوعات کا اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح اردو ناولوں اور افسانوں کے موضوعات کو دیکھا جائے تو ہمارے ناول نگاروں اور افسانہ نگاروں نے ایسے

موضوعات کو پیش کیا ہے جن کا تعلق بین الاقوامی دھارے سے ہے۔ ان موضوعات میں نائن الیون، سائبر ورلڈ، تارکین وطن، جنگیں، دہشت گردی، تہذیبوں کا تصادم وغیرہ جیسے موضوعات کو پیش کیا ہے۔ اسی طرح نہ صرف موضوعاتی سطح پر بلکہ فنی حوالے سے بھی عالمگیریت کے متنوع اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ عالمگیریت کے باعث نئی نئی اصناف ہماری اردو شاعری کا حصہ بن رہی ہیں۔ مثلاً ہائیکو سانیٹ وغیرہ اس کے ساتھ دیگر زبانوں کے الفاظ بھی ہماری زبان میں شامل ہو رہے ہیں۔ شاعری اور نثر دونوں شعبوں میں فکری اور فنی حوالے سے تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ آج اردو ادب تنہا نہیں کھڑا بلکہ اس کی بین الاقوامی پہچان اور شناخت ہے یہ عالمگیریت کی وجہ سے ہوا۔

حسن منظر کا شمار جدید دور کے لکھنے والوں میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اپنے ناولوں میں عالمگیریت کی جو تصویر کشی انہوں کی ہے اس کے باعث وہ اپنے ہم عصر ناول نگاروں میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ حسن منظر نے اپنے ناولوں میں جس عالمگیریت کا پیش کیا ہے وہ کارپوریٹ کلچر سے مختلف ہے۔ ان کے ناولوں میں عالمگیریت کے کے مقصد منافع خوری کا گھٹیا اور غیر محرک عنصر زیادہ کار فرما نہیں ہے بلکہ خالص انسانی جوہر کی تلاش ہے جس پر معاشرتی مصائب کی گہری تہہ ہے۔ انہوں نے اثر حاضر کے تازہ مسائل اور نئے موضوعات کا بیان کیا ہے۔ دور حاضر کی معاشرتی گھتیاں، زندگی کی الجھنوں کو منفرد انداز میں انہوں نے قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔ عالمگیریت کے باعث جو سیاسی، معاشرتی اور معاشی تبدیلیاں آ رہی ہیں اور عہد حاضر میں جو بدلتے زمانے کے نت نئے مسائل انسان کو در پیش ہیں خواہ وہ سیاسی ہوں یا معاشی، سماجی ہو یا اقتصادی ان سب کو انہوں نے اپنے ناولوں میں پیش کیا ہے۔ ان کے ناولوں کے اہم موضوعات میں مسئلہ فلسطین، تیل کی لڑائی اور ترقی یافتہ ممالک کا کردار، مختلف معاشروں کی عکاسی جیسے عالمگیر موضوعات ہیں۔ انہوں نے ان موضوعات کو بیان کرتے ہوئے عالمگیریت کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی پہلوؤں کو بیان کیا ہے کہ عالمگیریت کے باعث نئے نئے مسائل سامنے آ رہے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف موضوعاتی سطح پر عالمگیریت کے مظہر کو اپنانے کی کوشش کی ہے بلکہ موضوعات کے مطابق لسانی پیرائے بھی تشکیل دیے ہیں۔ ان کے ناولوں کے جملے زیادہ تر سادہ اور رواں ہیں اس کے علاوہ جس طبقے کے کردار ہیں اسی کے مطابق زبان بھی استعمال کرتے ہیں لیکن اس کے

ساتھ ساتھ عالمگیریت کی زبان جو انگریزی ہے اس کا بھرپور استعمال بھی اپنے ناولوں کرتے ہیں۔ ان کی تشکیل کردہ یہ لسانی پیرایہ ہمیں اپنے عصر کے تقاضوں سے ہم آہنگ دکھائی دیتا ہے۔ ان کا یہ لسانی پیرایہ اس قوت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جس کی بدولت یہ زبان اپنا دامن وسیع کر رہی ہے۔

موجودہ دور میں عالمگیریت کا مقصد کہ مقامی کلچر کو ختم کر دیا جائے اور ایک یونی کلچر دنیا کی تخلیق جس میں غالب معاشی قوتوں کے کلچر کو مقامی ثقافت کی جگہ دی جائے۔ مقامی کلچر اور زبان احساس کمتری اور عالمی ترقی یافتہ کلچر اور زبان کو تہذب کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس کو حسن منظر نے نہایت عمدگی سے بیان کیا ہے۔

عالمگیریت کا عمل ہمارے معاشرے میں تیزی سے پھیل گیا ہے جس کی وجہ سے ہماری معاشرتی اور سماجی نظام تبدیل ہو گیا ہے اور ہمارے تخلیق کاروں نے عالمگیریت کے اس عمل کو محسوس کیا اور اپنی تحریروں میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے اس کو اپنی تحریروں میں سمو کر عصری تقاضے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے ان موضوعات کو کھل کر بیان کیا ہے جس کا تعلق بین الاقوامی فکر اور عالمی طرز ادا سے ہے۔

تجاویز و سفارشات:

۱۔ عالمگیریت ایک جاری و ساری عمل ہے جس سے مقاطعہ ممکن نہیں اس لیے اس پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے تاکہ اس کو مزید سمجھ کر اس سے استفادہ حاصل کیا جا سکے۔

۲۔ عالمی ادب کے ادب پر اثرات پر مزید تحقیق کی جا سکتی ہے۔

۳۔ حسن منظر کے افسانوں میں بھی عالمگیریت کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کی جا سکتی ہے۔

کتابیات

بنیادی ماخذات:

حسن منظر، دھنی بخش کے بیٹے۔ شہرزاد پبلشرز کراچی ۲۰۰۶ء

حسن منظر، وبا، شہرزاد پبلشرز کراچی ۲۰۱۰ء

حسن منظر، انسان اے انسان، شہرزاد پبلشرز کراچی ی ۲۰۱۳ء

حسن منظر، العاصفہ، شہرزاد پبلشرز کراچی ۲۰۰۸ء

حسن منظر، دو مختصر ناول (بیر شیبا کی لڑکی، ماں بیٹی)، شہرزاد پبلشرز کراچی

ثانوی ماخذات:

احسن فاروقی، اردو ناول کی تنقیدی تاریخ، ادارہ فروغ اردو لکھنو، ۱۹۶۲ء

اسلوب احمد انصاری، اردو کے پندرہ ناول، یونیورسل بک ہاؤس علی گڑھ، ۲۰۰۳ء

انور پاشا، ڈاکٹر، ہندو پاک میں اردو ناول کا تقابلی مطالعہ، انیس پبلی کیشنز نئی دہلی، ۱۹۹۲ء

اختر رضا سلیمی، جندر، رمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء

ابو الحسن ندوی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور عفریت کی کشمکش، مجلس نشریات اسلام، س-ن

امجد اسلام امجد (مترجم) عکس، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۶ء

انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا مقصد، مثال پبلیکیشنز فیصل آباد، ۲۰۱۰ء

ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر، اردو غزل کا تکنیکی، ہیئتی اور عروضی سو، مجلس ترقی ادب لاہور، ۲۰۰۸ء

اسلم کولسری، ویرانہ، القمر انٹرپرائنز لاہور، ۱۹۹۵ء

اسلم جمشید پوری، ڈاکٹر، جدیدیت اور اردو افسانہ، موڈرن پبلیشنگ ہاؤس، ۲۰۰۱ء

اسلم انصاری، ڈاکٹر، شب عشق کا ستارہ، کتاب نگر ملتان، ۲۰۰۹ء

انتظار حسین، مجموعہ انتظار حسین، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۷ء

انیس ناگی، ڈاکٹر، ۳۱۳ بریگیڈ، جمالیات لاہور، ۲۰۰۶ء

انیس ناگی، ڈاکٹر، نئے افسانے کی کہانی، جمالیات لاہور، ۲۰۰۸ء

انور سجاد، ڈاکٹر، مجموعہ انور سجاد، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۳ء

ارشد محمود، ثقافتی گھٹن اور پاکستانی معاشرہ، فکشن ہاؤس لاہور، ۱۹۹۷ء

آغا سہیل، ادب اور عصری حسیت، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۹۱ء

آسیہ رانی، میرا زاویہ، سخن ور فورم ملتان، ۲۰۰۹ء

بانو قدسیہ، حاصل گھاٹ، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۸۱ء

بازغ قندیل، اردو ناول میں زوال فطرت انسانی کی تمثیلات، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۱۲ء

جاوید اختر، ڈاکٹر، اردو کی ناول نگار خواتین، سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۷ء

جمیلہ ہاشمی، دشت سوس، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۷ء

حمیرا اشفاق، جدید اردو فکشن، عصری تقاضے اور بدلتے رجحانات، سانجھ پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۱۰ء

خالدہ حسین، کاغذی گھاٹ، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۵ء

خالد اقبال یاسر، ڈاکٹر، ادب اور زمانہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۲۰۱۴ء

خورشید رضوی، امکان، الحمد پبلیکیشنز اسلام آباد، ۲۰۰۸ء

رشید احمد گوریجہ، ڈاکٹر، اردو میں تاریخی ناول، ابلاغ لاہور، ۱۹۹۶ء

روبینہ سلطان، تین ناول نگار، دستاویز لاہور، ۲۰۱۶ء

رضی عابدی، تین ناول نگار، پولیمر پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۹۴ء

ریاض ہمدانی، ڈاکٹر، اردو ناول کا نو آبادیاتی مطالعہ، فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۱۸ء

ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ پاکستان، عالمگیرت اور پاکستانی سماج، ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ پاکستان، ۲۰۰۵ء

سہیل غازی، اردو ناول نگاری، مکتبہ جدید لاہور، ۱۹۶۶ء

سید عظیم، ڈبلیو-ٹی-او اور گلوبلائزیشن، دارالشعور لاہور، ۲۰۰۶ء

سید عظیم، ملٹی نیشنل کمپنیاں، دارالشعور لاہور، ۲۰۰۴، طبع چہارم

سلیم اختر، ڈاکٹر، افسانہ حقیقت سے علامت تک، مکتبہ عالیہ لاہور، ۲۰۰۶ء

سلیم آغا قزلباش، ڈاکٹر، جدید اردو افسانے کے رجحانات، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی، ۲۰۱۶ء

سبط حسن، سید، پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، مکتبہ دانیال کراچی، ۲۰۰۷ء

سید عبداللہ، ڈاکٹر، مباحث، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۵ء

صاحب علی، ڈاکٹر، اردو فکشن کا مطالعہ، مکتبہ جامعہ لمٹیٹڈ دہلی، ۲۰۰۶ء

صبا اکرام، جدید افسانہ، چند صورتیں، زین پبلی کیشنز کراچی بار اول دسمبر ۲۰۰۱ء

طاہر القادری، ڈاکٹر، نیو ورلڈ آرڈر اور عالم اسلام، منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۸ء

طارق وحید بٹ، نیو ورلڈ آرڈر، اسلام اور پاکستان لاہور، ۱۹۸۶ء

طارق ہاشمی، دستک دیا دل، مثال پبلیکیشنز فیصل آباد، ۲۰۱۰ء

عابد قیوم سہلری، عالمگیریت، ڈبلیو-ٹی-او اور پاکستان، آکسفیم پاکستان اسلام آباد، ۲۰۰۴ء

عبدالسلام، ڈاکٹر، اردو ناول بیسویں صدی میں، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، ۱۹۷۳ء

عبد اللہ یوسف علی، علامہ، انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ، دوست ایسوسی ایشن لاہور، ۲۰۰۴ء

علی عباس جلالپوری، ناول اور ناول نگار، کاروان ادب ملتان، ۱۹۹۰ء

علامہ یوسف علی، انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ، دوست ایسوسی ایشن لاہور، ۲۰۰۳ء

عشرت رحمانی، چند ہم عصر افسانہ نگار (تجزیاتی جائزے) جاوداں پبلیکیشنز کراچی، ۲۰۰۶ء

غفور احمد، نئی صدی نئے ناول، دالنوادر لاہور، ۲۰۱۴ء

غلام حسن ذوالفقار، ڈاکٹر، اردو شاعری کا سیاسی سماجی پس منظر، مطبع جامعہ پنجاب لاہور، ۱۹۶۶ء

غازیہ شاہد، گھن لگے دریچے، اظہار سنز لاہور، ۲۰۰۸ء

غلام عباس، ڈاکٹر، اردو تنقید اور پاکستانی کلچر کے مسائل، مثال پبلیشرز، ۲۰۱۷ء

فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، یورب اکادمی اسلام آباد، ۲۰۰۷ء

فیاض رفعت، اردو افسانے کا پس منظر مغرب و مشرق کے حوالے سے، تخلیق کار پبلی کیشنز دہلی، ۱۹۸۸ء

فیصل عجمی، سونامی، آثار اکادمی اسلام آباد، ۲۰۰۹ء

فردوس انور قاضی، اردو ادب کے مختلف زاویے، الحمد پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۷ء

مرزا اطہر بیگ، حسن کی صورتحال، سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء

مرزا اطہر بیگ، صفر سے ایک تک، سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء

مستنصر حسین تارڑ، خس و خاشاک زمانے، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۰ء

محمد عارف، پروفیسر ڈاکٹر، اردو ناول اور آزادی کے تصورات، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۰۶ء

محمد عظیم اللہ، اردو ناول پر انگریزی ناول کے اثرات، دارلشعور لاہور، ۲۰۱۵ء

محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اردو ناول، تاریخ وارتقا آغاز سے اکیسویں صدی تک، رنگ ادب پبلی کیشنز کراچی،

۲۰۱۷ء

ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے چند اہم زاویے، انجمن ترقی اردو اسلام آباد، ۲۰۰۳ء

ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے بدلتے تناظر، ویلکم بک پوئنٹ کراچی، ۱۹۹۳ء

ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، آزادی کے بعد ناول، ہیت، اسالیب اور رجحانات، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی، ۱۹۹۷ء

ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے ہمہ گیر سروکار، فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۱۲ء

میلان کنڈیرا، ناول کا فن، مکالمے اور دیگر نگارشات محمد عمیر ممین مترجم، شہر زاد کراچی، ۲۰۱۳ء

مجید امجد، کلیات مجید امجد (مرتبہ: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا) ماورا پبلیشرز لاہور، ۱۹۸۸ء

منیر نیازی، ایک اور دریا کا سامنا، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ۲۰۰۸ء

مجید مضمر، اردو کا علامتی افسانہ، سٹی پبلیشرز سری نگر، ۱۹۹۰ء

محمد حمید شاہد، مرگ زار، بازیافت اکادمی کراچی، ۲۰۰۴ء

مبین مرزا، خوف کے آسمان تلے، بازیافت اکادمی کراچی، ۲۰۰۴ء

مسعود اشعر، سارے افسانے، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۷ء

مرزا حامد بیگ، اردو افسانے کی روایت (۱۹۰۳ء-۲۰۰۹ء) دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ۲۰۱۰ء

محمد حمید شاہد، اردو افسانہ، صورت دھنی، سٹی بک پوائنٹ کراچی، ۲۰۱۸ء

مرزا حامد بیگ، افسانے کا منظر نامہ، مکتبہ عالیہ لاہور، س-ن

محمد عظیم اللہ، ڈاکٹر، اردو ناول پر انگریزی ناول کے اثرات، دار الشعور پبلیشنز، ۲۰۱۰ء

محمد نعیم ورک، اردو ناول کا ثقافتی مطالعہ (۱۸۶۹ء تا ۱۹۴۷ء) کتاب محل لاہور، ۲۰۱۹ء

محمد جمیل ارشد، عالمگیریت پس منظر و پیش منظر، اردو سائنس بورڈ لاہور، ۲۰۱۹ء

نسیم عباس احمد، اردو افسانے کے نظری مباحث، تنقید تجزیہ، مثال پبلیشرز فیصل آباد، ۲۰۰۵ء

ناصر عباس نئیر، ڈاکٹر، عالمگیریت، اردو اور دیگر مضامین، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۵ء

ناصر عباس نئیر، ڈاکٹر، لسانیات اور تنقید، یورب اکادمی اسلام آباد، ۲۰۱۴ء

ناصر عباس نئیر، ڈاکٹر، مابعد جدیدیت، نظر مباحث، پاکستانی اردو اکیڈمی لاہور، ص ۳۲۱

نجیبہ عارف، ڈاکٹر، ۱۱/۹ اور پاکستانی اردو افسانہ، یورب اکادمی اسلام آباد، ۲۰۱۱ء

نیر اقبال علوی، جہان رنگ و بو، ملٹی میڈیا افیئرز لاہور، ۲۰۰۵ء

نجم الحسن رضوی، آکسیجن، اکادمی بازیافت کراچی، ۲۰۰۸ء

ناصر عباس نئیر، ڈاکٹر، عالمگیریت اور اردو اور دیگر مضامین، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۵ء

وقار عظیم سید، نیا افسانہ، مطبوعہ جناح پریس دہلی، س-ن

وہاب اشرفی، پروفیسر، اردو فکشن اور تیری آنکھ، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۹۸ء

ہیری ایل شیرہ، ثقافت کا مسئلہ (مترجم) سید قاسم محمود، مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۶۴ء

یوسف سرمت، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، نیشنل بک حیدر آباد، ۱۹۷۳ء

مقالات:

رفعت رفیق، عالمگیریت اور اردو ناول، اورنٹیل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۲۰۲۰ء

صدف سلطان، گلوبلائزیشن، مسلم دنیا پر ثقافتی اثرات، ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور، ۲۰۰۳ء

صابر حسین، اکیسویں صدی میں پاکستان کے مسلم خاندانی نظام پر عالمگیریت کے اثرات، تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد، ۲۰۲۰ء

عائشہ مقصود، اردو میں انگریزی کی آمیزش: لسانیاتی مطالعہ، اورنٹیل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور

محمد عرفان پاشا، اردو ادب پر عالمگیریت کے اثرات، یونیورسٹی آف ایجوکیشن لوئر مال کیمپس لاہور

مہرونہ لغاری، حسن منظر: ادبی خدمات، شعبہ اردو بہاؤالدین زکریایونیورسٹی، ۲۰۱۴ء

رسائل وجرائد:

الحمد، شمارہ ۳۰، الحمد اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۱۵

الایضاح، اسلامک سنٹر، پشاوریونیورسٹی، ۲۰۱۳ء

بازیافت، شعبۂ اردو، اورنٹیل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۲۰۱۶ء

چہارسو، ماہنامہ، راولپنڈی، ۱۹۹۹ء

تحقیقی جریدہ، شمارہ ۵

تحقیق نامہ، شمارہ ۲۶، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی لاہور، ۲۰۱۴ء

جرنل آف ریسرچ، جلد ۳۶، شمارہ ۲، بہاؤالدین زکریایونیورسٹی، ۲۰۲۰ء

زبان وادب، شمارہ ۲۲، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

نورِ تحقیق، جلد ۵، شمارہ ۱۷، لاہور گیریژن یونیورسٹی لاہور

NDU Journal 2009

International journal of Innovation creativity and change volume 13, 2020

Journal of Consumer Research Vol31, Issue 4, 2005

Clcweb: volume Issue 3, purdue university press

ENGLISH BOOK

Anthony Giddens, The third way: the renewal of social democracy, UK. Cambridge polity press, 1998

Chamsyel Ojeili and Hayden, Patrick, Critical Theories of Globalization, Palgrave MacMillan, Basingstoke Roof

Croucher, sheilal, Globalization and belonging the politics of identity in a changing world, Roman and Little field Maryland, 2004

David, Hasmondalgh, The culture Industries, age publication London, 2002

David Held, A Globalizing world? Culture, Economics and politics, Rout ledge New York, 2000

Ejaz Ahmad Rana, Globalization and its impacts on Pakistan, Areas publication Lahore, 2004

Gim Sheffield, Andray Korotayev, Globalization yesterday, today and tomorrow, Emergent publications.

G Reg Buckman, Globalization Tame it or scrap it, the university press Dhaka, 2004

Sandu culterela, Globalization, Deefination, process and concepts, National Defense University,card 1

Scholte, Jan Art, the Globalization of world politics, Oxford university press, 2001

Suman Gupta, Globalization and literature Linderf peter F, Does Globalization make the world more unequal in Globalization and Income incquodly Infancy university press Hyderabad, 2010

Martin Wolf, why Globalization works, yale university press London, 2005

Malcom Watters, Globalization, Routledge New York, 2001

Me Daniel, S.H, Cambell, T.L, Hepworth, J.R Lerenz Springer, A, New York, 2005

Robertson, Roland Globalization, social theory and global culture, Sage London, 1992

Robyn Bateman Drisk, The Impact of Globalization on Communities in samir Dasgupta, Sage publication, 2006

Javed masood, Syed, International political Econonomy and Globalization, world scientific publishing Singa por, 2008

Tahir Naveed Ahmad, Globalization Economy, Social and political Dimension, Focus on south Asia, Area study center of Europe university of Karachi, 2007

Tomlison J.B, Globalization and culture, university of Chicago press Cicago, 1999

Viviane Forrester, The Economic Horror (Transited by policy press from French) Blackwell Oxford, 1999

F.J. Hillimiller, Globalization and world Literture, https://read.duke press .edu/books

ویب سائٹس:

www.express.p.k

www.pu.edu.pk

www.sangat acadmy.pk

www.bbc.com/urdu

lri, aiou,edu.pk

www.dawn.com

Pu.edu.pk,bazyaft

www.langu ageindia.com

http://doil/10.1142/s 237740017500129.june 2017

http://aisel, aisnel.org

e notes.com

www.Forbes.com

www.piie.com

www.Imf.org

www.investopedia.com

www.britonica.com